

# مجاہدین پاکستان

★ میجر ضیا الدین احمد عباسی

✽ میجر عزیز بھٹی

★ فلاٹ لفٹیننٹ خواجہ یونس

و دیگر شہداء کی یاد میں



خطہ پاک پر اسلامی پرچم سب سے پہلے اموی خلیفہ امیر المومنین  
الولید بن امیر المومنین عبدالملک بن امیر المومنین مروان کے  
جوان سوال کمانڈر محمد بن قاسم ثقفی نے لہرایا تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔  
سال بعد کے سیاسی انقلاب میں برطانوی حکومت نے یہ  
بارہوی پرچم عارضی طور سے سرنگوں کر دیا مگر مسلمانان برکوچک  
کی عزیمت ماندہ نہ پڑسکی تا آنکہ اسی خطہ پاک کے بطل جلیل و  
قائد اعظم محمد علی جناح کے حسن تدبیر سے ایک بار پھر یہ اسلامی  
پرچم سر بلند ہوا اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت منصبہ شہود  
پر آئی۔

بعد بد عہد بھارت نے بلا اعلان جنگ جب اس  
اٹھارہ برس خطہ پاک پر بزدلانہ حملہ کی جسارت کی تو اسی  
سرزمین کے دوسرے بہادر فرزند فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر مملکت  
کی مضبوط قیادت کے طفیل ہمارے شیر دل مجاہدوں نے دشمن کو وہ  
مار دی کہ دنیا حیران رہ گئی اور دشمن کے مارے منصوبے خاک میں  
مل گئے۔

یہ کتاب جو اسی اموی خلافت کے صحیح حالات میں ہے جسکے  
مبارک عہد میں اسلامی ریاست کا پرچم سب سے اول  
یہاں لہرایا تھا اسے ان پاکستانی مجاہدوں کے نام منسوب کرتا ہوں  
جنہوں نے اس پرچم کی سر بلندی اور وطن عزیز کے دفاع میں تاریخی  
کارنامے انجام دیتے ہوئے اپنی عزیز جانیں تک قربان کر دیں۔ منافع بھی  
اسکا قومی دفاعی فنڈ سے مخصوص کرتا ہوں۔

محمود احمد عباسی

کراچی ۱۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۶۵ء





# تبصرہ محمودی

بر

۱۷۳ ہفتوات محمودی

حصہ اول

اسلامی سیاسی نظام بعہد عثمان علی و معاویہ و دیگر خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین

مکتبہ علیم و حکمت  
سورترسٹنٹ لائبریری  
محمود احمد عباسی

ناشر مکتبہ محمودی بی ایریا لیاقت آباد کراچی ۱۹

نام کتاب ..... تبصرہ محمودی بر مہفوات مودودی

حصہ اول

اسلامی سیاسی نظام بعید عثمان و علی  
و معاویہ و دیگر خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین

ممدوح احمد عباسی

نام مصنف

نام مطابع

مطابع سعید دیکھ - قیرقہ داس روڈ کراچی

نقد و طبع بار اول ..... ایک ہزار

نام کاتب ..... عبدالمقتدر

قیمت ..... تین روپے ۲۵ پیسے



## فہرست عنوانات

| نمبر شمار | عنوان                               | صفحہ | نمبر شمار | عنوان                               | صفحہ |
|-----------|-------------------------------------|------|-----------|-------------------------------------|------|
| ۱         | خلافتِ راشدہ و ملوکیت               | ۵    | ۲۰        | شربِ خمر                            | ۶۷   |
| ۲         | خلافت و ملوکیت                      | ۹    | ۲۱        | ایک دوسرا افتراء                    | ۷۷   |
| ۳         | فرائضِ خلافت                        | ۱۵   | ۲۲        | حضرت عبداللہ بن عامر اموی           | ۷۹   |
| ۴         | ملوکیت                              | ۱۸   | ۲۳        | حضرت عبداللہ بن سعد عامری           | ۸۲   |
| ۵         | ایک لغو دجے پایہ روایت              | ۲۱   | ۲۴        | اندرونی نقص روایت                   | ۸۷   |
| ۶         | حضرت فاروقِ اعظم کی جانشینی         | ۲۷   | ۲۵        | بیرونی شہادت                        | ۸۸   |
| ۷         | خطرہ                                | ۳۸   | ۲۶        | حضرت سعید بن العاص اموی             | ۸۹   |
| ۸         | وضعی روایت                          | ۳۰   | ۲۷        | حضرت مروان                          | ۹۴   |
| ۹         | راویوں کی حیثیت                     | ۳۸   | ۲۸        | شوری حکومت                          | ۱۰۱  |
| ۱۰        | دو کذاب راوی                        | ۴۴   | ۲۹        | بیت المال                           | ۱۰۵  |
| ۱۱        | امیر المومنین فاروقِ اعظم کی وصیتیں | ۴۵   | ۳۰        | وضعی روایت                          | ۱۰۹  |
| ۱۲        | عہد عثمانی کے عمال حکومت            | ۴۸   | ۳۱        | لغو اتہام                           | ۱۱۲  |
| ۱۳        | قبائلی عصیت                         | ۵۲   | ۳۲        | شہادتِ مظلومیت عثمان ذی النورین     | ۱۱۶  |
| ۱۴        | امیر المومنین عثمان ذی النورین      | ۵۵   | ۳۳        | بیعتِ خلافت حضرت علی                | ۱۲۳  |
| ۱۵        | "فرد جرم" مرتبہ مودودی صاحب         | ۵۵   | ۳۴        | عقدِ بیعت                           | ۱۲۷  |
| ۱۶        | عزل و نصب                           | ۵۸   | ۳۵        | قصاص امیر المومنین عثمان ذی النورین | ۳۹   |
| ۱۷        | فہرست اعمالِ مملکت بنویہ            | ۶۱   | ۳۶        | جنگِ جمل                            | ۱۳۸  |
| ۱۸        | طلقاء                               | ۶۱   | ۳۷        | غلط تصور                            | ۱۵۲  |
| ۱۹        | حضرت ولید بن عقبہ                   | ۶۳   | ۳۸        | قاتلِ طلحہ                          | ۱۵۵  |



| صفحہ | عنوان                      | نمبر شمار | صفحہ | عنوان                         | نمبر شمار |
|------|----------------------------|-----------|------|-------------------------------|-----------|
| ۱۹۳  | اجتماع حکیمین اور فیصلہ    | ۴۶        | ۹۷   | موقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ | ۲۹        |
| ۱۹۵  | ترک عبارت برصحت            | ۴۷        | ۶۲   | قتل عمارؓ                     | ۳۰        |
| ۱۹۸  | اکابر صیبا پر انتہام       | ۴۸        | ۱۷۰  | الفئة الباغية                 | ۳۱        |
| ۲۰۰  | سبائی مفروضہ               | ۵۹        | ۱۸۵  | گنتی مراسلہ                   | ۳۲        |
| ۲۰۴  | موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ | ۵۰        | ۱۸۷  | ثالثی                         | ۳۳        |
| ۲۰۶  | ناکامی کا اعتراف           | ۵۱        | ۱۹۱  | تحریر حکیمین                  | ۳۴        |
| ۲۰۹  | امیر برہنہ کی ولایت عہد    | ۵۲        | ۱۹۲  | ثالثی نامہ                    | ۳۵        |



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
مُحَمَّدٌ وَاٰلِہٖ وَسَلٰتِہٖ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

## خلافت راشدہ اور ملوکیت

داستانِ عہدِ گل را بشنوا ز مرغِ چمن  
زا غبا آشفته تر گفتند این افسانہ را

جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے ماہنامہ ترجمان القرآن میں "خلافت راشدہ سے ملوکیت تک" وغیرہ عنوانات سے ایک سلسلہ مضامین شائع کیلئے ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت مئی جون اور جولائی ۱۹۶۵ء کے تین شمارے ہیں۔

مودودی صاحب بلند پایہ مصنف، کہنہ مشق انشاء پرداز اور وسیع المطالعہ عالم ہونے کے ساتھ "جماعت اسلامی" کے بانی اور اس کے امیر و رہنما ہیں۔ جماعت اسلامی نے بزرگوں کو پاک و مہذب میں اپنا جو مقام پیدا کر لیا ہے اور مودودی صاحب کی جو اعلیٰ حیثیت بن گئی ہے اس کا تقاضا تھا کہ جو بات ان کے قلم سے نکلتی وہ مبنی بر حقائق ہوتی اور اہمات الکتاب سے انھوں نے استنباط کیا ہوتا اور وایتوں کی جانچ کر کے صحیح و غلط کا امتیاز کیا ہوتا اپنے مآخذ اور کتب تاریخ کے حوالے لینے کے ساتھ وضاحت اور

۱۵ جولائی ۱۹۶۵ء کے شمار میں سلسلہ مضمون کی آخری قسط بھکریم نے تقیہ کے لئے قلم اٹھا یا چند ابواب اس کتاب کے لکھے گئے تھے کہ اگست سے شمارے سے دوسرا سلسلہ مضامین شائع ہوا اس پر تنقید بھی آخر میں کی گئی ہے۔



کذاب راویوں کا سراغ بھی کتب سمار الرجال سے چلا لیا ہوتا جن کی وضعی روایتوں کی بھرمار ان کے مآخذ طبری میں ہے اور طبری سے بعد کے مورخین نے آنکھ بند کر کے نقل و نقل کیا ہے وہ ایسا کرتے تو ان مضامین کا نتیجہ البتہ تعمیری نکلتا۔

مگر نہایت افسوس بلکہ غم و غصہ ہے اور ہر حساس مومن کو ہونا چاہیے کہ مودودی صاحب نے نصوص صریحہ و ثابتہ اور حقائق تاریخیہ و قائل ملکہ کی صحیح روئداد کو پس پشت ڈال کر اکثر و بیشتر اپنی خیالی اور لوگوں کی وضعی باتوں پر اپنے سلسلہ مضامین کی بنیاد رکھی اور جس جس طریقے سے مسخ شدہ صورت حال پیش کر سکتے تھے اس سے انھوں نے دریغ نہیں کیا جس کا نتیجہ اس کے سوائے کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمان خصوصاً ان کے ادارے سے وابستہ لوگ اپنی ملی تاریخ سے بیزار ہوں، سلف صالحین سے ان کے دل پھر جائیں اور دعوتِ محمدیہ ایک وقتی تحریک ثابت ہو جو اپنی مدت پوری کر کے ختم ہو گئی اور اس کا گلا انہی لوگوں نے گھونٹ دیا جنھوں نے جان و مال قربان کر کے اسے پروان چڑھایا تھا۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسلمانوں پر زوال آیا، اسلام میں ایسی باتیں دخل ہو گئیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور صدیوں سے ان پر وہ ذہنی، علمی، روحانی اور رسمی مذہبی اور بارطاری ہیں جن سے نجات فی الوقت مشکل معلوم ہوتی ہے لیکن تسنزل و زوال کے اصلی اسباب کا سراغ ایمانداروں اور دیانت سے لگانا چاہیے۔ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ وہ اسباب کس حد تک داخل ہیں اور کہاں تک خارجی نیز یہ کہ داخلی خرابیوں کی ذمہ داری کن پر پڑتی ہے اور جو خارجی اثرات ترقیب ہوئے ان کا آلاکار کون لوگ بنے۔ جب ہم تحریکِ قرآنیہ کی موجودہ ظاہری اضمحلال اور اس کی خیالی ناکامی کی ذمہ داری خود صحابہ کرام پر ڈال دیں گے اور ان کی وقتی فائدہ جنگی کی غلط تصویر پیش کر کے اسے دائمی فساد کا بانی قرار دیں گے اور مودودی صاحب کے ایک رفیق کار کی طرح یہ کہنے کی جسارت کریں گے کہ "چند قدم چل کر یہ امتِ راہِ حق سے ہٹی تو ہستی ہی چلی گئی" یا خود مودودی صاحب کے الفاظ دہرائیں گے کہ "حضرت علی کی شہادت کے بعد اس امت کی قیادت جاہلیت کے ہاتھ میں چلی گئی" تو پھر امیر کا چراغ کس طرح روشن کیا جاسکے گا؟



مودودی صاحب کے سلسلہ مضامین میں طعن و تشنیع کے ہدف اکثر بیشتر خلفائے  
امیہ ہیں جن کے خلاف پہلے ہی وہ باوقاات مختلفہ بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ سات برس پہلے  
رجحان القرآن ماہ مئی ۱۹۵۹ء میں ایک سوال کے جواب میں انھوں نے لکھا تھا:-  
”اموی فرمانرواؤں کی حکومت حقیقت میں خلافت نہ تھی اگرچہ ان کی حکومت  
میں قانون اسلام ہی کا تھا لیکن دستور (CONSTITUTION)  
کے بہت سے اسلامی اصولوں کو انھوں نے توڑ دیا تھا نیز ان کی حکومت اپنی  
روح میں اسلام کی روح سے بہت ہٹی ہوئی تھی“ الخ

اس پر لاہور کے شیعہ ماہنامہ ”معارف اسلام“ (جون ۱۹۵۹ء) نے مودودی  
صاحب کی ایک حد تک حق گوئی اور بیباکی پر ان کی ”خدمت میں ہدیہ تبریک“ پیش کرتے ہوئے  
لکھا تھا کہ ”ہم محترم سید صاحب موصوف کی حق گوئی پر انھیں مبارکباد پیش کرتے ہیں اور  
وقع رکھتے ہیں کہ آئندہ ذرا کھل کر واقعات کی نقاب کشائی فرمایا کریں گے“ (ص ۳۷) غالباً  
صل کر نقاب کشائی کا ہتھیار مودودی صاحب نے اس سلسلہ مضامین میں کیا ہے جن میں  
میر المومنین حضرت عثمان ذی النورینؓ کو بھی نہیں بچتا سلسلہ مضامین کی اشاعت بھی اس وقت  
سے کی گئی جب حضرت عثمانؓ کے اس مصحف شریف کے عکس کی زیارت کی لوگ جوق جوق  
اولینڈی پہنچنے لگے تھے جو محترم صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب تاشقند سے  
پائے تھے اور جس پر حضرت ذی النورینؓ کے خون پاک کے دھبے دکھائی دیتے ہیں جو مظلوماً  
شہادت کے وقت اس پر جذب ہوئے تھے۔

مودودی صاحب معلوم ہوتا ہے اپنے نسلی تعصب میں اس بری طرح پہنسے ہوئے  
ہیں کہ انھیں اموی خلفاء و اماراء اسلام پر طعن کرتے وقت یہ احساس نہیں رہتا کہ ان کے  
طعن و تشنیع کا ہدف کون بنتا ہے۔ انھوں نے تو کتاب ”تجدید و احیائے دین“ میں یہ بھی  
لکھ دیا ہے کہ حضرت عثمانؓ ہی کے دور خلافت میں جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے  
اند رگھس آنے کا موقع مل گیا۔ نیز ترجمان القرآن جولائی ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں خود جینی  
کے سلسلے میں جو طویل مضمون ان کا شائع ہوا تھا اس میں یہ معنی خیز فقرہ بھی تھا:-



”جب تک کسی شخص کو بیعت حاصل نہ ہو وہ برسرِ اقتدار نہ آئے اور جب

لوگوں کا اعتماد اس پر سے اٹھ جائے تو وہ اقتدار سے چمٹا نہ رہے۔“

ناموں کی صراحت تو نہیں کی لیکن سیاق و سباق سے ہویدا ہے کہ ”اقتدار سے چمٹے رہنے“ سے روئے سخن امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی طرف ہے اور بیعت حاصل نہ ہونیکا

لغو طعن امیر المومنین حضرت معاویہؓ یا امیر المومنین یزیدؓ پر ہے یہیں یہاں تو اس بارے

میں کچھ کہنا نہیں اس کی تردید کا موقع آگے آ رہا ہے۔ انھوں نے خلافت اور ملوکیت

کی شرعی اصطلاحوں کو جو خود ساختہ معنی پہنائے ہیں اور پھر امیر المومنین حضرت معاویہؓ

جیسے یگانہ روزگار امام اور خلیفہ راشد و مرشد سے لیکر بعد کے تمام خلفاء و کرام کو کھٹکنا

بادشاہت ثابت کرنے کی کوشش میں سخت سے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں اور ان مطاعن

کا ہدف امیر المومنین سیدنا عثمانؓ ذی النورین صلوات اللہ علیہ کی ذات اقدس تک

کو بنادیا ہے اس کا اصل سبب سوائے نسلی تعصب اور عصیت جاہلیت کے اور کیا ہو سکتا ہے

مودودی صاحب کا مقصد علی ہوتا تو اس کا التزام رکھتے کہ جو بات کہیں وہ اعلیٰ مأخذ

کی روشنی میں ہو اور جن امور کی تحقیق کی جا چکی ہے انھیں سلنے رکھیں اگر ان تنقیحات سے

اختلاف ہو تو دلائل سے اپنا موقف ثابت کریں لیکن افسوس ہے اور اہل علم کے لئے

موجب شرم و سار کہ انھوں نے وہی سبائیوں کے چبائے ہوئے نقموں سے اپنے مضامین

کا پیٹ بھرا ہے اور الامامة والسياسة و شرح ہنم البلاغة ابن ابی الحدید و

مروج الذهب مسعودی وغیرہ جیسی کتابوں کے حوالے دئے اور ابو مخنف جیسے کتاب

راوی کی وضعی روایتوں پر جو ابن جریر طبری نے قال ابو مخنف کی تکرار سے درج کر ڈالی ہیں

تکیہ کیا ہے اور انھیں حقائق تاریخیہ یاد رکھنا چاہا ہے۔

کہتے ہیں کہ کتب خانہ ان کا بہت وسیع ہے اس لئے ان سے یہ توقع ہو سکتی تھی کہ

موافق صحابہ کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، قاضی ابوبکر بن العربی جیسے بزرگواروں

کی تحقیقات ان کے سامنے ہوگی نیز علامہ محب الدین الخطیب رحمہ اللہ کے تحقیقی تعلیقات

کا انھیں علم ہوگا پھر بھی انہوں نے غیر محقق اور بے پایہ باتیں دہرائی ہیں اور ہدف ہدایت



عظما و خلفاء نبی امیہ کو بنایا ہے تو ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں حق بجانب ہیں کہ نسلی تعصب و  
 و آباء پرستی کے سوا کچھ شاید کوئی دوسرا جذبہ کار فرما نہیں۔ امیر المومنین حضرت  
 معاویہؓ کے عہد مبارک سے جو سیاسی نظام مسلمانوں میں صدیوں تک عملاً مقبول رہا  
 اسے وہ محض اس لئے باطل کہتے ہیں کہ اپنے علوی بزرگوں کے پے بہ پے ناکام خرد خویش  
 اور ان کی سیاسی ناکامیوں کی تلخی کا انھیں شدت سے احساس ہے اس لئے جو ان کے  
 مذہب میں آتا ہے اور قلم سے نکلتا ہے اس میں انھیں پاک نہیں وہ حجت اپنے موعومات ہی  
 کو سمجھتے ہیں۔

اہل علم کے نزدیک یقیناً یہ امر موجب عبرت ہو گا کہ مودودی صاحب نے ہر قسم  
 کی کتابوں کے حوالے دئے ہیں لیکن انھوں نے لائق اعتناء نہ سمجھا تو موطا شریف  
 اور صحیح بخاری کو حالانکہ صحابہ کرام کے احوال کے لئے یہ دونوں کتابیں اہم ترین مآخذ کی  
 حیثیت رکھتی ہیں مگر ہم نے یہ شاید غلط کہا مودودی صاحب نے صحیح بخاری سے ایک  
 حدیث تو حضرت عمارؓ کے مقتول ہونے کی ہے تاکہ حضرت معاویہؓ کو باطل پر ثابت  
 کریں اگرچہ حوالہ بخاری کا نہیں دیا بلکہ دوسری کتابوں کا دیا ہے اور دوسری حدیث  
 لی ہے تاکہ حضرت مروانؓ کو ملعون بنا سکیں لیکن یہاں بھی عبارت دوسری کتابوں کی  
 نقل کی ہے اور صحیح بخاری کی عبارت قابل غور نہ سمجھی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!  
 ہم ان کے سلسلہ مضامین کی ایک ایک اہم بات پر کتاب و سنت اور تعامل  
 صحابہ کی روشنی میں بحث و گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

**خلافت و ملکیت** | مودودی صاحب نے شریعت مسطرہ کی یہ دو اصطلاحیں  
 تو لے لیں مگر ہوا کے نفس کے تحت ان کا مدلول غلط اور خلاف

مشاء خدا و رسول متعین کر کے امت کو گم راہ کرنا چاہا۔

شریعت اسلامیہ کے مطابق خلافت علی منہاج النبوة کے صرف ایک معنی ہیں کہ امت کا

۱۔ علوی حضرات کے تقریباً ۶۶ خرد جوں کے تفصیلی حالات جو چوتھی بھری تک سیاسی اقتدار کے حصول میں  
 کئے گئے تھے جو اکثر و بیشتر ناکام رہے ہماری کتاب "تحقیق مزید" میں ملاحظہ ہوں۔

سیاسی نظام ایک دنیوی حکومت کی صورت میں کتاب و سنت پر مبنی ہو۔ اور اس کے نفاذ کے لئے اجتہاد سے کام لیکر ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو فطرت انسانیہ کے مطابق ہو تاکہ نسلی لسانی اور جغرافیائی تقاضے بھی پورے ہو سکیں اور ایک ایسی عالمگیر برادری پیدا ہو جائے جو اپنی اجتماعی زندگی کو اصول کے مطابق اپنے احوال کے تحت ڈھال سکے۔ کسی خاص نسل کسی خاص زبان اور کسی خاص وطن کی خصوصیات کو دنیا کے تمام انسانوں پر مسلط نہیں کیا جاسکتا۔

اسی لئے شریعت کو اس سے قطعاً بحث نہیں کہ نظام سیاسی کی ہیئت ترکیبی کیا ہوگی، سر حکومت کیسے برسر اقتدار آئیگا اور مختلف النوع معاشروں کو برادری کے ایک رشتے میں کیسے منسلک کیا جاسکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جس خلافت کا وعدہ کیا تھا اس میں یہ نہیں بتایا کہ اس کا دستور اساسی کیا ہوگا۔ وہاں الفاظ ہیں مکا استخلف الذین من قبلہم (جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی)۔ دنیا میں حکومت کی جتنی اور جیسی صورتیں رائج چلی آرہی تھیں ویسی ہی مسلمانوں کی حکومت بھی ہوگی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس حکومت کا مقصد دین برپا کرنا ہوگا اور اس کے قوانین ایسے لچکدار ہوں گے کہ دنیا کی ہر قوم ان کے تحت زندگی بسر کر سکے۔

کتاب اور سنت نے امت کو کوئی دستور اساسی نہیں دیا اور نہ ایک بڑھنے والی ترقی پذیر بین الاقوامی امت کو کسی خاص دستور کا پابند کیا جاسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں نہ کسی رائج الوقت جمعیت کو توڑنے کی کوشش کی اور نہ آئندہ کے لئے کوئی متعین راہ عمل امت کے لئے چھوڑی۔ صرف چند چک دار اصول دے دیئے جن کے تحت حسب ضرورت مختلف قسم کے سیاسی نظام برپا کئے جاسکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب کی زندگی قبائلی تھی اور ہر قبیلہ اپنے اصول اور رواج کے مطابق اپنا سر قبیلہ مقرر کرتا تھا۔ آپ نے یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہنے دیا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے جو والی مقرر کر کے بھیجا ہو یا جو نما سندرہ تبلیغ و اشاعت یا تحصیل زکوٰۃ اور اجراء قوانین کے لئے آپ کی طرف سے گیا ہو اس نے



قبائل کا اندرونی نظام محل کرنے کی کوشش کی ہو۔

آپ کے قرب و جوار میں شخصی حکومتیں قائم تھیں۔ انہیں جب آپ نے دین اسلام کی دعوت دی تو اس میں صراحت کر دی کہ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کی حیثیت عسریٰ برقرار رہے گی اور جس سیاسی نظام کے وہ لوگ عادی ہیں اسے توڑا نہیں جائے گا۔ چنانچہ ہر قتل کو جو نامہ مبارک بھی لیا، اس میں صراحت تھی اَسْلِمَ تَسْلَمَ (اسلام لے آؤ محفوظ رہو گے) [بخاری: ج ۱ ص ۹، طبع مصر] یہاں محفوظ رہو گے کے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں زوال و عذاب سے محفوظ رہو گے۔ ہر قتل اگر مسلمان ہو جاتا تو کیا اسے اسلام لانے کی یہ سزا دی جاتی کہ تخت چھوڑ کر مودودی صاحب کی "شوری حکومت" کا پابند ہو جاتا؟ یقیناً اس کی حکومت بدستور برقرار رہتی جیسا کہ نجاشی کی حکومت قائم رہی۔ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مطالبہ نہیں کیا فی الحال تخت چھوڑ دو پھر استقواب رائے عامہ کے بعد اگر تم صدر منتخب ہو گئے تو رہو گے ورنہ نہیں۔ اسی طرح حضرت باذان جو کسریٰ کی طرف سے مین کے حاکم تھے انہیں بھی حضور نے یہی پیغام بھیجا تھا کہ اگر وہ اسلام لے آئیں تو مین کی حکومت پر بدستور فائز رہیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پھر ہم خاص تاریخ خلافت پر جب غور کرتے ہیں تو ہمیں کسی طرح یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نصب امام کا کوئی خاص طریقہ ہے۔ چنانچہ مٹی محلہ کے شمارے میں مودودی صاحب نے خود لکھا ہے (ص ۱۸۱) کہ حضرت عمرؓ نے سفیفہ بنی ساعدہ کی مجلس میں اپنا ناک اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ کا نام تجویز کیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر فوراً ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ ان کو خلیفہ بنانے کے بارے میں پہلے کوئی مشورہ نہیں کیا تھا، تو پھر وہ شوری خلافت کب قائم ہوئی جس کے متعلق مودودی صاحب نے اسی شمارے میں (ص ۱۸۰) لکھا ہے "لیکن مسلم معاشرے کے لوگوں نے خود یہ جان لیا کہ اسلام ایک شوری خلافت کا تقاضہ کرتا ہے"۔ سفیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کرام کا نمائندہ اجتماع کیا ہوتا، وہ تو انصار کا بھی نمائندہ اجتماع نہیں تھا۔ اور ہاجروں میں سے وہاں صرف تین صاحب تھے۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ

صلوات اللہ علیہ کی شخصیت ہی ایسی بلند و بالا تھی کہ سب کی گردنیں خود بخود جھک گئیں اور مکمل بیعت ہو گئی۔

پھر حضرت فاروق اعظم رضوان اللہ علیہ کی ولایت عہد کا واقعہ جو مورودی صاحب نے طبری کے حوالے سے بیان کیا ہے اس کی توثیق حضرت فلیفہ رسول اللہ کے فرمان سے قطعاً نہیں ہوتی۔ یہ فرمان آپ نے ایسی حالت میں لکھوایا تھا کہ آپ کا آخری وقت تھا جس کے دوران تھوڑی سی غفلت بھی ہو گئی تھی۔ پھر ہوشیار ہو کر آپ نے اسے مکمل کرایا۔ اس وقت اس کا موقع ہی کہاں تھا کہ آپ مسجد میں ایک مجمع کے سامنے تقریر کریں۔ البتہ ایک آدھ روز پہلے بعض اکابر سے حضرت فاروق کے متعلق رائے ضروری تھی مگر اس طرح کہ انہیں اس انتخاب میں کوئی داخل ہو۔ ان کو ولی عہد بنانے کا آپ پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے۔ فرمان صدیقی میں اس کا بھی کوئی ذکر نہیں کہ میں نے اپنے کسی رشتہ دار کو مقرر نہیں کیا ہے یہ آپ کہہ بھی کیسے سکتے تھے جبکہ ہاجروں میں سے ہر شخص آپ کا رشتہ دار تھا۔  
فرمان کے الفاظ ہیں :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ عہد ہے جو ابو بکر بن ابی قحافہ نے دنیا سے نکلے ہوئے آخری وقت میں اور آخرت میں داخل ہونیکے شروع وقت میں کیا جبکہ کافر ایمان لے آتا ہے غلط رو شخص یقین حاصل کرتا ہے اور جھوٹا شخص تصدیق کرتا ہے۔

میں نے اپنے بعد تم پر عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین کیا ہے لہذا تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو میں نے اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین اور اپنی جان اور تم سب کے بہتری کے سوا اور کچھ نہیں سوچا ہے۔ اگر انہوں نے عدل کیا تو میرا گناہ اور میرا علم ان کے متعلق

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
ہذا ما عہد ابو بکر بن ابی قحافہ  
فی آخر عہدہ بالذنب لیاخارجا منہا  
وعند اول عہدہ باخرۃ داخلہ  
فہما حیث یؤمن الکافر ویوقن  
الفاجر یصدق الکاذب۔ انی  
استخلفت علیکم بعدی عمر  
بن الخطاب فاسمعوا له واطیعوا  
وانی لم آل اللہ ورسولہ  
ودینہ ونفسی وایاکم خیرا۔ فان  
عدل قذا لک خلقی بہ وعلمی فیہ



یہی ہے اور اگر بدل گئے تو ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے میں نے تو بھلائی ہی سوچی ہے اور غیب کا مجھے علم نہیں اور جو لوگ ظلم کریں گے وہ غنقریب دیکھ لیں گے کہ ان کا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔ تم سب پر سلامتی ہو اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں۔

وان بدل فلک امرئ ما اکتسب  
والخیر اودت ولا اعلم الغیب  
وسیعلم الذین ظلموا الی منقلب  
ینقلبون والسلام علیکم ورحمة  
اللہ وبرکاتہ۔

پھر آگے ہے شمار بالکتاب فحتمہ شمار عثمان فخرج بالکتاب محتوماً  
فبايع الناس ورضوا به وپھر آپ نے حضرت عثمانؓ کو حکم دیا کہ فرمان کو سر بھر کر دیں۔  
چنانچہ وہ اسی سر بھر فرمان کو لیکر نکلتے اور لوگوں نے بیعت کر لی اور اس پر راضی ہو گئے۔  
اس فرمان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ اندازہ ہو کہ اس تقریر میں کسی اور  
کی رائے کو بھی دخل تھا۔ پھر بیعت لینے کا طریقہ بھی بتاتا ہے کہ لوگوں کو اس سر بھر فرمان پر  
بیعت کرنی تھی جس کا بھی نام نکلتا۔ نامزدگی میں استصواب رائے عامہ کا قطعاً کوئی تصور  
نہیں اور یہ صرف حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مرضی سے سب کچھ ہوا۔  
موردی صاحب نے مئی کے شمارے میں صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت فاروق اعظم  
کی تقریر نقل کی ہے جو آپ نے اپنے آخری حج سے واپسی پر خلافت کے متعلق کی تھی جس کے  
آخری الفاظ انہوں نے یہ لکھے ہیں: "اب اگر کوئی شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کے  
ہاتھ پر بیعت کرے گا تو وہ اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی دونوں اپنے آپ کو قتل کے  
لئے پیش کریں گے" (ص ۱۸۱)

حضرت فاروق اعظم کی تقریر کا یہ فقرہ محدثین و مولفین نے نقل کیا ہے جس میں ایک  
کلیہ بیان ہوا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خود حضرت فاروقؓ نے اپنے بعد چھ بزرگواروں کو  
نام زد کیا کہ آپس میں فیصلہ کر کے کسی ایک پر راضی ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت  
فاروقؓ نے یہ چھ نام امت کے سامنے پیش نہیں کئے تھے اور نہ یہ فرمایا تھا کہ باہمی فیصلہ  
کرنے کے بعد عوام کو بغرض استصواب مطلع کریں۔ یہ تو حضرت عبدالرحمنؓ کا اپنا تقویٰ اور  
احساس ذمہ داری تھا کہ چار بزرگواروں کے الگ ہو جانے کے بعد جو دو صاحب باقی

رہے تھے ان میں سے کسی کو محض اپنی رائے سے منتخب نہ کریں بلکہ اہل مدینہ اور امراء عساکر سب سے مشورہ کر کے نتیجے کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ تین دن اور تین راتیں ایک ایک گھر جا کر کپ نے لوگوں کی رائے لی تھی۔ اور ہر طرف سے یہی آواز سنی تھی کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوں۔ مودودی صاحب کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

گویا حضرت فاروق اعظم نے تقریر میں جو کلیہ مسلمانوں کے مشورے کے متعلق بیان فرمایا تھا اس پر عمل اس صورت میں ہو گا جب مسلمانوں کا کوئی امام نہ ہو یا جانے والا امام کسی کے لئے وصیت نہ کر گیا ہو یا کوئی ہدایت نہ دے سکا ہو۔ جب جانے والا امام کسی کے بارے میں وصیت کر جائے تو وہ وصیت بہر حال نافذ ہوگی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت فاروق اپنی زندگی کی اہم ترین تقریر کریں اور پھر چلتے وقت اس تقریر کے مطابق عمل نہ کریں جو مودودی صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے قول اور عمل میں ہرگز تضاد واقع نہیں ہوا کیونکہ آپ کو وصیت کر جانے کا موقع مل گیا تھا۔ یہ بات اور ہے کہ وصیت کسی خاص شخص کے لئے نہیں تھی بلکہ ان چھ حضرات میں سے کوئی بھی خلیفہ ہو سکتا تھا۔ مگر ہوتا وہ اسی وصیت کے مطابق جو حضرت فاروق نے کی تھی۔

حضرت فاروق اعظم رضوان اللہ علیہ کی تقریر کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کہ نصب امام کا حق صرف اربابِ حل و عقد کو ہے یا پھر جانے والے امام کو اسی لئے حضرت علیؑ کی خلافت آخر وقت تک معرض بحث رہی کہ نہ جانے والے امام نے ان کو نامزد کیا نہ اربابِ حل و عقد نے نصب کیا پھر تحکیم پر راضی ہو کر اپنا موقف خود ہی کم نہ در کر لیا۔ کسی شخص کو ان کے خلیفہ ہونے کی اہلیت پر اعتراض نہ تھا اور نہ کسی نے ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور نہ ان کے متوازی کوئی حکومت قائم کرنی چاہی تھی۔ اعتراض صرف ان لوگوں پر اور ان کے طریقہ کار پر تھا جنہوں نے متفق علیہ اور محبوب ترین امام کو ظلماً و کفراً شہید کر کے یہ خلافت برپا کی تھی۔ اسی لئے دونوں خیانتوں نے فیصلہ دیا تھا کہ معتمد اصحاب کے عام اجلاس میں خلافت کے مسئلے کا از سر نو تصفیہ کیا جائے۔ اس موضوع پر بحث آگے آرہی ہے۔



خلافت اسلامیہ محض ایک دنیوی حکومت ہوتی ہے جس کی بنیاد  
**فرائض خلافت** کتاب و سنت پر ہے۔ اور خلافت کا انحصار خلیفہ یا اس کے  
 کارکنوں پر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ اجتماعی نظام ہے جسے غیر معصوم مسلمان کتاب و سنت  
 کی بنیاد پر قائم کریں۔ اور یہ نظام جب کبھی قائم ہوگا اسے خلافت راشدہ ہی کہا جائیگا  
 کیونکہ رشد و ہدایت کا منبع اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے نہ کہ  
 کسی شخص کی ذات۔

احادیث میں جو ہے اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر و اہتدوا  
 بھدی عمار و ما اقرأ کم ابن ام عبد قصد قوۃ (میرے بعد ان دونوں ابوبکر و عمر  
 کا اتباع کرنا اور عمار کی راہ چلنا اور ابن ام عبد جو پڑھائے اس کی تصدیق کرنا) تو اس  
 حدیث کا تعلق خلافت سے نہیں ہے بلکہ صحابیت سے ہے کیونکہ یہ بزرگوار علوم نبویہ کے  
 حامل تھے اور اپنی خصوصیات کی بناء پر امت میں ان کا مقام تھا۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ تو ان  
 میں سے صرف پہلے دو ہی ہوئے۔

جس حدیث کے تحت خلفاء کی سنت کا اتباع واجب ہوا وہاں نہ کسی کا نام ہے  
 اور نہ ان کی تعداد۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين | تم پر میری سنت کا اتباع لازم ہے اور ان راست رو  
 الہد بین من بعدی۔ | ہدایت یافتہ خلفاء کا جو میرے بعد ہوں گے۔

جن لوگوں نے راشدوں کی تعداد چار مقرر کر دی ہے وہ بے دلیل ہے بلکہ  
 اسے بھی چوتھی صدی ہجری کی بدعت کہنا چاہیے کیونکہ یہ تمام نصوص صریح و ثابتہ اور  
 تعامل صحابہ کے خلاف ہے۔ راشدوں کی نہ کوئی تعداد معین ہے اور نہ اس سلسلے میں زمانے  
 کی کوئی تحدید ہے۔ بلکہ اس امر کی صراحت ہے کہ یہ سلسلہ صدیوں تک رہے گا اور ہر حال  
 میں مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ جماعت اور اس کے ائمہ سے وابستہ رہیں۔ تلزم  
 جماعة المسلمین واما محکم نص قطعی ہے (بخاری: کتاب الفتن) فتنۃ وفساد اور  
 فرقہ بازی کے زمانے میں سلامتی صرف جماعت اور اس کے امام سے وابستہ رہنے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو فرمایا ہے اُولَئِكَ هُمُ الرَّاٰسِدُونَ (یہی لوگ ہیں ہدایت یافتہ) لہذا جس نظام پر وہ مجتمع ہوئے اور اس سے راضی ہو گئے وہی نظام حق ہے اور اس سے ہٹ کر اور اسے باطل بتا کر جو صورت پیدا کرنے کی کوشش کی جائیگی وہ باطل ہوگی۔ البتہ اس کی رجحیت تسلیم کر کے اپنے احوال کے تحت کوئی مناسب راہ عمل پیدا کی جائے تو جائز ہے بشرطیکہ امت راضی ہو جائے۔ کیونکہ خلافت برپا کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ منصوص نہیں بلکہ یہ امت کا اختیاری فعل ہے کہ باہم رضامندی سے وہ جس طرح چاہیں اسے برپا کریں۔ وہ جو بھی طریقہ اختیار کریں گے حق ہوگا اور اس میں بعد کے لوگ جو تبدیلی کریں گے وہ بھی حق ہوگی۔ کیونکہ تشکیل حکومت ہمیشہ حاضر الوقت احوال اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق کی جاتی ہے اسی لئے شریعت میں کوئی معین طریقہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خلافت اسلامیہ کے فرائض یہ بتائے ہیں [الحج: ۴۱]

|   |   |
|---|---|
| الَّذِينَ اَنْ مَكْنَهُمْ فِي الْاَرْضِ           | وہ لوگ جب ہم انہیں دنیا میں حکومت عطا فرماتے ہیں    |
| اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاَتَوْا الزَّكَاةَ         | تو وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں، اچھی باتوں |
| وَامْرًا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهًا                   | کا حکم کرتے ہیں بری باتوں سے روکتے ہیں ویسے تمام    |
| عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ لَعَاقِبَةُ الْاُمُورِ | امور کا انجام و مال اللہ کے ہاتھ ہے۔                |

جس حکومت میں یہ شعبہ ہائے زندگی منظم ہوں وہ خلافت راشدہ و مرشدہ ہے۔ خلفاء اور ان کے کارکنوں کی کوتاہیاں اور فرد گزاشتیں اس کی حیثیت کم نہیں کرتیں۔ جو لوگ کسی خلیفہ کی شخصی کم زوریوں کے سبب اس کی خلافت کو کوئی دوسرا نام دینا چاہتے ہیں وہ کج فہم ہیں اور اہل ہونے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خام خیالی کی جڑ پہلے ہی کاٹ دی ہے اور بتا دیا ہے کہ کتاب کی وراثت نے امت کو جو بزرگی اور عند اللہ مقبولیت عطا کی ہے اسے کوئی نہیں چھین سکتا اور ان کے شخصی معائب اس راہ میں حائل نہیں ہو سکتے (الفاطر: ۳۷)

شعائرنا الکتاب الذین اصطفینا | پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا



جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا بعض ان میں  
اپنی جانوں پر کلام کرنے والے ہیں بعض درمیانی چہال  
چلنے والے ہیں اور بعض لوگ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں  
سبقت کرنے والے ہیں اور یہ بہت بڑا فضل ہے۔

من عبادنا ففهم نظام لنفسه ومفهم  
مقتصد ومن بعد سابق بالتحیرات  
بإذن الله ذلك هو الفضل الكبير

اس تمام بیان سے ناظرین کرام پر یہ چند باتیں واضح ہو گئی ہوں گی۔  
(۱) خلافت نبوت کسی شخص کی حکومت نہیں بلکہ ایک سیاسی نظام ہے جو  
شریعت مطہرہ پر مبنی ہو۔ اس نظام میں اجتماعی فلاح و بہبود کے ہر شعبے کے لئے سرکاری  
کارکن ہوتے ہیں جو پورے معاشرے کی نگرانی کریں۔ ان میں کوئی شخص یا اشخاص معیاری  
نہ ہوں تو اس سے نظام کی حجیت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ انتظامیہ آزاد عدلیہ پھر محکمہ  
احتساب محکمہ افتاء اور سب سے بڑھ کر خود مسلم معاشرہ یہ سب مل کر خلافت راشدہ  
قائم کرتے ہیں۔ اور اس نظام کا سربراہ خلیفہ اور امام کہلاتا ہے۔

(۲) رشد و ہدایت کا منبع اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت ہے نہ کسی امتی کی  
ذات۔ صحابہ و علماء و فقہاء یا خلفاء کو جو راشد کہا جاتا ہے تو ان کے علم اور نورانیت  
کے سبب کہ منشاء نبوی ان کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔

(۳) وہ خلافت جو اجماع صحابہ اور ان کے بعد کسی عہد کے مسلمانوں کے اجماع  
سے قائم ہو وہ خلافت راشدہ ہے

(۴) ایسی خلافت جب بھی قائم ہو تو اس کے خلافت کھڑا ہوتا اور خروج کرنا  
خدا و رسول سے غداری ہے اور اس شخص کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے کیونکہ اس پر  
انتہائی سخت وعید ہے۔

جو شخص جماعت سے ایک باشت بھڑکی جدا ہوا  
تو اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا سو  
اس کے وہ اپنے موقف سے باز آجائے۔

من فارق الجماعة شبراً  
فقد خلع ربقه الاسلام من عنقه  
الان يراجع (متفق علیہ)

یہ وعید خلافت اسلامیہ کے خلاف خروج کے بارے میں ہے۔ جبکہ کھڑے ہو نیوالے

کی پشت پر رائے عامہ نہ ہو۔ فقہی اور نظری اختلافات جو جماعت کے اندر رہ کر اور نظام خلافت سے وابستہ رہنے کی صورت میں ہوں وہ اس کے تحت نہیں آتے کیونکہ اس سے علم و فکر میں ارتقاء ہوتا ہے۔

(۵) یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین یزید اول علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلاف جب اہل مدینہ نے بغاوت کی تو شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے خدا اور رسول سے غداری قرار دیا تھا۔ [بخاری: کتاب الفتن ص ۲۳۰ ج ۴، طبع مصر]

عن نافع قال لما خلع اهل  
المدینہ یزید بن معاویۃ جمع ابن  
عمر حشمہ وولدا فقال انی سمعت ابنی  
صلی اللہ علیہ وسلم یقول ینصب  
لکل غادر لواء یوم القیمۃ وانا قد  
بایعنا هذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ  
وانی لا اعلم غدر احد اعظم من ان یمانع  
رجل علی بیع اللہ ورسولہ ثم ینصب  
لہ القتال وانی لا اعلم احدا منکم  
خلعه ولا یایع فی هذا الامر الا کانت  
الفیصل بینی وبنیہ۔

حضرت نافعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب  
اہل مدینہ نے (امیر المومنین) یزید بن معاویہ کی بیعت  
ٹوڑ دی تو (حضرت) ابن عمرؓ نے اپنے متعلقین اور آل  
اولاد کو جمع کیا اور فرمایا میں نے رسول خدا صلی اللہ  
علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر غدر کرنے  
والے کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ اور ہم  
نے اس شخص کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کے  
نام سے بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑی کوئی  
غداری نہیں معلوم ہوتی کہ ہم ایک شخص کے ہاتھ پر  
اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کریں اور پھر اس سے  
جنگ کرنے کھڑے ہو جائیں مجھے یہ معلوم نہیں ہونا  
چاہیے کہ تم میں سے کسی نے بیعت ٹوڑ دی یا اس  
بغاوت کے معاملے میں کوئی بیعت کی۔ ایسا ہوا تو پھر  
میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

ملوکیت | شریعت اسلامیہ کے مطابق قانون سازی کا حق کسی کو نہیں۔ ان الحکم  
اللاہ (حکم دینا صرف اللہ کے ہاتھ ہے) لہذا حکومت اسلامیہ میں احکام  
الہی کے نفاذ کے بارے میں صرف اجتہاد ہے۔ کہ اپنے معاشرے کے احوال کے مطابق



احکام الہی نافذ کرنے کے لئے مناسب طریقے اختیار کئے جائیں حکومت کا ہر قانون روح اسلامی کے مطابق ہونا لازمی ہے۔ اسی کو فقہ اسلامی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قانون بنادینے سے شرعی حلت و حرمت یا کراہت و اباحت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہونا چاہئے۔ جس حکومت میں قانون سازی کا حق سر حکومت یا قوم کے نمائندوں کو ہو ایسی حکومت کو خلافت نہیں کہتے وہ ملوکیت کہلائے گی جیسے دنیا کی اور حکومتیں ہوتی ہیں، وہ حکومت شخصی ہو، آمرانہ ہو، جمہوری ہو یا اشتراکی ہو۔ اسے ملوکیت کہا جائیگا اور اگر ایسی حکومت کتاب و سنت پر مبنی ہوگی تو وہ خلافت کہلائے گی اگرچہ اس کی شکل کچھ ہو اور کسی زمانہ میں ہو۔ ساگو یا ملوکیت صرف حکومت کہلائے گی جو کتاب و سنت پر مبنی نہ ہو۔ اور ایسی حکومت کا سربراہ خلیفہ نہیں ہوگا بلکہ بادشاہ ہوگا۔ اسی لئے مسلمانوں کے کسی علاقے میں اگر شاہی نظام برپا ہوا تو سر حکومت کو سلطان کہا گیا اگرچہ عرف عام میں وہ بادشاہ کہلائے۔ لیکن سرکاری حیثیت اس کی سلطان ہی کی رہی۔ اور اس کے صرف ایک ہی معنی رہے کہ اس کے فیصلے آخری ہوں جن کا مراعہ نہ کیا جاسکے۔ خلفائے اسلام کے تحت ایسے متعدد سلاطین ہوئے ہیں۔

ایسے شخص کو سلطان اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کے زیر نگیں علاقے میں کتاب و سنت کی حکمرانی تھی وہ خود قانون ساز نہ تھا البتہ اسے اپنے زیر نگیں علاقہ میں سیاسی اعتبار سے اندرونی خود مختاری حاصل تھی۔ صرف امور خارجہ میں وہ مرکز سے وابستگی کا پابند تھا۔ جیسے سلطان غازی محمود غزنوی یا سلطان غازی صلاح الدین ایوبی۔ ترکی خلفاء بھی اسی معنی میں سلاطین کہلاتے تھے۔ اور یہ ان کا ادب تھا کہ آئینی حیثیت سے خلفائے اسلام ہونے کے باوجود انہوں نے صرف سلطان کا لقب اختیار کیا کیونکہ بہت سے مسلم علاقے سرکاری طور پر ان کے حلقہ اثر سے باہر تھے۔

غرض یہ کہ مسلم حکومتوں میں شاہزادوں کی کوئی بادشاہ ہوا ہے۔ وہ سب سلاطین تھے۔ مودودی صاحب نے جو اپنے مزعومات کے تحت یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کے زمانے ہی میں خلافت ختم ہو کر ملوکیت آگئی تھی تو ان کا یہ بیان بے پایہ ہے

اور اس سے کتاب اللہ سنت رسول اللہ اجماع صحابہ اور قیاس سب کی نفی ہوتی ہے۔  
اور اس میں پوری امت کی تفصیل و لوہین کا ایسا پہلو نکلتا ہے کہ اس سے ختم نبوت کا  
بنیادی عقیدہ متزلزل ہو جاتا ہے اور ان طالع آزمایہ لوگوں کے لئے راہ نکلتی ہے جو نئی  
امامت اور نبوت کی ڈول ڈالنا چاہیں۔

یہاں ایک نہایت اہم حدیث کی طرف ہم متوجہ کرنا چاہتے ہیں (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰)  
طبع مصر حضرت نافع بن عتبہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوے کے موقع پر میں نے آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کی بیان کردہ چار باتیں یاد رکھی ہیں۔

|   |   |
|---|---|
| <p>آپ نے ارشاد فرمایا تم جزیرۃ عرب کے خلاف جہاد کرو گے<br/>اور اللہ اس پر فتح دے گا پھر فارس پر اور اللہ اس پر بھی فتح دے گا<br/>پھر تم روم کے خلاف جہاد کرو گے اور اللہ اس پر بھی<br/>فتح دے گا۔</p> | <p>قال تغزون جزيرة العرب<br/>فيفتحها الله ثم فارس فيفتحها<br/>الله ثم تغزون الروم فيفتحها<br/>الله. الخ</p> |
|---|---|

گویا آپ کی امت کی جو حکومت عرب کو فتح کرے گی وہ حضرت صدیق اکبرؓ کے  
زمانے کی بات ہے اور جو فارس فتح کرے گی وہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان  
ذو النورینؓ کے عہد کی بات ہے اور جو روم کے خلاف جہاد کا سلسلہ شروع کرے گی جو  
حضرت عثمانؓ کے عہد سے حضرت معاویہؓ کی سرکردگی میں شروع ہوا اور ان کے عہد میں  
امیر ریزیدہ کے زیرِ کمان قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ہوا پھر اموی اور عباسی دور میں بار بار یہ جہادی  
معرکے ہوتے رہے تا آنکہ سلطان محمد فاتحؒ کے دست مبارک پر قسطنطنیہ فتح ہوا ان سب  
حکومتوں کی حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یکساں ہے یعنی مسلمان کتاب  
وسنت پر مبنی جیسی بھی حکومت قائم کریں گے اس کی ہیئت ترکیبی کچھ بھی ہو وہ اللہ  
اور اس کے رسول کے نزدیک مقبول ہے۔

اور یہ کوئی ایک ہی حدیث نہیں ہے متعدد ہیں مثلاً صحیح بخاری (ج ۲ ص ۱۹۲ طبع مصر)  
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسری ہلاک  
وسلم اذ اهلك كسرى فلا كسرى | ہو جائے تو اس کے بعد کوئی کسری نہیں ہوگا اور جب



قیصر ہلاک ہوگا تو پھر اس کے بعد کوئی قیصر بھی نہیں ہوگا  
اور اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔  
تم ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

بعداً واذا هلك قيصراً قيصراً  
بعداً والذي نفسي بيد  
للتفق كنونرهما في سبيل الله

تو اب ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حکومت کے جو  
طرز مقبول ہیں اور ان پر آپ نے فخر کیا ہے، انہیں باطل کہہ کر مودودی صاحب نے اپنی  
حیثیت کیا بنائی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد پھر کوئی قیصر  
نہ ہوگا یعنی ترکی خلفاء کی حیثیت اس ارشاد کے اعتبار سے قیصروں کی سی نہیں ہے وہ  
خلفاء و سلاطین ہیں اور عالم اسلام کے سربراہ مگر مودودی صاحب اموی و عباسی  
خلفاء کو بھی کسری و قیصر کہتے اور ان کی خلافت کے لئے ملوکیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔  
اور کمال یہ ہے بخاری کی روایت چھوڑ کر کم درجے کی روایت کے ذریعہ امیر المومنین یزید  
علیہ الرحمۃ کی ولایت عہد کے سلسلے میں قیصر و کسری کا نام ایک صحابی کے منہ سے ادا  
کرانا چاہتے ہیں جو منشاء نبوی کے خوب جاننے والے تھے اور امت میں آج کوئی بھی ان کی  
سمجھ کو نہیں پہنچ سکتا۔

یہ حدیث ناطق ہے کہ مسلمانوں میں ملوکیت نہیں آئی اور نظام خلافت جب تک  
برپا رہا اس وقت تک بھی نہیں آسکتی تھی کیونکہ ہر خلافت کی بنیاد اللہ کی کتاب اور  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر رہی۔

ملوکیت تو اس وقت آئی جب خلافت ختم ہو گئی ہر مسلم ملک نے قانون سازی  
اختیار کی اور خدا و رسول کے صریح احکام کے خلاف قانون بنائے اور اپنی وفاداریاں  
کلمۃ اللہ کے بجائے اپنے مالک اور اپنے خود ساختہ آئین سے وابستہ کیں۔

مودودی صاحب نے کنز العمال کے حوالے سے

ایک روایت نقل کی ہے (شمارہ مئی ص ۱۹۲)

ایک لغو اور بے پایہ روایت

مگر یہ بتائے بغیر کہ علماء حدیث کے ہاں اس کتاب کی کیا حیثیت ہے اور اس کی روایتیں

کن اصول کے تحت قبول کی جاتی ہیں۔ انھوں نے یہ روایت محض اس لئے نقل کی ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر چوٹ کریں اور منافق بتائیں۔ اس سلسلے میں یہ طنز بھی ملاحظہ ہو کہ انھیں "حضرت معاویہ کے والد حضرت ابوسفیان" لکھا ہے اور دوسری جگہ محض "ابوسفیان" ان ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھایا (رض) کی علامت بنانا ظاہر ہے کہ ان کے ہاں جائز نہیں۔ ہم یہ عبارت پوری نقل کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ پر بھی چوٹ ہے کہ گویا انھوں نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کر دیا تھا لیکن حضرت علیؓ نے اسے پھر خلافت بنانے کی کوشش کی۔ فرماتے ہیں:-

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ (۳۵-۵۴۰-۶۵۶-۶۶۱) نے پھر اسی معیار پر کام کرنے کی کوشش کی جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے قائم کیا تھا۔ وہ قبائلی تعصب سے بالکل پاک تھے۔ حضرت معاویہ کے والد حضرت ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے وقت ان کے اندر اس تعصب کی روح کو ابھارنے کی کوشش کی تھی۔ مگر انھوں نے یہ راہ اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ابوسفیان نے ان سے کہا تھا کہ "قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی (ابوبکرؓ) کیسے خلیفہ بن گیا۔ تم اٹھنے کے لئے تیار ہو تو میں وادی کو سواروں اور پیادلوں سے پھر دوں" مگر انھوں نے صاف جواب دے دیا کہ "تھاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم کوئی سوار اور پیادہ لادو۔ مسلمان سب ایک دوسرے کے خیر خواہ اور آپس میں محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہم ابوبکرؓ کو اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم لوگ کبھی انھیں اس پر مامور نہ ہونے دیتے۔" یہی حضرت علیؓ کا نقطہ نظر خلیفہ ہونے کے بعد بھی رہا جب وہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ٹھیک اسلامی اصول کے مطابق عہدہ اور عجمی تشریف اور وضع ہاشمی اور غیر ہاشمی سب کے ساتھ یکساں انصاف کا معاملہ کرنا شروع کیا اور کسی گروہ کو کسی دوسرے گروہ کے مقابلے میں ایسے ترجیحی سلوک سے



نوازنا پسند نہ کیا جو دوسرے گروہوں میں رشک و رقابت کے جذبات  
ابھار دینے والا ہو۔

یہ روایت اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ باطل ہے اور اس سے جو نتائج  
موردی صاحب نے نکالے ہیں۔ پادر ہوا میں۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) قریش ایک قبیلہ تھا اور اس کے گھرا لوں میں ادنیٰ اعلیٰ کا کوئی تصور نہ تھا۔ سب کے  
سب ایک دوسرے کے کھوتے اور گوناگون رشتوں میں منسلک۔ ہر گھرانے کو قبیلے کی کوئی نہ کوئی  
اہم خدمت سپرد تھی اور سب کو عرب کی قیادت اور کعبے کی تولیت کا یکساں شرف حاصل تھا۔  
وہاں ایک شخص کی عظمت و حرمت کا مدار اس کے ذاتی خصائل و فضائل پر تھا۔ اس اعتبار  
سے حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت قریش میں محترم تھی اور آپ کا شمار رؤساء مکہ میں تھا۔ وہ جب  
جستہ کی طرف ہجرت کرنے نکلے ہیں تو راہ میں ابن دغنے ملے۔ انھیں جب حال معلوم ہوا تو ان سے  
کہا "قسم ہے خدا کی تم قوم کی زمینت ہو اور ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہو۔ غریب اور  
مساؤ کے ساتھ سلوک کرتے ہو۔ تم چلو میں تمھیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں (الح) (صحیح بخاری  
ابواب المناقب (القسمۃ فی الجاہلیۃ) ج ۲، ص ۳۱ طبع مصر)

قریش میں جس شخص کی یہ حیثیت ہو اس کی تحقیر حضرت ابوسفیانؓ کیسے کر سکتے تھے۔  
(۲) جاہلیت کے زمانے میں بھی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ دعوت  
محمدیہ کے عظیم ترین رکن تین ہیں۔ ایک خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم، دوسرے حضرت  
صدیق اکبرؓ اور تیسرے حضرت فاروق اعظمؓ چنانچہ اُحد کے میدان میں جب تیر اندازوں کی  
غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کی فتح مثل شکست کے ہو گئی تھی کہ حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت تک کی خبر اڑ گئی۔ تو قریش کے امیر عسکر حضرت ابوسفیانؓ نے  
اس کفر کی حالت میں آواز دے کر مسلمانوں سے پوچھا تھا تو صرف ان تینوں حضرات کے متعلق۔  
[صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۰ طبع مصر]

واشرف ابوسفیان فقال اُنی اقوم | ابوسفیانؓ سامنے آئے تو کہا کیا تم لوگوں میں محمد ہیں۔  
عبداللہ فقال لا تجیبوا فقال | حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابواب مت دینا"

فی القوم ابن ابی قحافہ فقال  
لا تجیبوا فقال ائی القوم  
ابن الخطاب۔ الخ

انہوں نے پھر کہا "کیا تم لوگوں میں ابو قحافہ کے بیٹے  
(ابوبکرؓ) ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا "جواب مت دینا" پھر  
انہوں نے کہا کیا تم لوگوں میں خطابؓ کے بیٹے ہیں؟ الخ

حضرت ابوسفیانؓ جب کفر کی حالت میں حضرت صدیق صلوات اللہ علیہ کا مقام جانتے  
تھے تو اسلام میں وہ ایسی لغو بات اُن کے متعلق کیسے کہہ سکتے تھے۔

(۳) حضرت ابوسفیانؓ اگر خاندانی منافست پیدا کرنا چاہتے اور ایسی بات واقعی  
کہی ہوتی تو اپنے ہم چشم قدیم دوست اور تمام بنو ہاشم بلکہ سب مسلمانوں کے بزرگ  
نیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہتے نہ کہ حضرت علیؓ سے جو اپنے بزرگوں کے خورد تھے۔ اور  
جن کے ہاتھ میں نہ کوئی طاقت تھی اور نہ ایسا اثر کہ لوگ ان کی طرف طبعاً جھکتے۔

(۴) عہد نبویؐ میں حضرت ابوسفیانؓ نجران کے والی تھے اور وفات نبویؐ کے  
وقت ان کا مدینے میں ہونا قطع نظر اس لغو روایت کے اور کسی طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔  
وہ اگر وفات نبویؐ کی خبر سن کر آئے ہوں گے یا حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے طلبی کا فرمان بھیجا ہوگا تو بھی تکمیل بیعت کے ڈیڑھ چھینے بعد پہنچ سکے ہوں گے۔ اور  
یہ وہ وقت تھا جب حبشہ اسامہؓ روانہ ہو چکا تھا۔ مدینہ کے قرب و حوار کے قبائل کی  
طرف سے بے اطمینانی تھی اور چاروں طرف سے ارتداد اور بغاوتوں کی خبریں آرہی  
تھیں۔ اس وقت تمام مسلمان بشمول حضرت علیؓ اپنے امام کی قیادت میں زندگی اور موت  
کی جدوجہد میں مشغول تھے۔

اس عظیم ابتلاء کے وقت ہم اموی سادات کی بڑی شان دیکھتے ہیں۔ حضرت  
ابوسفیانؓ کے دونوں فرزند حضرت یزیدؓ اور حضرت معاویہؓ جہاد کے لئے تیار ہیں  
یا روانہ ہو چکے ہیں اور انہی کے زیرِ کمان مجاہدوں کا پہلا دستہ بھیجا گیا تھا۔  
پھر بدر کے بعد دوسری فیصلہ کن جنگ سیلہ کذاب کے خلاف درپیش ہے  
اور مسلمانوں نے جان کی بازی لگا رکھی ہے ایک سے ایک آگے بڑھ کر دین پر قربان  
ہو رہا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس موقع پر ہمیں کسی ہاشمی کا نام نظر نہیں آتا۔ البتہ جہاں



ہم حضرت یزید بن ابی سفیانؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو جان کی باری لگاتے دیکھتے ہیں وہاں ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو حجاز و نجران کے درمیانی علاقے کا والی بنا کر بھیجا ہے (فتوح البلدان ج ۱، ص ۱۵۹، ترجمہ مولانا ابوالخیر مودودی)

گویا اڈل تو حضرت ابوسفیانؓ اس وقت مدینہ میں موجود ہی نہ تھے اور اگر حاضر ہوئے تھے تو حضرت صدیقؓ کی بیعت ہو جانے کی ہفتے بعد پھر مستقر کو واپس ہو چکے تھے۔ حالات حاضرہ اس کی اجازت ہی نہیں دیتے تھے کہ مسلمان کسی بارے میں لیت و لعل سے کام لیتے فضول باتوں میں وقت ضائع کرتے اور اندرونی خلفشار کے درپے ہوتے۔

اب ہم مودودی صاحب سے دریافت کرتے ہیں اور ناظرین کرام کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ مودودی صاحب نے اس بے پایہ روایت سے جو نتائج و مطالب مرتب کئے ہیں وہ روایت کس حیثیت کی ہے۔

اگر آدمی اپنا، اپنے خاندان کا، اپنے گروہ کا یا اپنے قبیلے کا استحقاق ثابت کرے بعد جماعت کے اندر رہ کر، اختلاف پیدا کئے بغیر کامیابی کی کوشش کرے تو اسے کوئی ذی عقل شخص تعصب سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ اور اگر مودودی صاحب کے نزدیک یہ قبائلی عصبیت ہے تو اس میں سب مبتلا تھے یعنی انصار جب وہ اپنی خلافت قائم کرنے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور حضرت صدیق اکبرؓ جب انھوں نے قریش کی امامت کی مصلحت ثابت کر کے باقی تمام قبائل کو خلافت سے محروم کر دیا اور بنو ہاشم جو چھ مہینے تک امام وقت سے بقول مولفین جو مودودی صاحب کے نزدیک معتبر ہیں عدم تعاون کرتے رہے۔ مودودی صاحب کے بیان کی تاریکی میں دیکھنے کی کوشش کی جائے تو سب سے زیادہ قابل اعتراض اور افسوس ناک رویہ بنو ہاشم کا تھا۔ انصار سب کے سب بے تکلف بیعت میں داخل ہو گئے سوائے حضرت سعد بن عبادہؓ کے۔ لیکن بنو ہاشم اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ مودودی صاحب کی جو منطق ہے اس پر اگر وہ قائم ہیں تو انھیں اوپر دیا ہوا اپنا بیان واپس لینا ہوگا کیونکہ جن الزامات کی بنا پر انھوں نے حضرت عثمانؓ کو "خلافت راشدہ"

کا بیڑا غرق کرنے والا ثابت کرنا چاہا ہے وہ تمام الزام زیادہ شدت کے ساتھ حضرت علیؓ پر عائد ہوتے ہیں اور مودودی صاحب کے انداز تجزیہ کے مطابق حضرت علیؓ سے زیادہ خاندانی عصبیت رکھنے والا ان سے بڑھ کر خویش پرور اور خود بین حکم ران شاید ہی کسی دوسرے کو ثابت کیا جاسکے۔ اس خویش پروری میں وہ ایسی ایسی تباہ کن غلطیاں کر جاتے تھے جن کے سبب ان کی مقبولیت روز بروز گھٹتی چلی گئی۔ حضرت علیؓ کا یہ کردار ان مآخذ سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے جن پر مودودی صاحب نے تکیہ کیا ہے اور ان کی موجودگی میں وہ حضرت علیؓ کا کردار ثابت نہیں کر سکتے جو انھوں نے بڑی آب و تاب سے پیش کیا ہے۔ لیکن جو اہل ایمان ہیں جن کے دل میں صحابہ کرام کی عظمت ہے اور جو اس عہد کے فتنوں کا سبب اصلی جانتے ہیں وہ یہ انداز اختیار نہیں کر سکتے جو مودودی صاحب کا ہے اور انھیں اپنے تمام اسلاف کرام یکساں قابل تعظیم لائق تحسین اور موجب فخر نظر آتے ہیں ان کا تمام غیظ و غضب ان لوگوں پر ہوتا ہے جو ان فتنوں کے اصل بانی تھے، جنھوں نے جماعت سے اپنا رشتہ توڑ لیا، جنھوں نے امت کو تباہ کرنے کی کسی تدبیر سے دریغ نہ کیا۔ جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ بپا کر کے انھیں شہید کیا اور جنھوں نے حضرت علیؓ کی خلافت پر حاوی ہو کر انھیں اپنے اقدامات سے ایسا زچ کیا کہ وہ ساری عمر پریشانیوں میں مبتلا رہے۔

مودودی صاحب نے حضرت علیؓ کی مدح میں جو کچھ فرمایا ہے کہ وہ اسلامی اصول کے مطابق عربی و عجمی شریف و وضع، ہاشمی و غیر ہاشمی سب کے ساتھ یکساں انصاف کا معاملہ کرتے تھے اور کسی گروہ کو کسی دوسرے گروہ کے مقابلے میں ترجیحی سلوک سے نوازنا پسند نہیں کرتے تھے جو دوسرے گروہوں میں رشک و رقابت کے جذبات ابھارنے والا ہو۔ تو بحمد اللہ تعالیٰ یہ صفات ہمارے تمام خلفاء میں تھیں۔ انھوں نے جسے بڑھایا وہ اس کے ذاتی فضائل کی بناء پر اور جسے گھٹایا وہ اس کی شخصی نا اہلیوں کے سبب جسے نوازنا وہ اس کی خوبیوں اور وفاداریوں کی وجہ سے اور جسے سزا دی وہ اس کی غلطیوں اور ناشائستہ حرکتوں کی بناء پر۔ اس سلسلے میں اگر کہیں کسی سے چوک ہو گئی یا اس نے کوئی قدم غلط اٹھالیا



تو اس لئے کہ وہ سب انسان تھے اور انسان خطاء و نسیان کا مرکب ہے۔

نکتہ چینی کا حق صرف ان ہم عصر لوگوں کو ہے جو واقعات کے ظاہر و باطن سے واقف ہوں اور بعد کے لوگ نکتہ چینی کے مجاز اس وقت ہیں جب ان کے سامنے ناقابل تردید یا دواستہتیں ہوں اور حسی آثار ہوں خیال و گمان اور وضعی روایتوں پر تکیہ کر کے جو لوگ نکتہ چینی کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کا حشر وہی ہوتا ہے جو اس مضمون سے مودودی صاحب کی علییت کا نظر آئیگا۔

## حضرت فاروق اعظمؓ کی جائیداد

مودودی صاحب کے دل میں معلوم ہوتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و محبت و حرمت نہیں۔ کیونکہ صحابہ کے احوال اور واقعات تاریخ کے سلسلہ میں اپنے باطل نظریات کی تائید کے لئے وہ چھانٹ چھانٹ کر ایسی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جو دشمنان صحابہ کی وضع کردہ ہیں اور سنداً و وقتاً ہیچ محض ہیں! بہترین مآخذ اور معتبر ترین مصادر سے استدلال چونکہ ان کے مفید مطلب نہیں لہذا ان سے انھیں گریز ہے۔ اس ذہنیت کا بدترین نمونہ ان کا حسب ذیل بیان ہے (مئی ص ۱۹۱) فرماتے ہیں۔

”حضرت عمرؓ کو اپنے آخر زمانے میں اس بات کا خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ان کے بعد عرب کی یہ قبائلی عصبیتیں (جو اسلامی تحریک کے زبردست انقلابی اثر کے باوجود بالکل ختم نہیں ہو گئی تھیں) پھر نہ جاگ اٹھیں اور ان کے نتیجے میں اسلام کے اندر فتنے پر پا ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے امکانی جانشینوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے حضرت عثمانؓ کے متعلق کہا ”اگر میں ان کو اپنا جانشین تجویز کر دوں تو وہ بنی ابی معیط (بنی امیہ) کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط

کردیں گے اور وہ لوگوں میں اللہ کی نافرمانیاں کریں گے۔ خدا کی قسم مگر میں نے ایسا کیا تو عثمان بھی کریں گے اور اگر عثمان نے یہ کیا تو وہ لوگ ضرور معصیتوں کا ارتکاب کریں گے اور عوام شورش برپا کر کے عثمان کو قتل کر دیں گے۔

**خطہ** | مودودی صاحب نے پہلے ہی حضرت عمر کی اس اسات ادب کرتے ہوئے لکھا تھا "حضرت عمر خلیفہ رسول جن کے قلب سے وہ جذبہ اکابر پرستی جو زمانہ جاہلیت کی پیداوار تھا آنحضرت کی وفات تک پوری طرح محو نہ ہو سکا تھا (ترجمان القرآن ج ۱۲ عدد ۳ ص ۲۸۰ بحوالہ مودودی شہ پارے) مگر اب تو انہوں نے یہ بالکل جھوٹی بات کہی ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اپنے جانشینوں کے بارے میں کوئی خطرہ تھا یا وہ امت کے مستقبل کی طرف سے پریشان رہتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب پر پورا اعتماد تھا اور اسی لئے آپ نے اپنی جانشینی کے بارے میں کوئی حکم دینا ضروری نہ سمجھا، تو حضرت فاروق اعظم رضوان اللہ علیہ کا ایمان انہیں ایسے خدشات میں کس طرح مبتلا کر سکتا تھا؟ کیا وہ قرآن میں نہیں پڑھتے تھے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم بہترین قوم ہو جسے اقوام عالم کے لئے بطور نمونہ چنا گیا ہے) اور کیا انہیں معلوم نہیں تھا وَاللّٰهُ مَتِّعْهُ نُوْرًا وَّكَوْكَرًا الْكَافِرُوْنَ (اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا۔ اگرچہ کافروں کو یہ امر ناگوار ہو) اور کیا انہیں اس وعدہ ربّانی میں شک ہو سکتا تھا۔ (الفتم)

خدا تعالیٰ نے تم سے بہت سی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے اسی لئے جلدی سے فی الوقت تمہیں یہ کچھ دیدیا اور لوگوں کی دست درازی سے تمہیں محفوظ رکھا تاکہ اہل ایمان کے لئے ایک نشان ہو اور وہ تمہیں یہی راہ چلاتا رہے۔

وَعَدَا لَكُمْ اللّٰهُ مَغَايِمَ كَثِيْرَةً  
تَاْخِذُوْهَا فَعَجَلْ لَكُمْ هٰذَا  
وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ  
آيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا  
مُّسْتَقِيْمًا

ان جیسی اور بھی بیسیوں آیات ہیں جن میں صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام اور ان کا اتباع کرنے والے لوگوں کو ہمیشہ غالب رکھے گا انہیں گونا گون نعمتوں سے



لوازے گا اور انہی کو اقوام عالم کے سامنے دعوتِ محمدیہ کی نمایندگی کا دائمی شرف عطا فرمایا گیا۔ ان صریح آیات کی موجودگی میں حضرت فاروق اعظمؓ کو امت کے مستقبل کی طرف سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ آپ کے بالکل آخری وقت جب جانشینی کا مسئلہ اٹھایا گیا تو فرمایا (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۴۸) ۲

|   |  |
|---|--|
| <p>ان اللہ عز وجل یحفظ دینہ<br/>وانی لئن لا استخلف فان رسول اللہ<br/>صلی اللہ علیہ وسلم لم یستخلف<br/>وان استخلف فان ابابکر قد<br/>استخلف</p> | <p>اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کرے گا۔ اور میں اگر<br/>کسی کو جانشین نہ بناؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم<br/>نے کسی کو جانشین نہیں بنایا۔ اور اگر کسی کو جانشین تجویز<br/>کروں تو (حضرت) ابوبکرؓ اپنا جانشین مقرر<br/>فرمائے تھے۔</p> |
|---|--|

یہ کیسی کھلی ہوئی اور محکم دلیل ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے ذہن میں اپنے بعد کے جانشین کے بارے میں قطعاً کوئی الجھن نہیں تھی۔ جب وفات کے وقت آپ پوری طرح مطمئن تھے تو اس سے پہلے جب دنیا میں چاروں طرف آپ کی نگرانی میں اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی بنیادیں آپ استوار کر رہے تھے اور قدم قدم پر اللہ تعالیٰ آپ کو دکھارہا تھا کہ وہ اپنے وعدے کس طرح پورے کرتا ہے تو اس کا موقع ہی کہاں تھا کہ امت کے مستقبل کی فکر میں ایسے گہرے سانس لیں اور آہیں بھریں کہ سننے والے کو اندیشہ ہو کہیں ان کی پسلیاں نہ چٹک جائیں۔ مودودی صاحب کو ایمان اور علم کا دعویٰ تو ایسا ہے کہ اپنے آپ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور امام ربانیؒ مجد الفنائیؒ سے بھی بڑا مجد و وقت سمجھتے ہیں جیسا کہ انھوں نے تجدید و احیائے دین میں تحقیقی مطالعہ کر کے اگلوں اور پچھلوں سب میں خامیاں نکالی ہیں لیکن بزرگم خویش اللہ کے کلام کا "ترجمان" ہونے کے باوجود انھوں نے ان آیات پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ اصحاب کرام اور ان کے دامن سے وابستہ جماعت کو ہمیشہ راہِ حق پر رکھے گا اور ان کا کوئی اجماعی اقدام ایسا نہ ہوگا کہ بارگاہِ الہی میں نامقبول ہو۔

ان آیات پر اگر انھوں نے ایمان کے ساتھ غور کر لیا ہوتا تو ان کا رویہ صحابہ کرام کے ساتھ ایسا گستاخانہ کیوں ہوتا کہ اپنے اس سلسلہ مضامین میں انھوں نے اکابر واجلہ و اعلاظم صحابہ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے میں باک نہ کیا۔ اور پھر بناوٹی روایات و احادیث پر جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ مثلاً الاستیعاب کی یہی مردود روایت جس کا نہ سر ہے نہ پیر۔

یہ عبارت جس کا ایک ٹکڑا مودودی صاحب نے حضرت عثمان پر طعن کرنے کے لئے بطور حجت پیش کیا ہے ہم اسے یہاں پورا نقل کرتے ہیں۔ اور نتیجہ اخذ کرنا ان سمجھدار لوگوں پر چھوڑتے ہیں جن کے دلوں میں صحابہ کرام کی عزت و محبت ہے اور جو تاریخ اسلام کو ان خرافات سے پاک کرنا چاہتے ہیں جنہیں دشمنان امت نے صحابہ کے خلاف پروپیگنڈے کے طور پر شہرت دے دی۔ جن صلحاء نے ایسی روایتیں اپنی کتابوں میں بلا سوچے سمجھے روایت پرستی کی بنا پر لکھ دیں یہ ان کی اہانت علی سمجھے کہ جس طرح انہیں بات پہنچی درایتاً غور کئے بغیر سند بیان کر کے یا حوالہ دے کر لکھ دی اور بہت ممکن ہے کہ بعد میں کاتبوں اوروراق نے اضافہ کر دی ہو۔ لیکن ظلم وہ لوگ کرتے ہیں جو تحقیق کئے بغیر یا تحقیق سے قصداً غماض کر کے انہیں بطور حجت پیش کریں۔ مودودی صاحب کا شمار انہی ظالموں میں ہے

**وصفی روایت** | اس وضعی روایت کی پوری عبارت یوں ہے۔

(حضرت) ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں ایک دن (حضرت) عمرؓ کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ آپ نے ایک گہری سانس لی اور مجھے ایسا لگا کہ کہیں اللہ کی پسلیاں نہ چٹک گئی ہوں تو میں نے کہا سبحان اللہ! اے اللہ! میں نے تجھ کو کوئی بہت بڑی بات کہی ہے جس کے سبب آپ نے ایسی آہ کی۔ فرمایا "افسوس ابن عباس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اترت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا

عن ابن عباس قال بین اننا امشی مع عمر یوماً اذ تنفس نفساً ظننت انہ قد قصبت اضلاعہ۔ فقلت سبحان اللہ! واللہ ما اخرج منک هذا یا امیر المؤمنین الا امر عظیم۔ فقال وضحک یا ابن عباس ما ادری ما اصنع



کیا کروں؟ میں نے عرض کیا یہ کیا بات ہوئی؟ خدا کے فضل سے آپ یہ قدرت رکھتے ہیں کہ کسی قابل اعتماد شخص کو اس کے لئے نام زد کر دیں۔ فرمایا مجھے تم یہ کہتے لگتے ہو کہ تمہارے صاحب سب لوگوں سے زیادہ اس کے مستحق ہیں۔ آپ کی مراد حضرت علیؑ سے تھی۔ میں نے کہا: جی ہاں، اور میں یہ ان کی سابقت ان کے علم ان کی قرابت اور ان کی دامادی کے سبب کہتا ہوں۔ فرمایا: ہاں وہ ہیں تو ایسے ہی لیکن ان میں بہت ظرافت ہے۔ میں نے عرض کیا: "تو عثمان؟" فرمایا: بخدا اگر میں نے ایسا کیا تو وہ ابو معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیں گے کہ وہ ان میں اللہ کی نافرمانی کریں۔ بخدا اگر میں نے ایسا کیا تو وہ (یعنی حضرت عثمانؓ) وہی کریں گے اور انہوں نے ایسا کیا تو وہ (یعنی بنو ابی معیط) بھی وہی کریں گے اور پھر لوگ ان پر (یعنی حضرت عثمانؓ پر) ٹوٹ پڑیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے۔

میں نے عرض کیا: "طلحہ بن عبید اللہ؟" فرمایا: "ارے وہ خود پرست! اس کا مقام اس سے کہیں ارفع ہے۔ خدا نہ کرے کہ امت محمدی کے معاملات میں اس جیسے مغرور شخص کے سپرد کروں۔"

میں نے کہا: "زبیر بن العوام؟" فرمایا: "وہ لوگوں کو سیروں اور پتوؤں پر چیتا لے گا یعنی حساب کتاب میں سخت کریں گے" میں نے کہا: "سعد بن ابی وقاص؟" فرمایا:

بأمة محمد صلى الله عليه وسلم قلت ولما وانت بمحمد الله قادر ان تضع ذلك مكان الثقة قال اني امرت بقول صاحبك اولى الناس بها يعني عليا رضي الله عنه قلت اجل والله اني لا قول ذلك في سابقته وعلمه وقرابته وعلمه قال انه كما ذكرت ولكنه كثير الد عابة فقلت فعثمان؟ قال فوالله لو فعلت لجعل بني ابني معيط على رقاب الناس يعلمون فيها بمعصية الله لو فعلت كفعل ولو فعل لفعلاه فوثب الناس عليه فقتلوا فقلت طلحة بن عبید اللہ قال الا اکیسم هو ازلی من ذلك ما کان الله لیرانی اولیہ امرامة محمد صلى الله عليه وسلم هو اعلی ما علیه الزهوء۔

قلت الزبیر بن العوام؟ قال اذ ایلطم الناس فی الصاع والمذ قلت سعد بن ابی وقاص؟ قال لیس

بصاحب ذلک۔ ذاک صاحب  
مقنب یقاتل بہ قلت عبد الرحمن  
بن عوف ۛ قال نعم الرجل ولكنه  
ضعیف عن ذلک۔

والله یا ابن عباس ما یصلح  
لهذا الامر الا القوی فی غیره  
اللاتین فی غیر ضعف الجواد فی غیر  
سوء السمک فی غیر بخل  
قال کان والله عمر کذلک۔

وہ اس کام کے نہیں وہ تو ہیں اس کے ہیں کہ سواروں کا  
دستیں اور جنگ کریں میں نے کہا عبد الرحمن بن عوف؟  
فرمایا ”آدنی اچھے ہیں مگر یہ کام ان کے بس کا نہیں۔“

بخداے ابن عباس! اس کام کے لائق تو ہیں وہ ہے  
جو قوی ہو تند خوئی کے بغیر نرم رو ہو کم زوری کے  
بغیر سختی ہو اسراف کے بغیر اور جزورس ہو بخل کے بغیر  
(حضرت ابن عباس) فرماتے ہیں بخدا (حضرت) عمرؓ ایسے  
ہی تھے۔

ادنی تامل سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ روایت قطعی وضعی ہے اور راوی کا خود اپنا  
ذہن اس میں کام کر رہا ہے جو واقعات گذر چکے ہیں ان کی توجیہ ان چھ بزرگوں کا نام لیکر  
جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنے آخر وقت خلافت کے لئے موزوں قرار دیا تھا وہ اپنے طور پر  
اس طرح کر رہا ہے کہ حضرت علیؓ کو باعتبار صفات افضل بتا کر باقی پانچوں بزرگوں کو حضرت  
عمرؓ ہی کی زبان سے گھٹیا بتائے خصوصاً حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کے کردار  
میں نقائص کا اظہار کرے جن سے حضرت علیؓ یا ان کی پارٹی سے سیاسی مخالفت رہی تھی۔  
پہلے ہم اس وضعی روایت کی داخلی شہادتوں پر تبصرہ کرتے ہیں بعد میں اس کے  
راویوں میں کذاب راویوں کی نشان دہی کریں گے۔

(۱) جیسا ابھی بیان ہوا حضرت فاروق اعظمؓ کو اپنے آخر وقت تک یعنی مجروح  
ہو جانے کی حالت میں بھی جانشین خلفاء کے بارے میں کوئی خدمت نہ تھا امت کے  
تابناک مستقبل کا انھیں پورا یقین تھا لہذا بحالت صحت و تندرستی امت کے مستقبل کے  
بارے میں گہری سائیس لینے اور آپس بھرنے کا تصور باطل ہوا۔

(۲) راوی نے یہ فرضی واقعہ تو اس وقت کا گہرا ہے جب حضرت عمرؓ بھلے چنگے تندرست  
تھے نہ کچھ بیمار تھے نہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے پھر انھیں راہ چلتے بلا وجہ بے وقت یہ فکر



کیوں دامن گیر ہوتی کہ میرے بعد خلافت کا کام کون کرے گا۔ حضرت موصوف کو فتوحات اور وسیع مملکت کے گونا گوں انتظامات کی مصروفیات و افکار سے اس کی فرصت ہی کب تھی کہ بلا سبب و بے محل راستہ چلتے ایسی باتوں کو سوچ سوچ کر گہری سانس لیں اور آپس بھریں کہ سننے والے کو ان کی پسلیاں چٹک جانے کا اندیشہ ہو۔

(۳) راوی نے حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ تو رضی اللہ عنہ لکھا ہے لیکن دوسرے بزرگوں کو اس قابل نہ سمجھانہ حضرت عمرؓ کو نہ حضرت عثمانؓ و حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کو نہ حضرت سعدؓ نہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو۔ رضی اللہ عنہ یا اس کی علامت (رض) تو درکنار اس نے تو ان ممتاز صحابہ کے اسمائے گرامی کے ساتھ رحمہ اللہ تک نہیں لکھا۔ اسی ایک بات سے اس کی سبائی ذہنیت واضح ہو جاتی ہے۔

(۴) راوی نے حضرت ابن عباسؓ کی زبانی ان کے چچ پرے بھائی حضرت علیؑ کی یہ چالہ خصوصیتیں بطور فضائل بیان کرائی ہیں (۱) سبقت ایمانی جس کے لئے سابقت کا لفظ کہلا دیا ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ بعثت نبویہ کے وقت حضرت علیؑ کی عمر صرف پانچ برس کی تھی۔ ایسی چھوٹی عمر شعور و تمیز کی نہیں ہوتی اور نہ اتنی عمر کے بچہ کا قول فعل ذمہ دار نہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اپنے مقاصد سے کھینچ تان کر ان کی عمر آٹھ دس برس کی بلکہ اس سے بھی زیادہ بیان کی ہے مگر کام اس سے بھی نہیں بنتا کیونکہ بلوغ سے قبل بچہ اپنے ماحول کا تابع ہوتا ہے اور جیسا اپنے بڑوں کو کرتے دیکھتا ہے ویسا ہی خود کرنے لگتا ہے۔ حضرت علیؑ کا جو شرف ہے وہ سابقت کا نہیں بلکہ اس بات کا ہے کہ ان پر کفر کا کوئی زمانہ نہیں گذرا، تربیت ان کی اسلام میں ہوئی اور اس میں بھی وہ منفرد نہیں کیونکہ یہی شرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاشمی خاندان میں حضرت عباسؓ عم رسول اللہؐ کی اولاد کا ہے کہ وہ سب بھی اسلام میں پر و ان چڑھے کیونکہ سیدہ ام الفضلؓ آپ کی چچی دوسری مسلمان خاتون تھیں جو حضرت خدیجہؓ کے بعد ہی ایمان لائیں انھوں نے اپنے بچوں کو اسلام پر اٹھایا اور ان ہی کے زیر تربیت حضرت علیؑ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ بھی نعمت ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ اسی طبقے میں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ بھی ہیں

صلوات اللہ وسلامہ علیہا مگر ان سب حضرات کا شمار سابقوں میں نہیں ہوتا۔ سابق تو صرف اس عاقل بالغ شخص کو کہا گیا اور کہا جاسکتا ہے جس نے کفر چھوڑ کر ایمان لایا۔ میں اسلام قبول کیا تھا اور یہ شرف سب سے پہلے حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو حاصل ہوا اور ان کے بعد حضرت سعدؓ حضرت سعیدؓ حضرت عمارؓ حضرت عثمانؓ حضرت بلالؓ حضرت ابوطالبؓ حضرت حمزہؓ ام المومنین ام حبیبہ بنت حضرت ابوسفیانؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ حضرت زید بن ارقمؓ وغیرہم کو حاصل ہوا اور اسی ذیل میں حضرت زید بن حارثہؓ بھی آتے ہیں جو اس وقت اگر بالغ نہ ہوں تو قریب بلوغ پہنچ چکے تھے بلکہ گمان غالب ان کے بالغ ہونے کا ہے۔

راوی نے جو یہ چھ نام لئے ہیں ان میں حضرت علیؓ کے سوائے باقی پانچوں نام تو سابقوں میں آتے ہیں مگر حضرت علیؓ کا نہیں آتا۔ پھر حضرت ابن عباسؓ ایسی غلط و خلاف واقعات کیسے کہہ سکتے تھے۔

(۵) وہی دوسری خصوصیت تو واقعات ہی سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کو دوسرے جملہ صحابہ کے مقابلہ میں کوئی غیر معمولی علمی فضیلت حاصل نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب شدت علالت کی وجہ سے مسجد جانے سے معذور ہو گئے تھے حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے اس وقت وہاں غیر موجود ہونے اور حضرت علیؓ کے سامنے موجود ہونے کے باوجود آپ نے مولانا ابابکرؓ صلی بالناس فرما کر امامت نماز کے لئے حضرت ابوبکرؓ ہی کو منتخب فرمایا انھوں نے ہی سترہ وقتوں کی نمازیں پڑھائیں۔ غزوہ تبوک کے وقت حضرت علیؓ کو اپنے اہلیت کی حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ جانے کے باوجود امامت نماز کے لئے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ حضرت علیؓ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اعلیٰ مقام پر بالقرآن ہوتے تو کسی دوسرے کو ان کے موجود ہوتے امامت نماز سپرد نہ فرماتے لہذا فضیلت علیہ کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے منسوب لفظ و علمہ بھی صحیح نہیں۔

(۶) قرابت و رشتہ و امادی میں حضرت علیؓ منفرد نہ تھے۔ حضرت عثمانؓ سے



قربت قریبہ بھی تھی اور رشتہ دامادی بھی ایسا کہ ذی النورین کہلائے یعنی یکے بعد دیگرے آپ کی دو صاحبزادیوں کے شوہر۔

علاوہ ازیں یہ چاروں باتیں شرف و امتیاز کی اگر حضرت علیؑ ہی سے مختص کر دی جائیں تو خلافت کے لئے انھیں حجت کبھی نہیں مانا گیا۔ کیا ابن عباسؓ نہیں جانتے تھے کہ ان کی بیان کردہ خصوصیات کے باوجود حضرت علیؑ کو نہ پہلی خلافت ملی نہ دوسری نہ تیسری خلافت کے لئے شخصی فضائل کی امتیازی حیثیت تو ثنائی ہوتی ہے پہلے دیکھی جاتی ہے اہلیت و صلاحیت حکومت و جہانبانی اور یہ صلاحیت و اہلیت بھی کام نہیں آتی اگر مقبولیت نہ ہو اور مقبولیت بھی دھری رہ جاتی اگر با اثر اور طاقتور اعوان و انصار میسر نہ آئیں۔

جہاں تک مقبولیت کا سوال ہے تو عیاناً ہم دیکھتے ہیں کہ پہلا دوسرا اور تیسرا موقع ہاتھ سے نکل جانے کے بعد جب چوتھا موقع آیا اور حضرت علیؑ کو خلافت ملی تو بیعت کی تکمیل نہ ہو سکی اور جس پارٹی نے بلوہ کر کے یہ خلافت قائم کرائی تھی اسی کا ایسا عمل دخل رہا کہ ان کی خلافت ہی کو ناکام بنا دیا مگر اس ناکامی میں حضرت علیؑ کی دعا بے (ظرافت) کو کچھ دخل نہ تھا جو راوی نے حضرت فاروقی اعظمؓ کی زبانی ان کے بطور نقص بیان کی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے بارے میں جو کچھ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے اس پر بحث اگلے صفحات میں آ رہی ہے مگر اس سلسلہ میں یہ بات بھی لطیفہ سے کم نہیں کہ راوی نے تو لکھا تھا ”بنوالمعیط“ (المعیط کی اولاد) مگر مودودی صاحب نے اس کی تفسیر کر دی ”بنو امیہ“ گویا جہاں اور امور میں آپ کی مجددانہ صلاحیتیں کام کرتی ہیں وہاں علم الانساب بھی آپ کے دستبرد سے نہ بچا۔ الموعیط کوئی عبد شمس کی کنیت تھی جو سارے بنی امیہ کو الموعیط کی اولاد کہہ دیا۔

الموعیط تو جناب امیہ کے ایک پوتے تھے اور پوتے کے پوتے امیر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ تھے بنی ابی معیط میں سے تنہا یہی ایک شخص تھے جو عہد صدیقی و فاروقی سے مختلف عہدوں پر فائز رہے تھے ان کے سوائے آل ابی معیط میں کوئی دوسرا شخص عہدہ دار نہ تھا۔ خلافت عثمانی میں یہ کوفہ کے والی تھے۔ ان کے حاکمانہ و مجاہدانہ و مدبرانہ اور رعایا

کے ساتھ رحمانہ و کریمانہ سلوک و برتاؤ کا ذکر ان کے حالات کے ضمن میں آگے آتا ہے مگر سبائی راوی کو چونکہ ان کے اموی نسب ہونے کی بنا پر ان سے عداوت ہے اسے ساری دنیا پر وہی چھائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مودودی صاحب اگر تھوڑی سی عقل ایمانی سے کام لے کر اس لفظ "بنی ابی معیط" پر غور کر لیتے تو اس کی تفسیر "بنو امیہ" کرنے کے بجائے روایت کو ساقط الاعتبار قرار دے لیتے خصوصاً اس اعتبار سے کہ جس کتاب الاستیعاب کے حوالے سے حضرت عثمانؓ کی تنقیص میں یہ الفاظ وضعی روایت کے انھوں نے اپنے مضمون میں استعمال کے ہیں اسی کتاب میں اسی موقع پر اور اسی وضعی روایت کے بعد ہی ان ہی حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت ان الفاظ میں درج ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے خلافت اور اس کے اہتمام کے بارے میں گفتگو کی تو ابن عباسؓ نے کہا کہ علیؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا ان میں ظرافت کا مادہ ہے۔ پوچھا زبیرؓ کے بارے میں فرمایا وہ بہت غصہ درمیں۔ پوچھا طلحہؓ کے بارے میں کہا ان میں نخوت و غرور ہے۔ پوچھا سعدؓ کے بارے میں فرمایا وہ تو سواروں کے دستہ کی سرداری کے لئے ہیں پوچھا عثمانؓ کے بارے میں فرمایا کلف یا قارب اپنے قرابتداروں سے بہت محبت کرنے والے ہیں پوچھا عبدالرحمنؓ بن عوف کے بارے میں فرمایا وہ نرم طبع یا فرمایا ضعیف ہیں۔ اب دیکھئے اس روایت میں نہ تو "بنی ابی معیط" کو لوگوں کی گردلوں پر مسلط کرنے کا ذکر ہے نہ ان کے لشکر کی نافرمانیاں کرنے کا اور نہ اس بنا پر عوام میں شورش برپا ہونے اور اس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ کے قتل کئے جانے کا مگر مودودی صاحب کو تو اموی صحابہ پر چوٹیں کرنی تھیں اس لئے اس لغو روایت کو حجت بنا لیا بغض بنی امیہ و عصبیت جاہلیہ نے یہ سوچنے سمجھنے کا بھی موقع نہ دیا کہ حضرت عثمانؓ کو اگر حضرت عمرؓ ایسا ہی سمجھتے تھے جو راوی نے بیان کیا ہے تو انھیں مجلس شوریٰ میں شامل ہی کیوں کرتے اور شامل کر بھی دیا تھا تو دیگر ارکان مجلس کو ضرور کہہ دیتے کہ عثمانؓ کو منتخب نہ کیجیو اور اگر منتخب کرنے کا موقع آہی جائے تو ان سے یہ عہد ضرور لے لیجیو کہ آل ابی معیط کو مسلمانوں پر مسلط نہ کرنا بلکہ خود حضرت عمرانؓ کو مجلس شوریٰ کا رکن مقرر کرتے وقت ضرور کہہ دیتے کہ اگر اتفاق سے تمہارا ہی انتخاب



ہو جائے تو بنی ابی معیط کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط نہ کرنا۔ حضرت عمرؓ جیسے صاف اور  
 کھرے بزرگوار جو حق بولنے سے کسی سے سامنے باز نہ آئیں وہ اگر واقعی حضرت عثمانؓ کے  
 متعلق ایسا یقین یا ظن غالب بھی رکھتے تھے تو جیسا عرض کیا گیا حضرت عثمانؓ کو مجلس شوریٰ کا  
 ممبر ہی منتخب نہ کرتے یا منتخب کرتے تو ان کو صرف رائے دینے کا حق دیتے اور دیگر  
 ارکان سے صاف کہہ دیتے کہ عثمانؓ کو خلیفہ منتخب نہ کیا جائے کیونکہ بنی ابی معیط کو مسلمانوں  
 کی گردنوں پر مسلط کر دیں گے۔ (بالفاظ دیگر ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو کوفہ کا والی مقرر  
 کر دیں گے) حضرت عمرؓ جان بوجھ کے انھیں لوگوں کو حن کو اہل نہیں سمجھتے تھے یہ فرما کر  
 خلافت کے لئے کبھی نامزد نہ کرتے کہ انھیں میں سے کوئی ایک منتخب کر لیا جائے خصوصاً  
 جب ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے جن سے ان کو بقول راوی سب سے زیادہ خطرہ  
 تھا۔ مودودی صاحب ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکتے تو انھیں واضح ہو جاتا  
 کہ اس وضعی روایت میں حضرت عمرؓ کی زبان سے حضرت علیؓ کے سوائے پانچوں بزرگواروں  
 کو خلافت کے لئے نا اہل قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے مگر راوی نے اپنے مقاصد کے  
 پیش نظر حضرت عثمانؓ اور دیگر بزرگواروں کے کردار میں نقائص نکالنے کی جو کوشش  
 کی ہے اس کا تار پود بکھیر دینے کے لئے صحیح بخاری کی یہ روایت کافی ہے (ملاحظہ ہو  
 ج ۲ ص ۲۹۹ باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان) اور یہ روایت اس وقت  
 کی ہے جب حضرت فاروق اعظمؓ کی زندگی کی امیدیں ختم ہو رہی تھیں اور آپ جو انہوی  
 میں اپنے مرقد کی فکر میں تھے۔

لوگوں نے عرض کیا اے امیر المومنین وصیت کر دیجیے  
 اور کسی کو جانشین بنا دیجیے۔ فرمایا اس امر کا ستمی ان  
 چھ آدمیوں سے (یا فرمایا چھ بزرگوں سے) زیادہ کسی  
 کو نہیں پاتا۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت  
 تک راضی رہے پھر آپ نے علیؓ و عثمانؓ و زبیرؓ و طلحہؓ و معمرؓ  
 اور عبد الرحمن (بن عوف) کے نام لئے اور فرمایا عبد اللہ

فقالوا ادع يا امير المومنين  
 استخلف قال ما اجد احق بهذا  
 الا من هؤلا النضر او السهط  
 الذين توفى رسول الله صلى الله  
 عليه وسلم وهو عندهم راض  
 فسمي عليا و عثمان و الزبير و طلحة

وسعداً وعبد الرحمن وقال  
يشهدكم عبد الله بن عمرو ليس  
له من الامر شئ كهيئة التعزية  
له فان اصاب الامر سعداً  
فهو ذاك والا فليستعن به  
ايكم ما امر فاني لم اعزل عن  
عجز ولا خيانة -

بن عمر تمہارے ساتھ موجود رہیں گے مگر ان کا اس  
معاملے سے کچھ تعلق نہیں (گویا آپ نے انہیں صبر کی  
تلقین کی) اب اگر حکومت سعد کو ملے تو وہ اس کے اہل  
ہیں ورنہ پھر تم میں سے جو کوئی بھی حاکم بنالیا جائے اسے  
چاہیے کہ ان سے مدد لے کیونکہ میں نے جو انہیں معزول  
کیا تھا تو کسی کمزوری یا خیانت کی بنا پر نہیں کیا تھا۔

یہ ہے اصل صورت حال جو واقعات کے عین مطابق اور صحابہ کرام کے شایان  
شان ہے۔ یہ چچ کے چھ حضرات یکساں اہل تھے کہ ملت کی سربراہی میں رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی نیابت کریں، حالات معمول پر رہتے تو ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ کامیاب ہوتا  
لیکن بد قسمتی سے اسلام کا نام لینے والا ایک گروہ سیاسی وجوہ سے ایسا پیدا ہو گیا جس  
نے دعوت محمدیہ کو فنا کرنے کے لئے طرح طرح کے فتنے اٹھائے مودودی صاحب نے  
ان فتنوں کا سرچشمہ امیر المومنین عثمانؓ کو قرار دے کر امیر المومنین معاویہؓ و دیگر خلفاء پر  
یکپڑاؤ چھال کر جو ظلم امت پر کیا ہے اس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔  
ناظرین کرام دونوں روایتیں پیش نظر رکھیں اور دل سے پوچھیں کہ بخاری کی  
روایت حجت ہے یا وہ مردود روایت جسے مودودی صاحب نے اکابر صحابہ کی  
تنقیص کے لئے حجت بنایا۔

**راویوں کی حیثیت** | اب ہم مودودی صاحب کی بیان کردہ روایت کے راویوں کی  
نشان دہی کرتے ہیں جن میں غیر ثقہ منکر الحدیث و مہم بکذب  
نہایت بد افعال مینوش و کذاب رافضی راوی بھی شامل ہیں اور یہ بات اہل علم پر  
چھوڑتے ہیں کہ ایسی وضعی روایت کو حجت بنانے والے کے متعلق وہ کیا رائے قائم  
کرتے ہیں۔

کتاب الاستیعاب کے مولف ابن عبد البر النمری القریطی متوفی ۴۵۳ھ کے ایک



شیخ عبد الوارث بن سفیان یا ابن سلیمان تھے ان ہی سے اس روایت کا سلسلہ چلتا ہے۔  
ابن عبد البر کہتے ہیں:-

میں اپنی کتاب میں پڑھ کر عبد الوارث بن سفیان کو  
سنارہا تھا اور وہ اپنی کتاب میں دیکھ رہے  
تھے تو انھوں نے کہا ہم سے بیان کیا ابو محمد قاسم  
بن اصبع نے ان سے ابو عبید بن عبد الواحد البزازی نے  
ان سے محمد بن احمد بن ایوب نے قاسم مذکور نے کہا  
محمد بن اخیل بن سالم الصالح اور سلیمان بن داؤد  
دونوں نے کہا کہ ہم سے یہ حدیث ابراہیم بن سعد نے  
بیان کی ان سے محمد بن اسحق نے بیان کی (ابن شہاب)  
زہری سے سن کر اور انھوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ  
سے اور انھوں نے (حضرت عبد اللہ) ابن عباسؓ  
سے سُن کر۔

حد ثنا عبد الوارث بن سفیان  
قراءۃ منی علیہ من کتابی وھو  
ینظر فی کتابہ قال حد ثنا  
ابو محمد قاسم بن اصبع حد ثنا  
ابو عبید بن عبد الواحد البزازی  
حد ثنا محمد بن احمد بن ایوب قال  
قاسم وحد ثنا محمد بن اخیل  
بن سالم الصالح حد ثنا  
سلیمان بن داؤد قال حد ثنا  
ابراہیم بن سعد حد ثنا  
محمد بن اسحق عن الزھری  
عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن  
ابن عباس۔

ابن عبد البر مولف الاستیعاب کے ان شیخ کا جن سے یہ روایت چلی ایسے اہل الرجال  
میں سے کسی نے بھی کچھ حال نہیں لکھا۔ تہذیب التہذیب، لسان المیزان، میزان الاعتدال۔  
تقریب التہذیب، تذکرۃ الحفاظ، تعجیل المنفعة، خلاصۃ تہذیب التہذیب، الکمال للحافظ  
صفی الدین احمد اور تاریخ صغیر امام بخاری میں سے کسی میں ان کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔  
البتہ حافظ ذہبی نے صاحب الاستیعاب یوسف بن عبد اللہ معروف بابن عبد البر کے  
ترجمے میں یہ تو لکھ دیا ہے کہ انھوں نے خلف بن قاسم اور عبد الوارث بن سفیان سے  
حدیث کی سماعت کی تھی مگر عبد الوارث کا کچھ حال کہ کون تھے کہاں کے رہنے والے تھے کب  
تھے کچھ نہیں بتایا۔ عبد الوارث کے شیخ ابو محمد قاسم بن اصبع کے تلامذہ میں عبد الوارث کا نام  
تو موجود ہے مگر ولایت بدل کر یعنی "ابن سفیان" کی جگہ "ابن سلیمان" ہے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۷)

لیکن "عبدالوارث بن سفیان" کی طرح "عبدالوارث بن سلیمان" کا بھی کہیں کچھ ذکر نہیں ملتا۔ "سفیان" کی جگہ طباعت کی غلطی سے ممکن ہے "سلیمان" چھپ گیا ہو مگر کس کو صحیح سمجھا جائے کس کو غلط۔ مجہول الحال اور مفقود الخبر تو دونوں ہیں اس لئے اس حدیث کی بسم اللہ ہی غلط ہے۔ پھر ابن عبد البر نے اس کتاب کا نام تک نہ بتایا جس کے دو نسخے تھے ایک میں سے یہ پڑھ رہے تھے اور دوسرے نسخے میں ان کے شیخ عبدالوارث دیکھے جاتے تھے۔ کتاب میں صرف یہی حدیث (روایت) تو نہ ہوگی اور بھی حدیثیں دروائتیں ہوں گی تو کتاب کے نام کے ساتھ مولف کا نام بھی بتانا تھا اور کہنا تھا کہ اپنے شیخ کو پوری کتاب سنارہے تھے کہ یہ روایت بھی اثنائے قراءت میں آگئی تو پھر حدیث عبدالوارث بن سفیان کہنا تو غلط ہوا کیونکہ عبدالوارث تو چپ چاپ سُننے رہے مَنہ سے الفاظ نکالتے اور پڑھتے تو خود ابن عبد البر رہے اس لئے کہنا یہ تھا قراءت علی عبدالوارث بن سفیان فی کتابی وهو لیس مع منی وینظر فی کتابہ ابن عبد البر نے خود ہی متعدد جگہ ایسے ہی الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً ابن اسحاق کی کتاب استاد سے پڑھتے ہوئے لکھا ہے۔

فقراتہ علی عبدالوارث بن سفیان (ج ۱ ص ۹) یا امام بخاری کی کتاب کبیر فی تاریخ المحدثین پڑھتے ہوئے لکھا ہے۔

قراءتہ علی ابی القاسم خلف (ج ۱ ص ۱) اس سے ظاہر ہے کہ اس روایت کی یہ عبارت ابن عبد البر کے قلم کی نہیں ہے۔

ابو محمد قاسم بن اصمغ - عبدالوارث کے شیخ بھی اندلسی تھے اور بنی امیہ میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے قرطبہ کے رہنے والے تھے وہیں جمادی الاولیٰ ۳۳۳ھ میں وفات ہوئی (لسان المیزان) ابن عبد البر صاحب استیعاب کی ولادت ۳۳۹ھ کی ہے گویا ابن عبد البر کی ولادت سے ۲۸ برس پہلے قاسم بن اصمغ مر گئے تھے اس لئے کسی ایکسراوی کے واسطے سے ان کا روایت کرنا بالکل قرین عقل ہے مگر اس واسطے کو معروف و معلوم ہونا چاہیے کہ مجہول الحال و مفقود الخبر۔

ابو عبید بن عبد الواحد البزار - کینیت ان کی ابو محمد تھی اور نام عبید، غالباً کتابت کی



غلطی سے "ابو" کے بعد محمد "ترک ہو کر" ابو عبیدہ ہو گیا۔ یہ بغداد کے رہنے والے تھے  
 ماہ رجب ۲۵۸ میں وفات ہوئی پیرانہ سالی کے باعث آخر عمر میں دماغ مختل ہو گیا تھا  
 (انساب سمعانی ورق ۷۸) ابن حجر نے بھی کتاب الضعفاء والجر و صین میں ان کا ذکر کیا  
 ہے (لسان المیزان ج ۳ ص ۱۲) لیکن ان کے تلامذہ میں ابو محمد قاسم بن اصبغ کا ذکر  
 نہ سمعانی نے کیا ہے نہ ابن حجر نے۔ ان کے شیوخ میں محمد بن احمد بن ایوب کا نام الاستیعاب  
 کی اس روایت میں بتایا گیا ہے مگر کتب اسماؤ الرجال میں کسی نے اس طرح نہیں لکھا اور  
 کوئی لکھتا بھی کیسے جب "محمد بن احمد بن ایوب" کی کوئی شخصیت دنیا کے رجال میں ہو بھی چنانچہ  
 اس نام کا حال بھی سن لیجئے۔

محمد بن احمد بن ایوب۔ الاستیعاب میں اس زاوی کا یہ نام دولیت غلط درج ہے  
 بیٹے کے نام کے بجائے باپ کا نام لکھ دیا ہے اصل میں "احمد بن محمد بن ایوب" تھا۔ اب دیکھیے یہ  
 احمد بن محمد بن ایوب کون صاحب ہیں۔ کنیت ان کی "ابو جعفر" ہے جلد ساز تھے یعنی وراقی کا  
 پیشہ کرتے تھے اور محدث ہونے کے مدعی تھے۔ بغداد کے باشندے تھے وہیں ۲۵۸ میں  
 فوت ہوئے یعنی اپنے شاگرد ابو محمد عبیدہ سے ۵۳ برس پہلے ان کی وفات ہوئی چونکہ ان کے  
 شاگرد اتنے بوڑھے ہو کر مرے تھے کہ پیرانہ سالی کے باعث حواس میں فتور آ گیا تھا یعنی  
 ۹۰ برس کم و بیش عمر تھی اس لئے ۳۵۱ برس کی عمر میں اپنے استاد سے حدیثیں سنی ہونگی  
 ان کے شاگرد پر تو کوئی خاص جرح کسی نے نقل نہیں کی ہے سوائے اس کے کہ بڑھاپے میں  
 دماغ مختل ہو گیا تھا مگر خود ان استاد کا حال تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۷۸ لغایت ۸۱)  
 میں درج ہے نمونہ کے طور سے اتنی سی عبادت نقل کی جاتی ہے، قال یعقوب بن  
 شبیبہ لیس من اصحاب الحدیث وانما کان وراقاً۔ قال ابن عدی سردی عن  
 ابراہیم (بن سعد) المغازی وأکثر ما علیہ وحدث عن ابی بکر (بن عیاش) بالنکیر  
 قال الواحد الحاکم لیس بالقوی عند ہم قال ابو حاتم ردی عن ابی بکر بن عیاش  
 منکرۃ ودوی ابراہیم بن الجنید عن یحییٰ بن معین ہو کذا یعنی ایہ رجال کے نزدیک  
 یہ محدث نہیں جلد ساز تھے۔ ضعیف و منکر حدیثیں بیان کرتے تھے۔ یحییٰ بن معین جیسے محقق نے

ان کو کذاب کہا ہے (میزان الاعتدال میں (ج ۱ ص ۶۳) روی ابراہیم بن الجعد عن ابن معین قال هو کذاب اب دیکھے صاحب استیعاب ابن عبد البر کے مجہول الحال شیخ عبد الوارث بن سفیان یا سلیمان کے استاد قاسم بن اصمغ نے اس روایت کو احمد بن محمد بن ایوب تک پہنچا کر تحویل یعنی دوسرے سلسلہ اسناد شروع کیا ہے یعنی عبد الوارث نے کہا کہ قاسم نے ہم سے کہا کہ فقط ابو محمد عبید بن عبد الواحد البزار ہی نے ہم سے یہ روایت بیان نہیں کی بلکہ ایک اور شخص نے اپنے سلسلہ اسناد سے بیان کیا ہے وہ دوسرے کون ہیں؟

محمد بن اسماعیل بن سالم الصالح۔ یہ تھے تو بغداد کے مکرّمہ میں آکر بس گئے تھے اور وہیں ۸۸ برس کی عمر یا کروقات ہوئی۔ قاسم نے جو بنی امیہ کے آزاد کردہ غلام اور قرطبی محدث اندلس تھے ان سے مکہ مکرمہ میں ہی حدیثیں سنی ہوں گی حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۶۱ میں اس کا ذکر کیا ہے اب ملاحظہ ہو یہ الصالح صاحب کس سے روایت کرتے ہیں یعنی سلیمان بن داؤد سے۔

سلیمان بن داؤد۔ اس نام و ولایت کے راویان حدیث بہت ہیں کم از کم پندرہ سولہ کے ترجمے تو کتب میں ہیں مگر ہر ایک کے نام کے ساتھ کوئی نہ کوئی نسبت تمیز کے لئے لگی رہتی ہے۔ مشہور محدث صاحب سنن ابو داؤد الطیالسی بھی سلیمان بن داؤد تھے مگر مشہور اپنی کنیت سے ہیں لیکن سلیمان بن داؤد نام سے بھی اگر ان کو کوئی کہے تو لازم ہے کہ اس کے بعد الطیالسی ضرور تمیز کے لئے کہا جائے۔ اسی طرح سلیمان بن داؤد المبارکی و مبارک ایک قریہ کا نام تھا یا سلیمان بن داؤد الخولانی الدمشقی سلیمان بن داؤد العسقلانی الزہرائی سلیمان بن داؤد العباسی الہاشمی اسی طرح اور نسبتیں ان ناموں کے ساتھ ہیں۔ محدثین کا یہ دستور رہا ہے کہ ایسے مبہم ناموں کو سلسلہ اسناد میں بغیر ان کی بنی یا نسبتی تصریح کے ذکر نہیں کرتے خصوصاً جب ان ناموں کے بعض راوی کم و بیش مجروح یا مشہور کذاب و مفتری بھی ہوں مگر اس روایت میں سلیمان بن داؤد کے نام کو مبہم اسی لئے چھوڑا گیا تھا کہ حسن ظن سے کام لے کر مبہم ناموں میں ثقہ ہی راوی کا گمان ہو۔ اگر یہ واقعی ثقہ ہوتے تو یقیناً ان کے نام کے ساتھ تمیز کے لئے مزید سببی یا نسبتی تصریح کر دی جاتی مگر یہ تو سہوت



مخرج راوی ہیں اس لئے پردہ پوشی کے لئے ان کے نام کو مبہم چھوڑ دینا مناسب تھا۔  
 درحقیقت یہ سلیمان بن داؤد المنقری الشاذکونی ہیں متوفی ۳۳۵ھ اصفہانی تھے  
 مگر بصرے میں آکر رہے پھر کوفے و بغداد رہے مرنے سے چند ماہ پیشتر اصفہان گئے وہیں  
 پیوند خاک ہوئے مشہور شیعہ مولف علامہ شیخ ابن المطہر علی نے خلاصۃ الاقوال فی معرفۃ  
 الرجال (ص ۱۸) میں اپنے شیعہ مذہب کے راویوں میں ان کا ذکر کیا ہے اور ثقہ لکھا ہے  
 اگرچہ ان کے ضعف کا اظہار بھی کیا ہے ابن حجر نے (لسان المیزان ج ۳ ص ۸۷) بغایت  
 (ص ۸۸) ان کا مفصل ترجمہ درج کیا ہے شیخ کا ذکر نہیں کیا مگر ان کے شیعہ مذہب ہونے کا  
 ثبوت تو علامہ شیخ علی کی شہادت سے ظاہر ہے۔ ابن حجر نے ان کے کذب و افترا کی  
 پوری تصریح کی ہے اور ان کے بد افعال ہونے کا بھی ذکر کیا ہے حضرت لوط علیہ و علی  
 نبینا الصلوٰۃ والسلام کی امت مغضوب علیہا سے بھی ان کو کچھ روحانی فیض پہنچا تھا اسی  
 کے ساتھ یہ مینوشی کے بھی رسیات تھے۔ بغداد میں ایک محلہ دُرُب دُمیک تھا دُرُب کے معنی  
 ہیں راستہ جیسے آج کل فلاں روڈ کہتے ہیں یہ دُرُب دُمیک میں رہتے تھے اس محلے کو کہتے تھے  
 ما دخل دُرُب دُمیک اکذب من الشاذکونی (لسان المیزان ص ۸۷) یہ ہر وقت  
 حدیث اور اشعار گھڑ لیا کرتے تھے عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی کے سامنے ایک کتاب  
 پیش کی گئی جس میں شاذکونی کی روایت کردہ حدیثیں تھیں اسے پڑھ کر ان کے چہرے کا رنگ  
 غصے سے متغیر ہو گیا کہنے لگے۔ العدا واللہ! الکذاب الخبیث جاء الی اھمنا کان  
 یفعل کذا وکذا! (یہ اللہ کا دشمن یہ کذاب خبیث یہاں تک پہنچ گیا جو ایسا ایسا کام کیا کرتا  
 تھا) کان یرمی بالعلماء۔ لواطت و بد فعلی کرتا تھا مختصر یہ کہ علمائے حدیث اس ایرانی  
 راوی کی ذہانت اس کے حافظہ اور واقفیت احادیث و رجال ان سب باتوں کا اعتراف  
 کرتے ہیں مگر بیشتر ائمہ حدیث اس کے کذاب و منقری بد افعال ہونے پر متفق ہیں یہی  
 وہ سلیمان بن داؤد ہیں جو اس وضعی روایت کے راوی ہیں پردہ پوشی کے لئے ان کا نام  
 بغیر اظہار نسبت مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔

استیعاب میں جو نام غلط چھپ گئے ہیں ان کی تصحیح محض گمان پرانہ کل سچو نہیں ہے

بلکہ قطعیت کے ساتھ ہے۔ ابو عبید بن عبد الواحد البزار کی تصحیح ابو محمد عبید بن عبد الواحد البزار صحیح نہیں تو مودودی صاحب ابو عبید بن عبد الواحد البزار نام کا کوئی راوی ثابت کر دیں جو محمد بن احمد بن ایوب سے روایت کرتا ہو۔ اسی طرح محمد بن احمد بن ایوب کی تصحیح احمد بن محمد بن ایوب کو غلط نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ اور نہ سلیمان بن داؤد نام کا کوئی دوسرا راوی بغیر اظہار نسبت کے بتایا جاسکتا ہے۔

دو کذاب راوی۔ اس وضعی روایت کا سلسلہ آپ نے دیکھا دو کذابوں پر منتهی ہوتا ایک تو احمد بن محمد بن ایوب پر جو غیر ثقہ منکر الحدیث اور متهم بکذب ہیں اور دوسرا سلیمان بن داؤد المقرئ الشاذلی کوئی پر جو مشہور شیعہ کذاب و مفتری اور حد درجہ بد افعال شخص تھا حضرت ابن عباسؓ اور فاروق اعظمؓ پر یہ اتہام ان ہی دو کذابوں سلیمان بن داؤد و الشاذلی کوئی اور احمد بن محمد بن ایوب ابو جعفر الزرقانی نے گھڑا ہے اور ان ہی دونوں نے ابراہیم بن سعد ابن اسحقؓ اور زہریؓ پر بہتان باندھا ورنہ یہ حضرات ایسی کھلی ہوئی اقرائی حدیث کی روایت نہیں کر سکتے تھے۔ ابراہیم بن سعد کا ابن اسحق سے روایت کرنا بھی غلط ہے۔ ابراہیم بن سعد۔ (بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف ابو اسحق الزہری) کی ولادت ۵۷ھ میں ہوئی ۵۷ برس کی عمر پر ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے۔ مدینہ کے قاضی رہے تھے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۷۱) ابن اسحق کی ولادت ۵۷ھ میں ہوئی۔ ایرانی نسل کے تھے تیس برس کی عمر میں مدینہ سے مکہ کر پہلے مصر گئے کان خرج من المدینة قدیمًا (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۷۱) ان کے اسکندریہ پہنچے کا سال ۵۸ھ اور بروایت دیگر ۵۹ھ بتایا گیا ہے اس وقت ابراہیم بن سعد کی عمر سات سال کی و بروایت دیگر اس سال کی تھی ابن اسحق پھر مدینہ واپس نہ آئے مصر سے عراق چلے گئے اور ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں بغداد میں فوت ہوئے (تہذیب التہذیب) ابراہیم بن سعد کا طلب حدیث کے لئے مدینہ سے باہر جانا ثابت نہیں اس لئے ابراہیم بن سعد کا ابن اسحق سے روایت کرنا صحیح نہیں ابراہیم بن حمزہ کا قول امام بخاری نے جو یہ نقل کیا ہے کہ ابراہیم بن سعد نے مغازی کے علاوہ سترہ ہزار حدیثیں ابن اسحق سے روایت کی ہیں محض بے اصل ہے۔





حضرت عثمانؓ (۳۵-۲۳ھ - ۵۶-۶۴۴ھ) اس معاملے میں معیار  
مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے۔

یہ بیان از سر تاپا غلط ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی۔ امیر المومنین  
صلوات اللہ علیہ کی حالت ہی ایسی کہاں تھی کہ یوں بلا بلا کر عہد لیں۔ پھر سوال ہے کہ  
یہ عہد ان تینوں ہی سے کیوں لیا گیا باقی تینوں کو پہلے ہی سے الگ کر دیا تھا؟ تو پھر اس  
تکلف کی کیا ضرورت تھی جن تین سے عہد لیا انہی کو نام زد کر جاتے۔ اصل یہ ہے کہ جس  
وقت آپ سے وصیت کے لئے عرض کیا گیا وہ وقت نہ تقریروں کا تھا اور نہ وصیت نامہ  
لکھوانے کا۔ چند باتیں مختصراً ارشاد فرمائیں۔ جن میں مودودی صاحب کی بیان کردہ باتوں  
کا ایک حرف بھی نہیں (صحیح بخاری ج ۲، ص ۲۹۹، طبع مصر عنوان قصة البیعة  
والا تفاق علی عثمان)

میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو نبی صلی اللہ علیہ  
وسلم سے) پہلے ہجرت کرنے والوں کے بارے میں  
وصیت کرتا ہوں کہ ان کا حق پہچانا جائے اور ان کی  
حرمت کی حفاظت کی جائے۔ اور میں اسے انصار کے  
ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جنہوں نے پہلے ہی سے  
(ہجرت کے لئے) ایمان کے ساتھ ٹھکانے کا بندوبست  
کیا کہ ان کے خطا کاروں سے چشم پوشی کی جائے اور میں  
اسے شہری باشندوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت  
کرتا ہوں کیونکہ وہ اسلام کے پشت پناہ میں آمدنی کا  
ذریعہ ہیں اور دشمنوں کے لئے پیچ و تاب کا سبب ہیں۔  
ان سے صرف ان کا وہی زائد مال لیا جائے جو وہ  
رضامندی سے دیں۔ اور میں اسے بادینہ نشینوں کے  
بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ عرب کی اہل ہیں

اوصی الخلیفة من بعدی  
بالمہاجرین الاولین ان یعرف لهم  
حقهم ویحفظ لهم حرمتهم  
واوصیہ بالانصار خیرا  
الذین تنوؤ الدار والایمان  
من قبلہما ان یقبل من محسنہم  
وان یغنی عن مسیئہم واوصیہ  
بماہل الانصار خیرا فانہم  
ردۃ الاسلام وجباۃ المال و  
غیظ العدو وان لا یؤخذ منهم  
الا فضلہم عن رضاہم واوصیہ  
بالاعراب خیرا فانہم اصل العرب  
ومادۃ الاسلام ان یؤخذ من



اور اسلام کا مادہ میں ان سے جو کواۃ کا مال لیا جائے  
وہ انہی کے محتاجوں پر تقسیم کر دیا جائے اور میں اسے  
ذمیوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں جو اللہ اور  
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں ہیں کہ ان سے جو  
عہد ہوا ہے پورا کیا جائے اور ان کی حفاظت کے لئے  
جنگ کی جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ  
نہ ڈالا جائے۔

حواشی اموالہم وتزدد علی  
فقراہم و اوصیہ بذمۃ اللہ  
وذمۃ رسولہ صلی اللہ علیہ  
وسلم ان یوفی لہم بعہدہم  
وان یقاتل من ورائہم ولا  
یکلفوا الا طاقتم۔

یہ بھی سنت کے مطابق ان کی مختصر سی تقریر جو انہوں نے اپنے آخری وقت میں معلوم  
نہیں کس تکلیف میں کی ہوگی۔ اب ہم مودودی صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ  
صحیح روایت ان کے نزدیک امام بخاری کی ہے یا ابن عبد البر مصنف الاستیعاب کی۔ اگر  
بخاری کی روایت صحیح ہے تو انہوں نے استدلال اس سے کیوں نہیں کیا اور اگر دونوں  
اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں تو کیا وہ امت کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ خاتم بدہن حضرت فاروق  
اعظمؓ میں وہی نفاق تھا جو مودودی صاحب کے ہم مشرب لوگ کہتے ہیں کہ جلوت میں  
تو وہ بات کہی جو بخاری نے بیان کی اور خلوت میں وہ جو ان راویوں کے زعم میں انہوں  
نے حضرت ابن عباسؓ سے کہی؟

خود ابن جریر طبری نے جو مودودی صاحب کے نزدیک معتبر مورخ ہے قصۃ  
الشوریٰ کے عنوان سے حضرت فاروق اعظمؓ صلوات اللہ علیہ کے مقداد احوال نقل کئے  
کئے ہیں جو مجروح ہو جانے کی حالت میں لوگوں کے یہ عرض کر لے پر فرمائے تھے کہ اے  
امیر المومنین جانشین مقرر کر دیجئے فرماتھا: ”ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے انہیں مقرر  
کر دیتا میرا رب پوچھتا تو کہہ دیتا کہ تیرے بنی کو یہ کہتے سنا تھا کہ وہ اس امت کے امین  
ہیں۔ سالم مولیٰ ابو حذیفہ (اموی) زندہ ہوتے انہیں مقرر کرتا میرا رب پوچھتا تو کہہ  
دیتا تیرے بنی کو یہ فرماتے سنا تھا کہ سالم اللہ تعالیٰ کی محبت میں شدید ہے۔“ پھر ان  
چھ صحابہ کے نام لے کر فرمایا کہ ”علی و عثمان تو“ ابن عبد مناف“ ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے قبیلے سے ہیں اور عبدالرحمن (بن عوف) اور سعد (بن ابی وقاص) یہ دونوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں خالاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زبیر بن العوام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں اور طلحہ الخیر ابن عبید اللہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے آخر وقت تک راضی رہے تھے ان میں سے کسی کو منتخب کر لینا اور جب اسے اپنا حاکم و والی بنالینا تو اس کی اعانت اور مدد پورے طور سے کرنا فاذا اولودنا لیا فاحسنوا موازرتہ واعینوہ (طبری ج ۵ ص ۳۳ طبع اولی) چنانچہ آخر میں یہ بھی فرمادیا تھا کہ تم سیدھے چلے لوگوں کے تمہارے خلاف ہونیکا تو مجھے خوف نہیں ہے لیکن مجھے تم سے ڈر ہے تمہارے درمیان اختلاف ہونے کا ولکنی اخاف علیکم اختلا فکم فیما بینکم۔ (ایھا)

یہی مودودی صاحب ہی کے مآخذ طبری سے مرد دروایت کی بخوبی تردید ہو گئی جس کے چند فقرے انھوں نے حضرت عثمان کی تنقیص میں نقل کئے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم کی زبان سے ان اجلہ صحابہ کا جو درجہ قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کا اظہار کس خوبی سے کیا ہے اور حضرت طلحہؓ کو "الخیر" سے ملقب کیا ہے اور آخر میں کیسی صحیح پین گوئی کی ہے کہ اپنے کسی جانشین کے خلاف لوگوں کی مخالفت کا حضرت موصوف کو خوف نہ تھا بلکہ ان کے آپس میں اختلاف پیدا ہونے کا ڈر تھا۔ جس کے لئے انھوں نے یہ نصیحت کی کہ جسے بھی اپنا حاکم بنا لینا اس کی مدد و اعانت بخوبی کرنا۔ طبری ہی کی اس روایت سے صحیح صورت حال ہویدا ہو جاتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے اپنے اس معتبر مورخ کی روایت کو نظر انداز کر کے ایک وضعی روایت بنی امیہ اور امیر المومنین ذی النورینؑ کی منقصد میں چھانٹ لی جس کا تار پود پچھلے اوراق میں درایتاً روایتاً دونوں طرح بکھیر دیا گیا ہے۔

عہد عثمانی کے عمال حکومت | مودودی صاحب نے اس سے آگے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی اہل ایمان کا دل لرزائے والا ہے کہ آدمی ہوائے نفس میں کہاں تک دوسواں کا آلہ کار بن جاتا ہے۔ فرماتے ہیں (مسی ص ۱۹۱)



”ان کے (یعنی حضرت عثمانؓ) کے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے وظیفے دئے گئے اور دوسرے قبیلے اسے تلخی سے محسوس کرنے لگے۔ ان کے نزدیک یہ صلہ رجمی کا تقاضا تھا چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ”عمر خدا کی خاطر اپنے اقربا کو محروم کرتے تھے اور میں خدا کی خاطر اپنے اقربا کو دیتا ہوں۔“ ابو بکر و عمر بیت المال کے معاملے میں اس بات کو پسند کرتے تھے کہ خود بھی خستہ حال رہیں اور اپنے اقربا کو بھی اسی حالت میں رکھیں۔ مگر اس میں صلہ رجمی کرنا پسند کرتا ہوں۔“ اس کا نتیجہ آخر کار وہی ہوا جس کا حضرت عمر کو اندیشہ تھا۔ ان کے خلافت شورش برپا ہوئی اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود شہید ہوئے بلکہ قبائلیت کی دبی ہوئی جنگاریاں پھر سلگ اٹھیں جن کا شعلہ خلافت راشدہ کے نظام ہی کو پھونک کر رہا۔“

امیر المومنین عثمان صلوات اللہ علیہ کے عہد مبارک و مسعود میں جن بعض اموی سادات کو حکومت کے عہدے دیئے گئے ان کے احوال ان کے ناموں کے تحت آگے ملاحظہ ہوں اور بیت المال سے انھیں وظائف دینے کا جو اہتمام ہے اس کی صورت حال بھی آگے معلوم ہوگی۔ یہاں ہم عہد عثمانی کے امراء کی فہرست دیتے ہیں جس سے مودودی صاحب کے بیان کی قلعی کھل جائیگی اور جو اہتمام انہوں نے حضرت عثمانؓ پر لگایا ہے اس کا بظان معلوم ہو جائیگا۔ یہ فہرست متعدد کتابوں سے مرتب کی گئی ہے جن میں طبری اور ابن اثیر بھی ہیں جو مودودی صاحب کے ہاں اعتبار کا درجہ رکھتے ہیں۔

### فہرست عمال و دیگر عہدہ داران عہد عثمانی

| نمبر شمار | نام عہدہ دار              | نام عہدہ و علاقہ |
|-----------|---------------------------|------------------|
| ۱         | حضرت عبداللہ بن الحنفی    | عامل مکہ         |
| ۲         | قاسم بن ربیعہ لقفی        | ” طائف           |
| ۳         | یعلیٰ بن امیہ تمیمی صحابی | ” یمن            |

- ۴- حضرت عبداللہ بن ربیعہ الحضری
- ۵- عبدالرحمن بن خالد بن ولید مخزومی صحابی
- ۶- حبیب بن مسلمہ فہری
- ۷- ابوالاعور بن سفیان سلمیٰ ذکوانی
- ۸- علقمہ بن حکیم کنانی
- ۹- ابو موسیٰ اشعری صحابی
- ۱۰- جریر بن عبداللہ بکلی صحابی
- ۱۱- اشعث بن قیس الکندی صحابی
- ۱۲- عقیبہ بن النہاس
- ۱۳- مالک بن حبیب السیربوعی
- ۱۴- سعید بن قیس
- ۱۵- سائب بن اقرع
- ۱۶- الذبیر
- ۱۷- حبیش
- ۱۸- حکیم بن سلامہ الخزاعی
- ۱۹- عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامری صحابی
- ۲۰- معاویہ بن ابی سفیان اموی صحابی
- ۲۱- عبداللہ بن عامر بن کریمہ اموی صحابی

خلافت عثمانی کے ان اہل مستقل عاملوں میں صرف دو حضرات بنی امیہ سے ہیں ان کے علاوہ ولید بن عقبہ اموی اور سعید بن العاص اموی دو اور حضرات اس خاندان کے ہیں جو یکے بعد دیگرے کوفے کے والی ہوئے اور معزول کئے گئے ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری والی ہوئے جو آخر عہد عثمانی رہے۔

عاملوں کے علاوہ دیگر مختلف خدمات پر جو حضرات مقرر تھے ان کے نام بھی درج ذیل ہیں (بحوالہ طبری ج ۵ ص ۱۷۸ طبع اولیٰ)



- |                 |                              |
|-----------------|------------------------------|
| کاتب            | ۱۔ حضرت مروان بن الحکم امویؓ |
| قاضی مدینہ      | ۲۔ حضرت زید بن ثابتؓ         |
| قاضی دمشق       | ۳۔ ابو الدرداءؓ              |
| افسریۃ المال    | ۴۔ عقبہ بن عمروؓ             |
| افسرخراج السواد | ۵۔ جابر بن فلان المزنیؓ      |
| ایضاً           | ۶۔ سماک انصاریؓ              |
| افسرافواج کوفہ  | ۷۔ القعقل بن عمروؓ           |

ان سات عہدہ داروں میں بھی صرف ایک صاحب بنی امیہ میں سے تھے۔

اس فہرست سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب نے صورت حال سمجھ کرنے کی کیسی کوشش کی ہے ناظرین کرام خود گن لیں کہ ان میں کتنے اموی ہیں۔ جن بزرگواروں کے تقریر پر مودودی صاحب نے خاص طور پر اعتراضات کئے ہیں اور ان پر بہتان باندھے ہیں مثلاً حضرت مروان بن الحکمؓ، حضرت ولید بن عقبہؓ، حضرت عبداللہ بن عامرؓ، حضرت عبداللہ بن سعدؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ ان کے احوال ان کے ناموں کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔ بیت المال کے سلسلے میں مودودی صاحب نے جو افتراء کیا ہے اسے بیت المال کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیا جائے۔ حضرت عثمانؓ کی زبان سے حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے بارے میں انھوں نے جو غلط بیانیوں کی ہیں، ان کا جواب بھی بیت المال کے عنوان کے تحت ملے گا۔ حضرت فاروقؓ اعظمؓ نے جب دیوان مرتب کیا اور مختلف قبائل کے افراد کے وظائف متعین کئے گئے تو کیا ان میں ان کے قبیلہ والے تھے اور عُدوی نہ تھے۔ یہ سب مال بیت المال ہی کا تو تھا جس سے قریش کے ایک ایک گھرانے کے افراد کو وظائف دیئے گئے۔ باقی حضرت عثمانؓ نے اس کے علاوہ جس کسی کو کچھ دیا وہ اپنے مال سے دیا جیسا کہ بیت المال کے عنوان سے معلوم ہوگا۔ اگر مودودی صاحب کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین صحابہ اور امت محمدیہ کے ان ائمہ کرام کی کچھ بھی حرمت ہوتی تو ایسی ہوائی باتیں لکھتے وقت ان کا قلم رکتا اور وہ سوچتے کہ کس کے متعلق کیا بات باور کرانا چاہ رہے ہیں۔ اگر صحابہ کرام

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہی خیانت بجرمانہ کے مرتکب ہوں تو پھر اس امت کا ٹھکانہ کہاں رہا۔

**قبائلی عصبیت** | مودودی صاحب نے کسی صریح غلط بیانی کی ہے کہ حضرت امیر المومنین عثمانؓ کے طرز عمل سے قبائلی عصبیتیں جاگیں جن کی بنا پر آپ شہید ہوئے

اور برعکس مودودی خلافت راشدہ کا خاتمہ ہو گیا۔ نہ کوئی عصبیت جاگی اور نہ کوئی فتنہ اٹھا کیونکہ حکومت کی تشکیل بالکل عربی ماحول کے مطابق اور ان کی حیات اجتماعیہ کے مناسب تھی۔ عہد عثمانی کے آخر میں جو فتنے جاگے ان کی اصل عربی نہیں۔ وہ فتنے جنگاں والے عرب کے باہر سے آئے تھے بلکہ اسلام سے بھی ان کا تعلق منافقانہ تھا۔ ان فتنوں کو عرب قبائل کی منافست قرار دے کر مودودی صاحب نے تبلیغ و اقتدار کا حق ادا کر دیا۔ حضرت امیر المومنین عثمان سلام اللہ علیہ کے خلاف شورش پیا کرنے میں عربوں کا کوئی ہاتھ نہ تھا بلکہ پوری امت اس شورش سے بری ہے۔ اہل عراق کے دو ایک قبیلوں کے چند جاہل اور مفسد افراد سبائی مکائد کا شکار ہو گئے جن کی تعداد مسلمانوں کی اجتماعی عددی قوت کے مقابلے میں پتہ محض تھی۔

جو امت دو براعظموں میں پھیلی ہوئی ہو اس میں سے دو چار ہزار آدمیوں کی کیا حیثیت ہے اور آدمی بھی وہ جو کوئی امتیاز نہ رکھتے تھے اور جن کا خود اپنے اپنے شہروں میں کوئی اثر نہ تھا۔ عبداللہ بن سبأ اور اس کے گرگوں نے چھ برس کی لگاتار محنت کے بعد کوفہ بصرہ اور فسطاط کے چند ہزار آدمیوں کو اگر ورغلا لیا اور ان میں سے بھی اکثر اس کے اصل عزائم سے بے خبر تھے اسے قبائلی عصبیتوں کا جاگنا کس طرح کہا جاسکتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان تینوں شہروں میں ان مفسدوں کی پشت پر اتنے آدمی نہ تھے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو ان بستیوں کا نمایندہ کہہ سکیں۔ مودودی صاحب کو خود یہ بات تسلیم ہے (جون ص ۲۵۵)

ہمارے نزدیک یہ امت محمدیہ پر بہتان ہے اور ہم دین اسلام سے اسے غداری سمجھتے ہیں کہ آدمی حضرت عثمانؓ کو امت میں یا اس کے معتد بہ حقے میں نامقبول باور کرانے کی کوشش کرے حضرت عثمانؓ کی پشت پر ساری امت تھی اور اگر وہ قتال کی اجازت دیدیتے



تو محض ان دو ہزار مفسدوں ہی کو نہیں بلکہ ان کے مرکزوں کی بھی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی یا انہیں اس طرح شکنجے میں کس دیا جاتا جس طرح امیر المومنین عبدالملکؓ کے مبارک عہد میں امیر حجاجؓ نے ان کے کس بن نکال دئے۔ حضرت عثمانؓ اگر امت میں نامقبول ہوتے تو کیا ان کی شہادت پر عالم اسلام میں اس طرح آگ لگتی اور حضرت علیؓ کو اپنی بیعت کی تکمیل میں یوں ناکامی ہوتی؟ اور حضرت معاویہؓ جو قصاص عثمانؓ کے لئے کھڑے ہوئے تھے وہ اس طرح کامیاب ہو سکتے جیسے ہو گئے۔

جس قسم کی وضعی روایتوں پر مودودی صاحب نے اپنے مضمون کا مدار رکھا ہے اور جس قسم کے وصائع راویوں کو انھوں نے قابل اعتماد سمجھا ہے اگر ہم بھی تحقیق و تفحص کا یہی معیار رکھیں اور اعلیٰ ماضی و مصادر سے ان کی طرح آنکھیں بند کر لیں تو ہم وہ بات کہہ سکتے ہیں جو مودودی صاحب کی سبب شجی اور سیادت کر کری کر دے۔ جو روایتیں کتابوں میں ہیں ان تک تو کسی کی رسائی ہے اور کسی کی نہیں۔ لیکن امت کے سامنے ایک تحریک موجود ہے جس کا وجود حسنی ہے اور جس نے اسلام کی تاریخ کے بجائے خود اپنی جداگانہ تاریخ مرتب کی ہے اور اس تاریخ کو عقیدے کا درجہ دے دیا ہے۔ ایک غیر جانبدار شخص جب مسلم معاشرے میں آئے گا اور اس گروہ کی باتیں سنے گا جو منبروں پر سنائی جاتی ہیں اور ان کی خاص تبلیغی کتابوں میں لکھی جاتی ہیں ان سے تو وہ یہ امر اذکر لگایا کہ ”پہلا شخص جس نے عصیتوں کو جگانے کی کوشش کی وہ حضرت علیؓ“

ہیں جنھوں نے حضرت صدیق اکبرؓ صلوات اللہ علیہ کی بیعت ہو جانے کے بعد اس کی کوشش کی کہ اپنا جھنڈا بنا کر اس خلافت کا تختہ الٹ دیں اور اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر گھر گھر گئے اور اپنے حمایتی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب ناکام ہو گئے تو مجبوراً حضرت صدیقؓ سے منافقانہ بیعت کی اور تینوں خلافتوں میں تقے کی زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر جب ان کی پارٹی تیار ہو گئی تو انھوں نے عملی کوشش کر کے حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا اور خود خلیفہ بن بیٹھے لیکن یہ امت جو شروع سے ”اہل بیت“ کی دشمن چلی آ رہی ہے

اس نے ان کی خلافت نہ چلنے دی۔ یعنی یہ سب شاخسانہ دراصل خاندانی  
مناقت پر مبنی تھا اور دین اسلام محض ایک گھریلو معاملہ ہے۔  
ایک ہاشمی نے امویوں پر تری قائم کرنے کے لئے (نقل کفر، کفر نہ باشد  
نبوت کا دعویٰ اور اپنے بعد اس نبوت کا وہی اپنے چچ کے بیٹے کو بنایا لیکن اموی بھی  
بڑے چالاک تھے انھوں نے بڑی تعداد میں منافقانہ اسی ہاشمی کا مذہب قبول کیا  
اور اس پر مسلط ہو گئے پھر ہر طرح کوشش کی کہ اس نبی کے بعد اس کے گھروالے کی طرح  
برسر اقتدار نہ آسکیں اور جب اس نبی کے چچ کا بیٹا اپنی پارٹی بنانے میں کامیاب  
ہو گیا اور خلیفہ وقت کو قتل کر کے خود خلیفہ بن بیٹھا تو اس کی مخالفت میں یہ لوگ کھڑے  
ہو گئے تا آنکہ اسے پست کر کے اپنی چودھراہٹ قائم کر لی۔

”یہ نبی قرآن نام کی ایک کتاب بھی لایا تھا جس میں اس نے چار سو کے قریب  
آیتیں اپنی بیٹی اور داماد اور دونوں اسوں کی مدح میں لکھی تھیں تاکہ ان کی بالادستی  
قائم رہے مگر دشمنان اہل بیت نے یہ آیتیں قرآن میں سے نکال دیں اور تیسرے  
خلیفہ نے جو اموی تھا۔ قرآن میں سے بہت سی آیتیں نکال دیں خصوصاً سورہ  
الم نشرح میں علی کی دامادی کی جو یہ آیت تھی وجعلنا علیا صخرۃ سے  
نکال دیا اور بقول ان کے ایک امام کے عندنا المصحف فاطمۃ ہمارے  
پاس مصحف فاطمہ ہے واللہ صافیہ من قرآنکم حرف واحد (الکافی  
ص ۸۷۸ یا میران)۔ بخدا اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں  
ہے۔ غرضیکہ اس اموی خلیفہ نے اس کتاب کو ایسی صورت دیدی کہ اسے خود  
اس اموی کی بیاض کہا جاسکتا ہے“

روایتیں قبول کرنے کا جو معیار مودودی صاحب نے قائم کیا ہے اوپر کا یہ  
بیان اور اس سے نکالا ہوا نتیجہ بالکل اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ کیا مودودی صاحب  
اس بیان کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو انھیں اپنی تحریروں سے تو یہ کا اعلان  
کرنا چاہیے۔ اور آئندہ وہی بات کہنی چاہیے جو نصوص صریحہ و ثابۃ کے موافق ہو صحابہ کرام



کے شایان شان ہو اور ان وعدوں کے مطابق ہو جو اللہ تعالیٰ نے اس امت سے کئے اور اس نظام خلافت کے ذریعہ انھیں پورا کیا جسے صحابہ کرام نے قائم کیا تھا اور جس کے نتیجے میں تین چوتھائی متمدن دنیا پر اسلام کا پرچم لہرایا اور علم و حکمت کے دریا بہے۔

## امیر المؤمنین حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب نے لُبَّارائے عامہ سے خوف نہ ہو کر یہ بیان تو البتہ کیا ہے۔  
کہ باغیوں نے۔

”حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد اور ایسے کم زور الزامات پر مشتمل تھی جن کے جوابات دئے جاسکتے تھے اور بعد میں دئے بھی گئے۔“ پھر فرماتے ہیں: ”اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی۔ مدینے کے مہاجرین و انصار بھی جو دراصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل صل و عقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہمنوا بننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔“

(سما رہ جون ص ۲۵۵)

لیکن اس بیان کے باوجود انھوں نے حضرت عثمانؓ کی ”فرد جرم“ بہت اہتمام سے تیار کی ہے خود وہ بڑے بڑے سب الزام عائد کئے ہیں بلکہ انہی کو ”نہج کا آغاز“ قرار دیا ہے اور صراحتاً کہا ہے کہ تمام مسلمان خصوصاً اکابر صحابہ ان سے ناراض ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

(ص ۲۵۰)

”فرد جرم“ مرتبہ مودودی صاحب | ۱۱ | انھوں نے (حضرت عثمانؓ نے) بے دریغ بنی امیہ کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں: ”مثال کے طور پر انھوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار)

مردان کو بخش دیا“

(۲) ”حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے انھوں نے کوفہ کی گورنری پر اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عتبہ بن ابی معیط کو مقرر فرمایا“  
(۳) ”اور اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک اور عزیز معبد بن عاص کو دیا“

(۴) ”حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بصرے کی گورنری سے معزول کر کے اپنے ماموں زرارہ بھائی عبداللہ بن عامر کو ان کی جگہ مامور کیا“  
(۵) ”حضرت عمرو بن عاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا“

(۶) ”حضرت معاویہ سیدنا عمر فاروق کے زمانے میں صرف دمشق کی ولایت پر تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی گورنری میں شام، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔“

(۷) پھر اپنے چچا زاد بھائی مردان بن الحکم کو انھوں نے اپنا سکریٹری بنا لیا جس کی وجہ سے سلطنت کے پورے در و بست پر اس کا اثر و نفوذ قائم ہو گیا۔ اس طرح عملاً ایک ہی خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہو گئے۔“

اب ملاحظہ ہو ٹیپ کا بند ”ان باتوں کا رد عمل صرف عوام ہی پر نہیں، اکابر صحابہ تک تک پر کچھ اچھا نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا“

پھر فرماتے ہیں (جون ص ۲۵۱-۲۵۲)

”یہ بات اول تو بجائے خود قابل اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیس اعلیٰ جس خاندان کا ہو مملکت کے تمام اہم عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دے دئے جائیں۔ مگر اس کے علاوہ چند اسباب اور بھی تھے جن کی وجہ سے اس صورت حال نے اور زیادہ بے چینی پیدا کر دی۔ اول یہ کہ بنی امیہ کے



جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے یعنی آخر وقت تک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی کہ سابقین اولین جمہوں نے اسلام کو سر بلند کرنے کے لئے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا، پیچھے ہٹا دئے جائیں اور طلقاء جو فتح کے بعد ایمان لائے تھے امت کے سرخیل ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ اسلامی تحریک کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی نہ ہو سکتے تھے کیونکہ وہ ایمان تو ضرور لے آئے تھے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت سے ان کو اتنا فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا کہ ان کے ذہن اور سیرت و کردار کی پوری قلب ماہیت ہو جاتی۔ وہ بہترین منتظم اور اعلیٰ درجے کے فاتح ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت بھی ہوئے۔ لیکن اسلام محض ملک گیری اور ملک داری کے لئے تو نہیں آیا تھا۔ وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوت خیر و صلاح تھا جس کی سربراہی کے لئے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھ کر ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی اور اس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ و تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ کچھلی صفوں میں آتے تھے۔

تیسرے یہ کہ عملاً ان سے جس کردار کا ظہور ہو رہا تھا وہ اس دور کے پاکیزہ ترین اسلامی معاشرے میں کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ مثال کے طور پر حضرت سعد بن ابی وقاص کی جگہ جس ولید بن عقبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا، اس کے انتظام سے اول اول اہل کوفہ بہت مطمئن ہوئے مگر بعد میں یہ بات کھلی کہ وہ بے یوش ہے اور اس کے قصے مشہور ہوئے گئے۔ آخر کار ایک روز اس نے فننے کی حالت ہی میں لوگوں کو صبح کی نماز

چار رکعت پڑھادی اور پھر پلٹ کر لوگوں سے پوچھا "اور پڑھاؤں" یہ واقعہ حضرت عثمان تک پہنچا اس پر شہادتیں پیش ہوئیں اور حضرت عثمان نے ولید کے چالیس کوڑے لگوا کر گورنری سے معزول فرما دیا۔

ہم نے یہ طویل اقتباسات اس غرض سے پیش کئے ہیں کہ مودودی صاحب کو یہ شکایت نہ ہو کہ ان کے بیان میں قطع و برید کی گئی ہے۔ اب ہم ایک ایک شق پر سیر حاصل بحث کرنا چاہتے ہیں۔

**عزل و نصب** | امراء کا عزل و نصب مصالح کے تحت ہوتا ہے جسے ہم عصر لوگ اور

ارباب سیاست خوب سمجھتے ہیں۔ پھر ہیں وہ جتنی نتائج جو ان امراء کی خدمات سے سامنے آئیں اور ان کی موزونیت و غیر موزونیت ثابت ہو۔ جس وقت جس قسم کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے انہیں آگے بڑھایا جاتا ہے اور ضرورت ختم ہونے یا مصلحت پیدا ہونے پر انہیں ہٹا لیا جاتا ہے۔ ایک شخص کی کتنی ہی بڑی خدمات ہوں اور کیسی ہی عظیم الشان اس کی شخصیت ہو لیکن سیاسی تقاضے اگر بدل جائیں تو اسے اپنی جگہ برقرار نہیں رکھا جاتا۔ ہمارے زمانے کی ایک مثال سے صورت حال سمجھ میں آجائیگی۔ دوسری جنگ عظیم میں مملکت انگلستان کے کئی اختیارات وزیر اعظم مسٹر چرچل کے سپرد کر دیئے گئے تھے اور انہوں نے وہ کامائے انجام دیئے اور محوری طاقتوں پر ایسی شاندار فتح حاصل کی کہ صدیوں تک انگلستان کے لوگ ان پر فخر کریں گے۔ مگر جنگ ختم ہوتے ہی انگریز قوم نے مسٹر چرچل کو سیاسی رہنمائی سے الگ کر دیا۔ اب ایک سطحی دماغ کا شخص اسے انگریز قوم کی احسان فراموشی کہیگا لیکن جو لوگ ایک زندہ قوم کی نفسیات سے واقف ہیں وہ انگلستان کے عوام کی سیاسی سوچ بوجھ کے قائل رہیں گے۔ کیونکہ مسٹر چرچل کے وہی اختیارات اگر اب بھی باقی رہتے تو عالمی سیاست میں انتہائی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتیں اور کچھ تعجب نہ ہوتا کہ خود انگلستان میں انقلاب آجاتا۔

اسی پر قیاس کر کے سوچنا چاہیے کہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے زمانے میں قرب و جوار کی حکومتیں جو چالیس چل رہی تھیں ان کے لئے ضرورت تھی اس قیادت و جلاوت و شہامت



کی جو آپ کے مائے نازدالیوں نے دکھائی۔ مودودی صاحب خود بھی جس کے معترف ہیں۔ اور جس سے ثابت ہو گیا کہ اس وقت ایسے ہی جوان خون کی ضرورت تھی۔ صحیح ہے کہ بقول مودودی صاحب سب قابلیت محض انہی امویوں ہی میں نہ تھی مگر ایک بات کا انھوں نے خیال نہ کیا کہ جن دوسروں میں تھی خصوصاً ہاشمیوں میں انھیں علی سیاست کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ برخلاف اس کے ان اموی جوانوں میں سے ایک ایک پچھلی خلافتوں میں باقاعدہ تربیت حاصل کر چکا تھا۔ ان کی اہلیت و صلاحیت کے سبب انھیں آگے بڑھایا گیا ہے کارناموں سے اس انتخاب کے اہل ثابت ہوئے۔

مودودی صاحب اگر ٹھنڈے دل اور سلامت روی سے ہوال ماضیہ کا جائزہ لے سکتے تو ان پر کھلتا کہ بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ نے، اور حضرت فاروق اعظمؓ نے بلند پایہ اور اعلیٰ درجے کے دالیوں اور سرداروں کو معزول کر کے ان سے کم درجے کے لوگوں کو امارت عطا فرمائی یا یہ کہ بلند رتبہ حضرات کے ہوتے ہوئے بظاہر ناجائزہ کار جو انوں کو قیادت سپرد کی۔ خود حضرت اسامہؓ کا معاملہ سامنے ہے کہ اس سلسلہ میں اٹھا رہیں گے جو ان کو اس فوج کی کمان دی گئی جس میں حضرت صدیق اکبرؓ و حضرت فاروق اعظمؓ جیسے بزرگ موجود تھے اور حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے سواروں کی کمی نہ تھی۔ حضرت خلیفہ رسول اللہؐ نے بھی صحابہ کرام کے اصرار کے باوجود انہی اسامہؓ کی کمان میں فوج روانہ کی۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عمر بن سعد انصاری جیسے بزرگ کو حمص کی ولایت سے معزول کر کے اس علاقے کو بھی حضرت معاویہؓ کے تحت دے دیا۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص جیسے کامل قائد و مذہب کو معزول کر کے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عثمان کو کوٹنے کا والی بنا دیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدیم الاسلام بزرگوں کا افسر حضرت عمرو بن العاص کو بنایا۔ ایسے ہی بیسیوں واقعات ہیں۔

مودودی صاحب کو رشتہ داروں کے بڑھانے پر بڑا اعتراض ہے لیکن کاش وہ عدل سے کام لیتے اور خود حضرت علیؓ کو دیکھتے جنھوں نے جہان چھانٹ کر تمام مناصب حکومت

اپنے قریب ترین نا تجربہ کار رشتہ داروں، اپنے چچے، بھائیوں، بھانجے سوتیلے بیٹے وغیرہ کو دیئے۔ کوفہ میں خود تھے، بصرہ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مکہ و طائف پر حضرت قثم بن عباسؓ، مدینہ پر حضرت ثمامہ بن العباسؓ، یمن پر حضرت عبید اللہ بن عباسؓ، خراسان پر جعدہ بن ہشیرہ (بھانجہ اور داماد) امیر عساکر محمد بن علی (اپنے حقیقی (زند) اور مصر پر اپنے رہیب (سوتیلے بیٹے) محمد بن ابی بکرؓ کو والی بنایا اور وہ بھی حضرت قیس بن سعد جیسے تجربہ کار صحابی بن صحابی کو الگ کر کے۔ اسی کے نتیجے میں اور انہی کی سوتیلیر سے مصر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ہمیں نہ اس پر اعتراض ہے اور نہ اس پر اعتراض جس قسم کے لوگوں نے کیا اور اب تک ان دونوں پر کرتے ہیں وہ اشتراخی جیسے لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا اور حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کے سبب بنے۔

مودودی صاحب نے دعویٰ کیا ہے (جون ص ۲۵۰) کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دشمن سال کے عہد میں بنی عدی کے صرف ایک شخص کو ایک چھوٹے سے عہدے پر مقرر کیا تھا۔ مگر یہاں ہم اور نام بھی پیش کر سکتے ہیں مثلاً حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حجاج بن ابی جحان کے سگے برادر نسبتی تھے اور انھیں بحرون کی ولایت سپرد کی گئی تھی۔ ان سے ایسا دور رشتہ تھا کہ یہ حضرت عبداللہؓ اور حضرت ام المومنین حفصہؓ کے سگے ماموں اور سگے پھوپھالے تھے۔

ہم پچھلے اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہاشمیوں کا عملی سیاست سے کوئی تعلق نہ رہا تھا انھیں ہم اسلام و کفر کی آویزش میں سینہ سپر نہیں پاتے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی مملکت کے نظم و نسق چلانے کا تجربہ کسی ہاشمی کو میسر نہ آیا۔

برخلاف اس کے نبی صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہم بنو امیہ کو حکومت بنوہ کے اہم ترین مناصب پر پاتے ہیں۔ چنانچہ اسی خاندان کے نوجوانوں کو خلافت صدیقی و فاروقی میں بھی نہایت اہم مناصب پر فائز کیا گیا۔ عرب کا کوئی قبیلہ اور قریش کا کوئی خاندان اس بارے میں بنو عبدالمطلب بنو امیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔



کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی امیہ و بنو عبدالمطلب پر انتہائی اعتماد تھا اور آپ دیکھ رہے تھے کہ امت کی قیادت خیر القرون میں اسی خاندان کو کرنی ہے۔ چنانچہ آپ کے والیوں میں اتنے حضرات بنو عبدالمطلب بنو امیہ میں تھے۔

## فہرست اموی عمال مملکت بنویہ

| نمبر شمار | نام                       | مقام تعیناتی                    |
|-----------|---------------------------|---------------------------------|
| ۱۔        | حضرت عتاب بن اسید امویؓ   | عالم مکہ                        |
| ۲۔        | حضرت ابوسفیان بن حربؓ     | بجنان                           |
| ۳۔        | حضرت یزید بن ابی سفیانؓ   | تیماء                           |
| ۴۔        | حضرت خالد بن سعیدؓ        | صنعا                            |
| ۵۔        | حضرت عمرو بن سعدؓ         | قریٰ عرینہ (توکن خیر ذک)        |
| ۶۔        | حضرت حکم بن سعیدؓ         | وادی القریٰ                     |
| ۷۔        | حضرت ابان بن سعیدؓ        | بحرین                           |
| ۸۔        | حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ | کاتب و مبلّغ اسلام مقام حمز موت |

عہد رسالت میں اسی فیصد عمال بنی امیہ میں سے تھے گویا مودودی صاحب کے الفاظ میں مرکزی سکرٹریٹ سے لیکر مملکت بنویہ کے تمام اہم ناکوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امویوں کو متعین کر دیا تھا۔

مودودی صاحب نے بزعم خویش ایک کلیہ قائم کیا ہے کہ بنو امیہ کے جو لوگ دور عثمانی میں آئے بڑھائے گئے وہ چونکہ خلقا میں تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت انھیں زیادہ مدت تک نصیب نہیں ہوئی اس لئے وہ امت کی قیادت کے اہل نہ تھے۔ ان کا یہ کلیہ قطعاً باطل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قریش کو مجتمع کر کے فرمایا تھا۔  
**طلقاء** انتم الطلقاء (تم سب آزاد ہو) اس وقت قریش سے اکثر لوگ کلہو تھے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فاتح ہونے کی حیثیت سے یہ حق رکھتے تھے کہ انھیں غلام بنائیں ان کے بعض لوگوں کو قتل کریں یا انھیں ذلیل کر کے ان پر مصائب کے پہاڑ توڑیں۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ قریش کے کردار کی رفعت ان کے تصورات زندگی کی عظمت سے واقف تھے اور آپ جانتے تھے کہ عصبیت کا ایک معمولی پردہ ہے جس کے اٹھتے ہی یہ لوگ انتہائی بلندی تک پہنچ جائیں گے۔ آپ اپنی قوت تصرف سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا اولین علمبردار ہونے کا شرف اسی قبیلے قریش کے لئے مقدر کیا ہے لہذا ان کے کفر و شرک کے باوجود ان کی آزادی کا اعلان فرما دیا۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو لوگ اسلام کے مخالف تھے وہ برضا و رغبت اور ذوق و شوق کے ساتھ اس دین میں داخل ہوئے۔

”طلاق بالفاظ دیگر احرار ہونا قریش کی منفیت ہے مگر یہی الفاظ جو ان کی عظمت بیان کرنے کے لئے کہے گئے تھے انھیں ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے برے معنی دیدئے۔ چنانچہ سبائیوں کے ہاں طلاق کہنا نہایت تحقیر کا کلمہ ہے۔ شاید اسی سبائی ذہنیت کے تحت مودودی صاحب نے بھی اس کی شرح بیان کی ہے۔

لیکن انھیں یاد نہیں رہا کہ اسلام کے مرکزی مقام مکہ معظمہ کا پہلا والی اپنی طلاق میں سے بیس برس کے ایک اموی نوجوان حضرت عتاب بن اسید کو بنایا گیا تھا جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں گنتی کے چند دن گزارے تھے۔ اور وہ سب کے سب سابقین اولین جنھوں نے اسلام کی سر بلندی کے لئے جائیں لڑائی تھیں دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے مودودی صاحب سمجھتے ہوں گے کہ ان سابقوں کو یہ امر ناگوار گزارا ہوگا مگر تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اس پر خوش تھے اور انھیں کسی درجے میں بھی اس نو مسلم اموی نوجوان کا اس عظیم دلیل منصب پر فائز ہونا ناگوار نہیں ہوا۔ حضرت عتاب بن اسید جس طرح عہد نبوی میں مکہ کے والی تھے اسی طرح عہد صدیقی میں بھی رہے اور بعض روایت کے مطابق عہد قاروقی میں بھی کچھ مدت۔ پھر آپ وفات پا گئے۔ ان ہی کے فرزند عبدالرحمن تھے جنھیں حضرت علیؑ نے یعسوب قریش (سردار قریش) کہا تھا۔



پھر یہی نو مسلم قریشی اموی جنہوں نے فتح مکہ موقع پر اسلام کا اظہار کیا تھا، انہی میں سے ایک کو کتابت وحی کی خدمت سپرد ہوئی یعنی حضرت معاویہؓ کو اور ان کے والد حضرت ابوسفیانؓ کو خیران کا والی بنایا گیا جو نصاریٰ کا مرکز اور بازو یعنی حکومت کا ہوا خواہ رہا تھا۔ غرض یہ ہے کہ مودودی صاحب کا خود ساختہ نظریہ بالکلیہ باطل ہو گیا۔ رہے حضرت ولید بن عقبہؓ حضرت مروان بن الحکمؓ حضرت عبداللہ بن عامر اور حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہم اجمعین تو یہ مودودی صاحب کی تاریخ دانی ہے کہ انہوں نے ان بزرگواروں کو طلقاء میں سمجھ لیا، اور ان پر یہ لغو اتہام لگایا کہ ”آخر وقت تک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلام کے مخالف رہے“

حضرت ولید بن عقبہؓ اور حضرت مروانؓ دونوں فتح مکہ کے وقت دس گیارہ برس کے لڑکے تھے اور حضرت عبداللہ بن عامرؓ فتح مکہ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن سعدؓ جو ان تھے لیکن ان کا معاملہ دوسرا ہے جو ان کے احوال میں زیر بحث آئے گا۔ اگر طلقاء میں ہونا مودودی صاحب کے خیال میں کوئی عیب تھا تو وہ ان کے بزرگوں میں ہو گا نہ کہ ان خوردوں میں۔ ان سب کی تربیت اسلام میں ہوئی اور اکابر صحابہ کی صحبت میں پر دان چڑھے نہایت اہم خدمات انہوں نے انجام دیں اور اپنے کارناموں کے بے نظیر آثار اس امت کے لئے چھوڑ گئے لیغیظ بہم الکفایہ چنانچہ سبائیہ نے کذب و افتراء کا طوفان انہی کے خلاف کھڑا کیا کیونکہ انہوں نے ایران اور روم دونوں شہنشاہتوں کو پائمال کر کے اسلام کی سر بلندی کا جھنڈا آویزاں کر دیا تھا۔ اب ہم ان میں سے ہر بزرگ کا ذکر قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں، اسی ضمن میں ان اتہامات کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی جو مودودی صاحب نے سبائی راویوں کی کذب بیانیوں کے سہارے امیر المومنین عثمان ذی النورینؓ کے پاکیزہ کردار پر عائد کرنے کی جسارت کی ہے۔

حضرت ولید بن عقبہؓ | اسلام کا یہ بطل علیل اور امرا اسلام میں بلند رتبہ قائد و مدبر جس کا ذکر مودودی صاحب نے بہت حقارت سے کیا ہے، اس کی شان تو ایسی تھی کہ ہم عصر مسلمانوں کی طرح آج کے مسلمان بھی فخر و انبساط اور ادب و تعظیم سے

اس کا ذکر کرتے مگر یہ حضرت ولیدؓ چونکہ نسباً اموی ہیں لہذا ان کے بارے میں مفتریات سبائیکہ کو ہوا دی جاتی ہے اور امیر المومنین عثمانؓ کے انتخاب کی داد دینے کی بجائے ان پر طعن کا سبب بنایا جاتا ہے۔

حضرت ولیدؓ صغار صحابہ میں ہیں۔ فتح مکہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی حاضری کا واقعہ خود ہی بیان کیا ہے (العواصم من القواصم ص ۹۱-۹۲) منقول از مسند امام احمدؒ کہ آپؐ بھی ان بچوں میں تھے جو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ نے سب کے لئے برکت کی دعا کی۔ تقریب التہذیب میں ہے لہ صحبة وعاش الى خلافة معاوية (آپؐ کو صحبت نصیب ہوئی اور حضرت معاویہؓ کی خلافت تک زندہ رہے) امیر ولیدؓ کی تمام تربیت حضرت صدیق اکبرؓ نے کی ان کی حیثیت بارگاہ صدیقی میں وہی تھی جو حضرت ابن عباسؓ کی حضرت فاروق اعظمؓ کے ہاں کہ باوجود صغر سنی اور نوعمری اکابر صحابہ کی مجلس میں بارگاہ تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے پہلی خدمت جو ان سے لی وہ فوجی خط و کتابت تھی جو بصیغہ راز آپؐ کے اور آپؐ کے سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن ولیدؓ سیف اللہ کے درمیان ہوا کرتی تھی (طبری: ۴: ۲۷، منقول از العواصم تعلیق علامہ خطیب ص ۸۶) اس کے بعد آپؐ کو عہد صدیقی میں سالار عسکر حضرت عیاض بن غنم فہری کی مددگار کی حیثیت سے بھیجا گیا (طبری: ۴: ۲۷ و ۲۸ مذکور) پھر ۳۱ھ میں قبیلہ قضاہ کے صدقات کی وصولی کے لئے بھیجے گئے۔ جب فتوح شام کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عمرو بن العاصؓ کی طرح ایک فوج کی قیادت آپؐ کے بھی سپرد کی گئی حضرت عمروؓ کو فلسطین کی طرف روانہ کیا گیا اور حضرت ولیدؓ کو شرق اردن کی طرف (طبری: ۴: ۲۹-۳۰ و ۳۱ مذکور) یعنی حضرت صدیق اکبرؓ انھیں حضرت عمرو بن العاصؓ ہی کی سی اہمیت دیتے تھے۔

پھر ۳۲ھ عہد فاروقی میں آپؐ کو جزیرہ کا عامل مقرر کیا گیا (طبری ج ۳) پھر بلاد بنی تغلب کا امیر بنایا گیا اور یوں شام کے شمالی علاقے کے مسلم و کافر عرب آپؐ کے لشکر میں شامل ہوئے اور رومیوں کے خلاف جہادوں کا سلسلہ شروع ہوا یہاں آپؐ نے ان جہادوں کے ساتھ ساتھ نصرانی عربوں میں موعظہ حسنہ سے تبلیغ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔



بہت سے نصرانی نوجوان کو حلقہ بگوش اسلام کیا جن نصرانی عربوں پر باز نطینی حکومت کا زیادہ اثر تھا وہ بھاگ کر باز نطینی بیڑے سے جا ملے۔ یہ صورت بغاوت کی تھی۔ چنانچہ حضرت ولیدؓ نے امیر المومنین عمر فاروق اعظمؓ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی کہ قیصر روم کو تہدیدی حکم بھیجیں کہ ان لوگوں کو بلاد اسلامیہ کی طرف واپس کر دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ صورت حال دیکھ کر انھیں واپس بلا لیا کہ کہیں اپنے دینی جوش میں ان عرب نصرانیوں سے نہ بھڑ جائیں جو اس وقت عربی قومیت کا خیال کر کے باز نطینی حکومت کے خلاف مسلمانوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس وقت سیاست کا یہی تقاضا تھا کہ اس پر جوش مجاہد کو واپس بلا لیا جائے۔

لیکن امیر المومنین عثمانؓ کے عہد مبارک تک اس جری نوجوان میں جوش جہاد کے ساتھ تہہ بہ تہہ اچکا تھا۔ چنانچہ آپ کو کوفہ کا والی بنا دیا گیا۔ اور وہاں آپ پانچ برس تک نہایت کامیابی کے ساتھ نظم و نسق کے علاوہ عظیم الشان فتوحات بھی حاصل کرتے رہے اور آپ کا شمار کوفہ کے مثالی والیوں میں ہے۔

بروایت تاریخ طبری جو موردودی صاحب کا معتبر ماخذ ہے حضرت ولید بن عقبہ اہل کوفہ کے محبوب گورنر تھے۔

(حضرت ولیدؓ) لوگوں میں لوگوں کے سب سے زیادہ محبوب تھے اور ان کے ساتھ سب سے زیادہ نرم تھے پانچ سال اس منصب پر رہے مگر آپ کے مکان کا دروازہ ہرگز نہ تھا (ہر شخص ہر وقت ان کے پاس جاسکتا تھا۔)

وكان احب الناس في الناس  
وارفقهم بهم فكان بذلك خمس  
سنين وليس على دأرك بابنه۔  
(طبری ج ۳ ص ۳۰۳)

علامہ خطیبؒ نے العواصم میں (ص ۱۰۰) طبری کے حوالے سے (۵: ۶۰) امام شعبیؒ کا ایک

قول نقل کیا ہے۔ آپ کے سامنے امیر مساتہ بن امیر المومنین عبد الملکؓ کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر سہرا ہوا تھا تو امام شعبیؒ نے فرمایا۔

کاش تم ولید کا زمانہ پاتے اور ان کے جہادوں اور  
اور ان کی امارت کا حال دیکھتے۔ وہ جب جہاد پر نکلتے

كيف لو ادر كسما الوليد غزو  
واما رة ان كان ليغزو فينتهي

انی کنا اوکلا.....ماقصرولا  
انتقص علیہ احد عزل عن  
عمله و علی الباب یومئذ عبدالرحمن  
الباهلی۔ وان کان ہما زاد عثمان  
الناس علی یدک (اے علی یدالو لید)  
ان مرد علی کل مملوک بالکوفۃ من  
فضول الاموال ثلاثۃ فی کل شھر  
یتسعون بہا من غیر ان ینقص  
موالیہم من امرئ قہر۔

تھے اور دور دور دھاوے بولتے تھے..... اور  
کسر نہ رکھتے تھے۔ کسی کو ان پر کوئی اعتراض نہ تھا تاہم  
وہ اپنے عہدے سے برطرف کر دے گئے اور اس وقت  
ان کے ایک بڑے سپہ سالار (عبدالرحمن الباہلی در بدر  
کا محاصرہ کئے ہوئے تھے) جو بحر خزر کے کنارے روس  
کے علاقے کا مضبوط مورچہ تھا (گویا ان قاسقوں کی  
ریشہ دوانی کے سبب ولید کی معزولی سے اس وقت  
امت کو نقصان پہنچا) پھر انہوں نے کوفہ کے ہر غلام  
کو زائد مال سے تین درہم ماہوار وظیفہ مقرر کر رکھا تھا  
کہ اپنا کام چلائیں اور یہ بغیر اس کے تھا کہ ان کے  
آقاؤں کے وظائف میں کوئی کمی ہو۔ لگویا اس طرح  
مملوکوں کی حیثیت عربی کو بلند کر کے ان کے آقاؤں ہی کی  
طرح حکومت کا بادشاہی بنا دیا گیا)

یہ ہیں حضرت ولید بن عقبہؓ جن کے تعمیری کامائے اختصار سے بیان کرنا مشکل ہیں۔ ان ہی  
کا ذکر مودودی صاحب نے سبائیوں کی روایت کا سہارا لے کر اس حقارت سے کیا ہے کہ ہر  
باخبر شخص کے دل پر چوٹ لگی ہوگی۔

مودودی صاحب نے یہ تو لکھ دیا کہ حضرت سعد کو موقوف کر کے حضرت عثمانؓ نے اپنے  
مال جائے بھائی کو والی کوفہ مقرر کر دیا مگر وجہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ہوا یہ کہ  
حضرت سعدؓ نے بیت المال سے کچھ روپیہ قرض لیا تھا جس کی ادائیگی میں کچھ دیر کی ہتھم  
بیت المال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مطالبے میں شدت برتی جس سے ان دونوں بزرگوں  
میں کچھ تلخی پیدا ہو گئی۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو بات معمولی تھی لیکن کوفیوں نے اسے خوب بڑھایا  
چڑھایا اور فطری مفسدانہ ذہنیت کے تحت ان کی پارٹیاں بن گئیں کچھ لوگ  
والی کوفہ حضرت سعدؓ کے ساتھ تھے اور کچھ ہتھم بیت المال حضرت عبداللہ کے یہ صورت



حال تشویشناک تھی اور دونوں بزرگوں کو ناگوار اس لئے حضرت ولید کو بھیجا گیا اور حضرت سعد کو بلا لیا گیا۔

مودودی صاحب نے ان دونوں کا جو مکالمہ لکھا ہے (ص ۲۵۱) وہ بالکل لغو ہے۔ حضرت سعد جب خلافت ہی سے بے نیاز تھے تو انھیں امارت کی کیا خواہش تھی۔ وہ مسلمانوں کے باہمی اختلاف سے نفرت کرتے تھے انھوں نے تو کوفہ چھوڑ دینا غنیمت سمجھا ہوگا بلکہ اسے پسند کیا ہوگا کہ کوفہ کے شہر پسند عناصر کی سرکوبی کے لئے حضرت ولید جیسے والی وہاں پہنچ گئے۔

حضرت سعد نے ایران کا دارالسلطنت مدائن فتح کیا تھا لہذا کوفہ کا ایرانی عنصر ان سے ویسے ہی خفا تھا اور پھر سبائیوں کو جو ان سے نفرت ہے اس کا کیا کہنا۔ چنانچہ ان کے خلاف پروپگنڈا خوب کیا گیا ہے۔ کچھ جاہل عرب بھی ان منافقوں کے بہکائے میں آگئے اور حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں ان کی یہ شکایت کی کہ انھیں نماز پڑھانی نہیں آتی (صحیح بخاری: ج ۱، کتاب الصلوٰۃ ص ۱۳۸ طبع مصر) کوفہ والوں کی یہ ذہنیت دیکھ کر آپ عہد فاروقی میں بھی کوفہ کی امارت سے علیحدہ ہو چکے تھے تو حضرت ولید کے آنے پر سبائی روایوں کی تراشیدہ یہ چھٹی ہوئی باتیں کیوں بتوتے تھے مودودی صاحب نے نقل کیا ہے۔

مودودی صاحب نے حضرت ولید کے شرب خمر کا اتہا اور ان پر مدح جاری **شراب خمر** ہونے کا واقعہ بیان کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اسے اتنی اہمیت دی کہ دلائل و شواہد پیش کرنے بھی ضروری سمجھے چنانچہ فرماتے ہیں (جون ص ۲۵۲ تعلیقہ)

علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اس کے نشے کی حالت میں نماز پڑھانے اور ازید کم کہنے کا واقعہ مشہور من روایۃ الثقات من نقل اہل الحدیث والاخبار (اہل حدیث اور اہل روایت کے ثقہ لوگوں کے بیان کے مطابق مشہور ہے) نیز وہ لکھتے ہیں کہ اصمعی ابو عبیدہ ابن الکلبی وغیرہم کا بیان ہے کہ ولید بن عقبہ کان قاسما شرب خمر (ولید بن عقبہ قاسق تھا اس نے شراب پی)

موردی صاحب نے حضرت ولیدؓ کے بارے میں مفسدوں اور منافقوں کی بیان کردہ روایت کو نقل کر دی اور اصمعی و ابو عبیدہ اور ابن الکلبی جیسے افسنی سبائی اور کذابوں کی رائے بھی بیان کر دی لیکن صحاح سے اس افتراء و کذب کی تحقیق ضروری نہیں سمجھی۔ ایک مومن، ایک صحابی، حضرت عثمانؓ کے ماں جانے بھائی، ایک مجاہد کبیر، ایک قابل فخر امیر اور حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ کے معتمد کارکن اور پھر ایک گزرا ہوا شخص، کیا اس کی اتنی بھی حرمت نہیں جو ایک معمولی مسلمان کی خدا و رسولؐ نے بتائی ہے۔ ان کا شخصی عیب بیان کرتے وقت کچھ تو خیال کیا ہوتا۔ مگر کیوں کرتے نسلی تعصب اور خاندانی انانیت اس کی اجازت کب دیتی ہے۔ اب ہم ناظرین کرام کو اصل صورت حال بتاتے ہیں۔

حضرت ولیدؓ کو فنی کی امارت پر پانچ برس فائز رہے اپنے عدل اپنے علم و رفیق اپنے رحم و کرم اور اپنے تدبیر و سیاست سے اسے ایک مثالی شہر بنا دیا لیکن کوفیوں کا شریک و شریک عادت اسے برداشت نہ کر سکا کہ اتنے دن وہاں کوئی والی رہے۔ ادھر ایک واقعہ ہو گیا کہ ابو زہب از دی، ابی مروع اور ابو زہیر حبیب کے بیٹوں نے ایک صاحب علی بن خنیس کے ہاں نفت دگائی اور انھیں قتل کر دیا۔ پڑوس میں اس وقت مشہور صحابی ابو شریح خزاعیؓ اور ان کے فرزند پھرے ہوئے تھے۔ یہ دونوں محترم بزرگ حضرت ولیدؓ کی قیادت میں جہاد کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے آئے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھ کھل گئی اور انھوں نے ان ظالموں کی یہ حرکت دیکھی اور امیر کے ہاں گواہی دی تو ان مجرموں کو کیفر کردار کو پہنچا دیا گیا۔ اس سے ان کے باپ برا فرودہ ہوئے انھوں نے حضرت ولیدؓ کے خلاف محاذ بنالیا۔ ان کے ہاں اتفاق سے بنو تغلب میں سے ایک نصرانی شاعر مہمان آئے اور ان کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔ شعر و ادب کے تذکرے ہونے لگے۔

امیر ولیدؓ کا قاعدہ تھا کہ جب تک مرد نے میں رہیں ہر شخص ان کی خدمت میں ہر وقت آجاسکتا تھا۔ چنانچہ ابو مروع وغیرہ بھی ایک دن اچانک پہنچ گئے اور دیکھا



کہ امیر ولیدؓ نے جلدی سے ایک خان تخت کے نیچے کو کر دیا۔ ان لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید اس نصرانی نو مسلم کی صحبت میں سے نوشی شروع ہو گئی ہے۔ انہوں نے وہ طشت نیچے سے نکال کر دیکھا تو اس میں صرف انگور تھے۔ اب یہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور جب اشرف کو ذہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس گستاخی پر بہت مزہزنی کی۔ مگر امیر موصوف نے چشم پوشی سے کام لیا نہ انہیں کچھ نیرادی اور نہ امیر المومنین کو اطلاع کی۔ اس سے یہ لوگ پشیمان ہونے کی بجائے دلیر ہو گئے۔ اور پھر کسی موقع کی تاک میں رہے۔ ایک شب اتفاق سے امیر کے ہاں مجمع زیادہ تھا اور جب اجلاس برخاست ہوا۔ باقی لوگ چلے گئے لیکن ابو مورع اور ابو زینب سب کے ساتھ چلے جانے کے بجائے ایک طرف کو چھپ گئے۔ امیر ولیدؓ نے غالباً مکان کے سبب تکبہ پر سر رکھا تو آنکھ لگ گئی۔ یہ دونوں چپکے سے بڑھے اور انگلی میں سے انگوٹھی نکال کر بھاگ گئے۔ امیر ولیدؓ بیدار ہوئے تو انگوٹھی ہاتھ میں نہ دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ ان کی دو بیویاں پردے میں سے دیکھ رہی تھیں انہوں نے بتایا کہ اس اس محلے کے دو شخص کس طرح اچانک انگوٹھی لیکر بھاگ گئے۔ آپ سمجھ گئے کہ کون تھے۔ ان کے پیچھے آدمی دوڑائے مگر وہ غائب تھے اور کیوں نہ ہوتے۔ تو مدینہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ وہاں انہوں نے حضرت امیرؓ پر شراب خمر کا الزام لگایا اور ثبوت میں انگوٹھی پیش کی۔ ایک نے گواہی دی کہ اس نے شراب پیتے دیکھا اور دوسرے نے کہا کہ شراب کی قی کرتے دیکھا۔ یوں امیر ولیدؓ کی طلبی ہوئی۔ آپ نے حلیہ بیان کیا کہ یہ محض اتہام ہے اور ان گواہوں کی پوری کیفیت بیان کر دی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

لَقِيمَ الْحَدُودِ وَيُوجِبُ شَاهِدَ الْبُرْصِ بِالْأَمْرِ فَاصْبِرْ يَا أُخْتِي - اہم تو حد قائم کرینگے اور جھوٹے گواہوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اے میرے چھوٹے بھائی صبر کر۔

یہ ہے وہ کل قصہ جو طبری نے سنہ ۳۵ھ کے حادثہ کے تحت بیان کیا ہے۔ اس پوری تفصیل میں نہ کہیں نشتے کی حالت میں نماز پڑھانے کا ذکر ہے نہ ”اور پڑھاؤں“ کہنے کا اور نہ دو رکعتوں اور چار رکعتوں کا۔

مودودی صاحب کے اسی معتبر ماخذ طبری میں صراحتاً مذکور ہے کہ جب امیر المومنین

نے گواہوں سے پوچھا کیا کیا تم نے ان کو (امیر ولید) کو شراب نوشی کرتے دیکھا تھا  
 دونوں نے صاف انکار کیا فقال لا وخافا (ایضاً ج ۵ ص ۶۲ طبع اولیٰ) یعنی ختم دید  
 واقعہ کہتے ڈرے اور انکار کیا۔ گویا ابن عبد البر سے ایک صدی پہلے کے مورخ نے نماز  
 پڑھانے کا مطلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ استیعاب میں نماز فجر میں چار رکعتیں پڑھانے کی جو وضعی  
 روایت ہے اس کے راوی ضمہ بن ربیعہ ہتم بک بن ابی سوزبہ اس واقعہ سے ۶ سال بعد پیدا ہوئے۔  
 البتہ احادیث میں ایک روایت حنین بن المنذر کی ہے جو صفین میں حضرت علی  
 کے ایک کماندار تھے۔ لیکن نہ وہ اس مزعومہ واردات کے وقت کوٹھے میں تھے اور نہ عثمانی  
 عدالت میں ان کی حیثیت گواہ کی تھی اور نہ انھوں نے اپنے بیان کی کوئی سند دی وہ صرف  
 اس موقع پر موجود تھے۔ جب حد جاری کی گئی۔

یہ روایت اس طرح ہے (صحیح مسلم ج ۲، باب حد الخمر ص ۵ طبع مصر)

حدثنا حنین بن المنذر

ابو ساسان قال شهدت عثمان  
 بن عفان وأبى ببالولید قد  
 صلی الصبح رکعتین ثم قال  
 ازید کمر فشهد علیہ رجلان  
 احدهما حصران انه شرب الخمر  
 واشهد آخر انه رآه یتقیأ  
 فقال عثمان انه لم یتقیأ حتی  
 شرفها فقال یا علی قم فاجلدہ

ہم سے حنین بن المنذر ابو ساسان نے بیان کیا  
 وہ کہتے ہیں میں عثمان بن عفان کے حضور اس وقت  
 موجود تھا جب ولید کو لایا گیا۔ انھوں نے صبح کی  
 دو رکعتیں پڑھی تھیں اور پھر کہا تھا "اور زیادہ کروں"  
 تو ان پر دو آدمیوں نے گواہی دی۔ ان میں ایک تھا حصران  
 اس نے گواہی دی کہ انھوں نے شراب پی اور دوسرے  
 نے گواہی دی کہ اس نے شراب کی قی کرتے دیکھا  
 حضرت عثمان نے فرمایا "قی تو تب ہی کی جب پی۔ پھر  
 فرمایا "اے علی اٹھو اور اس کے کوڑے لگا دو" (فاروقی  
 و عثمانی عہد خلافت میں مجرموں کی سزا کا نفاذ حضرت  
 علیؑ کے سپرد تھا۔ م)

فقال علی قم یا حسن فاجلدہ

فقال الحسن ولّی حاشا ہا من توتی

(حضرت) علی نے فرمایا: "حسن اٹھو اور اس کے

کوڑے لگا دو۔ (حضرت) حسن نے فرمایا "اس کی گرمی



اسی کے سپرد کیجئے جس نے اس کی ٹھنڈک کا مزالیا ہے  
 گویا آپ کو ولید (سے ہمدردی تھی)۔ تو انہوں نے  
 فرمایا اے عہد اللہ بن جعفر تم کوڑے ہو اور اس کے  
 کوڑے لگاؤ۔ چنانچہ انہوں نے کوڑے لگائے اور  
 (حضرت علی گئے رہے۔ جب چالیس تک پہنچے تو حضرت)  
 علی نے فرمایا بس رک جاؤ۔۔۔۔۔

قَاتَرَهَا (فَكَانَ وَجَدَ عَلَيْهِ) فَقَالَ  
 يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ جَعْفَرٍ قُمْ فَاجْلِدْكَ  
 فَجَلَدَكَ وَعَلَى يَدِ حَتَّى بَلَغَ أَرْبَعِينَ  
 فَقَالَ امْسِكْ الْخ

(۱) یہ حدیث مسند احمد میں انہی حصین کے جو اے سے تین جگہ مذکور ہے۔ دو سندوں

میں حصین کا کوئی قول نماز کے متعلق مذکور نہیں یعنی راویوں نے سمجھ لیا کہ قول حصین کا ہے جو  
 انہوں نے بعد کی شہرت کی بنا پر کہہ دیا اصل واقعے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ تیسری سند  
 میں حصین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے صبح کی چار رکعتیں پڑھائی تھیں۔ صحیح مسلم کی مذکور  
 بالا روایت میں دو رکعتوں کا ذکر ہے

یہ تفصیل واضح کرتی ہے کہ نماز کا ذکر حصین نے کیا ہے اور غالباً اس شہرت کی بنا پر

جو روایت بیان کرتے وقت تک ہو چکی تھی۔ اس قول کا نفس واقعے سے کچھ تعلق نہیں۔  
 کیونکہ گواہوں نے جو گواہی دی اس میں نماز کا کوئی ذکر نہیں۔ ایک نے شراب کا پینا بتایا  
 اور دوسرے نے اس کا قے کرنا۔ اور گواہوں کا یہی بیان حصین نے بھی دیا۔ لہذا دو یا  
 چار رکعت پڑھانا اور پھر "اور پڑھاؤں" کہنا لوگوں کی اپنی ایجاد ہے۔ اور سبائی  
 لوگ جیسے لطائف و ظرائف وضع کر کے انہیں شہرت دیا کرتے ہیں اسی کا یہ بھی ایک نمونہ ہے

(۲) طبری نے ابو زینب اور ابو موسیٰ کا انگوٹھی چرا کر مدینہ آکر شرب خمر کی گواہی

دینے کا ذکر کیا ہے اور حدیث زیر نظر میں گواہوں میں ایک نام حمران ہے اور دوسرے  
 کا نام نہیں دیا گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ عدالت میں شرب خمر کی گواہی دینے کی ہمت ابو موسیٰ اور ابو زینب

کو نہ ہوئی بلکہ انہوں نے ان دو آدمیوں کو تیار کیا جن میں ایک حمران ہے۔

اس حمران کی بابت علی مرتضیٰ الدین الخطیب نے بتایا ہے (العوام ص ۸۹ تعلیقہ)

کہ یہ شخص امیر المؤمنین عثمانؓ کے غلاموں میں تھا اور منجملہ اور شرارتوں کے اس نے یہ حرکت بھی کی تھی کہ ایک مطلقہ عورت سے عدت کے اندر ہی نکاح کر کے اس کے پاس گیا تھا۔ اس پر نازا راض ہو کر حضرت عثمانؓ نے اسے اپنی خدمت سے ہر طرف کر کے شہر بدر کر دیا۔ یوں یہ شخص کوہ ہاپہنچا اور وہاں بھی بے جا حرکتیں جاری رکھیں۔ پھر اس نے یہ حرکت کی کہ ایک عابد و صالح شخص حضرت عامر بن قیسؓ کے متعلق جھوٹی باتیں اور باب حکومت کو پہنچائیں۔ چنانچہ سزا کے بعد اسے کوفے سے بھی نکال دیا گیا اور یہ شام چلا گیا۔ اب دلچسپ بات یہ ہے کہ امیر ولیدؓ کے بارے میں گواہی دینے پر پھر مدینہ پہنچ گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ان سبائیوں کی ملی بھگت تھی اور جس طرح یہ جلسہ بازی اور فتنہ انگیزی کی باتیں کرتے چلے آئے ہیں ویسی ہی باتیں یہ بھی تھی۔

حیرت کا مقام ہے کہ مودودی صاحبؒ نے العواصم میں یہ سب تفصیل پڑھی ہوگی پھر بھی انہوں نے یہ روایت اس مستعدی سے بیان کر دی اور صحیح مسلم کی اس حدیث پر غور کرنے کی بھی تکلیف گوارا نہیں کی۔ حالانکہ ایک عالم کا یہ فریضہ ہے کہ صحابہ کے دور کے واقعات وہ صحاح میں تلاش کرے اور پوری تحقیق کے ساتھ بات کہے اور لکھے اس پر مستزاد یہ ہے کہ انہوں نے اصمعی ابو عبیدہ اور ابن الکلبی کا بیان بطور حجت پیش کر دیا کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ ان میں سے نہ کوئی شخص امیر ولیدؓ کا ہم عصر تھا اور نہ علمائے حدیث کے ہاں ان کے بیان کی کوئی قیمت ہے۔ پھر ابن الکلبی رحمہ اللہ بن محمد السائب الکلبی متوفی سنہ ۷۵ھ) تو رافضی راوی نہایت درجہ غالی سبائی کا بیٹا ہے اپنے باپ سے روایت کرتا ہے ابن عساکر کہتے ہیں رافضی لیس بشقة (رافضی غیر ثقہ تھا) امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے یہ قصہ گو تھا اس قابل نہ تھا کوئی اس سے روایت کرے دارقطنی نے متروک کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۶) اسی طرح ابو عبیدہ و اصمعی ہیں جن دونوں کو ابو زید الانصاری نے کذاب کہا ہے۔ (ایضاً)

رہا ابن عبد البرؒ کا قول کہ نماز پڑھا کے اور پڑھاؤں کہنے کی بات اہل حدیث اور رواد اخبار کے ہاں مشہور ہے تو چند امور پر غور کرنے بعد اس قول کو سند بنانا درست



ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۱) رواۃ اخبار میں انھوں نے جن تین آدمیوں کا نام لیا ہے ان میں سے جیسا ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں ابن النکلی سبائی رافضی ہے وہ اگر ہم عصر ہوتا تب بھی اس کی بات نہ سنی جاتی اور باقی دو بھی کذاب ہیں اور اس دور کے ہیں جب امویوں کے خلاف پروپگنڈا انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

(۲) رواۃ اخبار میں زیادہ معتبر طبری ہیں۔ لیکن انھوں نے بھی شیعیت کے باوجود نماز پڑھا کر اور پڑھاؤں کی کوئی روایت نقل نہیں کی اور ان کے بیان میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں۔

(۳) ابن عبد البر نے اگر ”مشہور“ بطور اصطلاح حدیث کے بیان کیا ہے تو حدیث موجود ہے۔ عدالت کے سامنے دو گواہ پیش ہوتے ہیں۔ ایک کہتا ہے میں نے شراب پیتے دیکھا دوسرا کہتا ہے کہ شراب کی قے کرتے دیکھا۔ اسی بیان پر حد جاری ہوتی ہے۔ کسی گواہ نے نماز پڑھا کر ”اور پڑھاؤں کا ذکر نہیں کیا۔“

(۴) حنین جو اس واقعے کے تہنہ راوی ہیں اور انھوں نے نماز پڑھا کر اور پڑھاؤں کا ذکر کیا ہے۔ تو یہ بیان عدالت کے سامنے نہیں دیا۔ بلکہ بعد میں کبھی بیان کیا ہوگا۔ جن لوگوں نے ان سے روایت کی ہے ان میں سے دو نے یہ الفاظ حنین کے بیان نہیں کئے۔ جنھوں نے کئے ان میں سے ایک نے کہا کہ چار رکعتیں پڑھا دیں اور ایک نے بتایا دو رکعتیں پڑھاؤں کہا۔

گویا جس شخص پر مدار ہے خود اسی کے کہنے نہ کہنے میں اختلاف ہو گیا تو حدیث کا یہ ٹکڑا خود بخود ساقط عن الاعتبار ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ حنین نے یہ الفاظ ہی نہیں کہے بعد کے کسی راوی نے ان کی طرف منسوب کر دئے ہیں اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب امویوں پر بہتان طرازی ایک طبقے کا شعار ہو گیا تھا۔ لہذا ابن عبد البر کا بیان کسی درجے میں لائق اعتناء نہیں۔

جب حدیث سب سے اعلیٰ سند کے ساتھ موجود ہے اور ادنیٰ تاثر سے اسے

دیکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ حنین نے یہ بیان عدالت کے سامنے نہیں دیا۔ اور نہ یہ کہا کہ میں اس نماز میں شریک تھا تو پھر ان کے بیان کی قیمت ہی کیا رہتی ہے جبکہ خود ایسی سندیں بھی موجود ہیں جن میں حنین کا یہ قول نقل نہیں کیا گیا۔

نعم مودودی صاحب پر ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے امر واقعہ بنا کر کہہ دیا کہ صبح کی نماز چار رکعت پڑھا کر کہا ”اور پڑھاؤں“۔ کیا مودودی صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ نماز فجر کی تھی جس کے بعد نوافل نہیں ہیں اور یہ امر تمام علماء مذاہب کے ہاں مسلم ہے تو کیا جماعت میں کوئی ایک شخص بھی پڑھا لکھا اور نماز کے مسائل سے واقف نہ تھا جو تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت ٹوک دیتا۔ مودودی صاحب کو نماز کا یہ معمولی مسئلہ کیوں یاد نہیں رہا۔ جامع مسجد کوڈ کے سیکرٹوں نمازیوں میں سے کسی کو گواہ نہ بنانا کیا دلیل چھوٹے اہتمام کی نہیں امیر ولید حبیب عظیم المرتبت مجاہد امیر اور صحابی کی توہین و تذلیل کا ایسا ہی شوق تھا تو کم از کم اپنی فتنگی تو لاج رکھ لیتے جس کی بڑی شہرت ہے اور صحیح مسلم کو سامنے رکھ کر کہتے کہ دو رکعت پڑھا کر کہا اور پڑھاؤں۔ مگر یہ کرامت ہے اسلام کے اس بطل جلیل اموی امیر کی رضی اللہ عنہ کہ مودودی صاحب کے قلم سے وہ بات نکلی جسے فقہ کا معمولی طالب علم بھی ہنسنے بغیر نہ رہے۔

ہم تو اہل علم اور تقویٰ شعار مسلمانوں کو صحیح مسلم کی اس حدیث کی موجودگی میں ان راویوں کی بجائے ان دو بزرگواروں کے ارشاد کی طرف متوجہ کرتے جو موقع پر موجود تھے یعنی حضرت حسنؓ جو اس سب کارروائی کو مصنوعی سمجھتے تھے اور جن کے نزدیک ان گواہوں کی کوئی قیمت نہ تھی اسی لئے انھوں نے کوڑے لگانے سے انکار کر دیا۔ پھر میں خود امیر المومنین عثمانؓ جنھوں نے بقول طبری فرمایا ”ہم تو حد جاری کر دیں گے رہے جھوٹی گواہی دینے والے تو وہ جہنم میں جائیں گے“ اور یہ بات آپ نے اس لئے فرمائی کہ حمران جیسا گواہ تھا جس کی گواہی کسی مسلم عدالت میں قبول نہیں کی جاسکتی۔ لیکن امیر المومنین نے حد محض اس لئے جاری کر دی کہ ان کے ماں بھائی کا معاملہ تھا۔

یہ بات صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتی ہے (ج ۴، ص ۳۲۴ باب ہجرة الجہشہ)



بعض صحابہ نے حضرت عبید اللہ بن عدی کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ولیدؓ پر حد کیوں نہیں جاری کرتے۔ تو حضرت عثمانؓ نے ان کی پوری بات سن کر فرمایا کہ یہ کس قسم کی باتیں ہیں جو میں سن رہا ہوں کیا میرا ان لوگوں پر وہ حق نہیں ہے جو ان حضرات کا تھا۔ (یعنی حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ کا) رہی ولید کی بات تو ہم انشاء اللہ ان پر حد جاری کریں گے۔ آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا اور ان کے چالیس دترے لگائے گئے۔ اس روایت میں کہیں نماز کا ذکر نہیں۔ حضرت عثمانؓ کا حد جاری کرنے میں دیر لگانے کا سوائے اس کے اور کوئی سبب نہ تھا کہ حضرت حسنؓ کی طرح آپ اسے سب بنایا ہوا قضیہ سمجھتے تھے اور آپ کو ان گواہوں کی گواہی پر اطمینان نہیں تھا۔ اس لئے محض مصلحت کے تحت اور لوگوں کی بدگمانی سے بچنے کے لئے آپ نے یہ مزادی اور امیر ولیدؓ کو مطمئن کر دیا کہ مزادینے کی اصلی وجہ کیا ہے اور یہ کہ جھوٹی گواہی دینے کے سبب ان گواہوں نے جہنم میں ٹھکانا بنایا ہے۔

امیر ولید بن عقبہؓ کے متعلق مؤلف کتاب نسب قریش ابی عبد اللہ المصعب بن ثابت بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم المتوفی ۲۳۶ھ فرماتے ہیں:- (ص ۱۳۸)

یہ قریش کے اکابر اور ان کے شعراء میں تھے۔ اور ان میں سخامت تھی۔ انھیں (امیر المومنین) عثمانؓ نے کوٹنے کا والی بنایا تھا۔ آپ کو ان کے متعلق اطلاع دی گئی کہ شراب پی رہے تو حضرت عثمانؓ نے انھیں معزول کر دیا اور حد جاری کی۔ ان کی صفائی میں حطیہ نے یہ شعر کہے ہیں:-

حطیہ جب اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہو گا تو گواہی دے گا کہ امیر ولیدؓ عذر پیش کرنے میں زیادہ حق بجانب ہیں انھوں نے تمہاری اس عظمت و شرافت کا پاس نہ کیا جس کا سکہ تم نے بٹھا دیا تھا۔ اگر وہ لوگ تمہیں اس غوث شرف میں چھوڑے رہتے تو اس کے آثار

کان من رجال قریش و  
شعل نھم وکان له منعا استعملہ  
عثمان بن عفان علی الکوفۃ فرفعوا  
علیہ اذہ شرب الخمر فعزلہ عثمان  
وجلدہ الحد وقال الخطیۃ  
یعدنہا۔

شهد الخطیۃ حین یلتقی ربہ  
ان الولید احق بالعدنہ  
خلعوا عنانک اذ جریث ولو  
خلعوا عنانک لم تنزل تجری

برابر جاری رہتے (طویل العنان: صاحب شرف و سود و دم)  
پھر لوگوں نے اس میں یہ شعر بھی بڑھا دئے جو خطبہ کے  
نہیں ہیں:-

نماز ختم ہو چکی تھی مگر وہ نشے میں دھت ہونے کی وجہ  
سے پکار اُٹھے اور پڑھاؤں ہٹا کر اضافہ کر کے پانچ  
رکعتیں کر دیں اور اگر لوگ ایسا کرنے دیتے تو نوبت  
دس تک پہنچتی۔

اب دیکھیے جس میں ذرا سی بھی عقل ہوگی وہ سوچے گا کہ جو شخص پہلے دو شعر کہتا ہے ایسی  
مدح میں جو آدمی کو بے نظیر بتائے وہ بعد کے دو شعر مذمت میں کیسے کہتا۔ لیکن اموی  
سادات کی عداوت نے ان کی عظمت و شرف پر حرف رکھنے والوں کی عقل اتنی سلب کر لی کہ  
سلیقے کے ساتھ شعروں میں اضافہ نہ کر سکے۔

قریب العہد اور معتبر ترین نساب کا بیان عمار بن عبد البر صاحب الاستیعاب  
کی حرکت ملاحظہ ہو (المتوفی ۳۶۳ھ) کہ ان اشعار کو کیا سے کیا کر دیا یعنی عذر کو  
غدر بنا دیا۔

خطبہ جس دن اپنے رب سے ہنور ہو گا تو گواہی دیگا کہ  
کہ غدر کرنے کا اولیٰ زیادہ حقدار تھا۔

نماز ختم ہو چکی تھی کہ نشے کی بے خبری میں پکار اٹھا  
کہ اور پڑھاؤں۔

لیکن ابو وہب کو لوگوں نے ایسا نہ کرنے دیا۔ اگر اجازت  
دیدیتے تو جفت اور طاق رکعتیں سب ساتھ مل جاتیں  
انہوں نے تمہاری لگام مقام لی جب تم نے اُسے ڈھیل  
پھوڑ دیا تھا اور اگر وہ اسے اسی طرح رہتے دیتے تو  
برابر سلسلہ جاری رہتا (الفاظ عملاً وہی ہیں لیکن پہلے

فزا دوا فیہا من غیر قول  
الخطیۃ۔

نادی وقد تمت صلاتہم  
ازید کم مثلاً وما یدری  
لیزید ہم خمساً ولو فعلوا  
مترت صلاتہم علی العشر

شهد الخطیۃ یوم یلقی ربہ  
ان الولید احق بالعدہ  
نادی وقد تمت صلاتہم  
ازید کم سکر وما یدری  
فا بوا ابوا وہب ولو اذ لنا  
لقرنت بین الشفع والوتر  
کفوا عنادک اذ جریث ولو  
ترکوا عنادک لم تزل تجری



شعروں کی وجہ سے معنی طنزیہ ہو گئے )

بر خلاف اس کے طبری نے بھی یہ دو اشعار اسی طرح نقل کئے ہیں جس طرح ذہیری نے

(طبری ج ۳ ص ۳۳) اور ساتھ میں یہ دو شعر بھی جو مدحیہ ہیں۔

لوگوں نے اس ذی مرتبت صاحب فضیلت شخص کی ایک غوی  
دیکھی جو مالدار اور مفلس رب پر بخشش کرتا ہے۔

تمہیں اس حالت میں معزول کیا گیا کہ تم پر جھوٹ بولا گیا  
تھا مگر نہ یہ تمہاری شرمندی کا سبب بنا اور نہ تمہارے فقر کا  
(یعنی اس اتہام کے باوجود تمہاری عظمت و شرف کا وہی  
عالم ہے۔

وإشتمل ماجد مبادع

يعطى على الميسوس والعسر

فنزعت مكد وباعدك ولم

تردد الى عور ولا فقر

معلوم ہوا کہ افتراء پر دازوں نے حطیہ کی طرف وہ اشعار منسوب کر دئے جو ان کے

نہیں ہیں اور یہ کہ ہم عصر لوگ اور بعد کے اہل علم حضرات حضرت ولیدؓ کو شرب خمر کی معصیت  
سے بری سمجھتے تھے چہ جائیکہ نمازیں اور پڑھاؤں کہنے کی بات۔ پھر کوئی انہیں بری سمجھے  
یا نہ سمجھے ہمارے لئے یہ کافی ہے کہ حضرت امیر المومنین عثمانؓ اور حضرت حسنؓ نے یہ سب  
قصہ گھڑا ہوا سمجھا۔ اس کے بعد مزید دلیل کی ضرورت ہی کیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبد البر کو امیر ولید بن عقبہؓ سے کچھ خاص

ایک دوسرا اقتراء

عداوت تھی۔ پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی

ام حکیم بنت عبد المطلب کے ان اموی نواسے کو جو حضرت عثمانؓ کے مادر سی بھائی بھی تھے  
قد قیل کہہ کر جناب امیہ بن عبد شمس کی نسل سے نہیں بلکہ ان کے غلام کی نسل سے  
بتلنے کی مذموم حرکت کی ہے حالانکہ ان کا نسب شریف مستند کتب انساب میں  
اظہر من الشمس ہے پھر اپنی تالیف الاستیعاب میں کہتے ہیں :-

جو اہل علم تفسیر قرآن کے ماہر ہیں ان کے ماہرین اس

بارے میں کچھ اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جو یہ

ارشاد ہے ان جاکم فاسق بنیاء الخ (جب کوئی

ولا خلاف بین اهل العلم

بتاویل القرآن فیما علمت ان

قوله عز وجل ان جاءکم فاسق

.....نزلت فی الوالیدین

عقبہ وذلک انہ بعثہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی

بنی المصطلق (الح)

فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لائے.....)

یہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نادرل ہوئی ہے۔ وجہ یہ

ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بنی المصطلق

کی طرف بھیجا تھا۔ (الح)

ابن عبدالبر نے اس افسانے کو علماء کے مابین حقیق علیہ تو بتا دیا۔ مگر انھوں نے چند

باتوں پر غور نہ کیا جو علامہ خطیب نے العواصم میں بیان کی ہیں (ص ۹۱)

(۱) یہ روایت موقوف ہے مجاہد پر یا قتادہ پر یا ابن ابی لیلیٰ پر یا یزید بن رومان

پر۔ اور ان سے سو برس نیچے کے عرصے میں ان روایتوں کے جتنے راوی ہیں وہ علماء جرح

و تعدیل کے نزدیک مجہول ہیں۔ ان کے احوال تو کیا معلوم ہوتے ان کے نام بھی معلوم

نہیں۔ ایسی منقطع روایتوں کو حجت بنانا جائز کب ہے؟

(۲) دو روایتیں البتہ موصول کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے مطابق ام المؤمنین

ام سلمہؓ کے ایک غلام ثابت سے موسیٰ بن عبیدہ کا روایت کرنا بیان ہوا ہے۔ یہ موسیٰ بن

عبیدہ وہ صاحب ہیں جنھیں امام نسائی، ابن المذینی، ابن عدی اور دوسرے بزرگواروں

نے ضعیف کیا ہے۔ پھر علامہ خطیبؒ فرماتے ہیں "مجھے تہذیب التہذیب تقریب

التہذیب اور خلاصہ تہذیب الکمال میں ام المؤمنینؓ کے کسی غلام کا نام ثابت نہیں

ملا حتیٰ کہ میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں بھی نہیں۔ پھر میں نے مسند امام احمدؒ میں

ام المؤمنین ام سلمہؓ کے مجموعہ احادیث میں ان کے ایک غلام ثابت نام کی تلاش کی۔ لیکن

ایسی کوئی حدیث نہیں ملی جو ان کے کسی غلام ثابت کے نام سے مروی ہو۔

(۳) ایک دوسری موصول روایت طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے ابن سعد

کے حوالے سے جو اپنے والد کا حوالہ دیتے ہیں اور وہ اپنے چچا کا اور وہ اپنے والد کا اور

انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ حالانکہ ابن سعد سے طبری کی

ملاقات کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس لئے کہ ابن سعد کی وفات بغداد میں ۳۳ھ میں ہوئی اور

اس وقت طبری طبرستان میں چھ برس کے بچے تھے۔ علاوہ ازیں ابن سعد اگرچہ



ذاتی طور پر ثقہ ہیں لیکن ان کے اوپر کا جو سلسلہ بیان کیا گیا ہے وہ بھی جھول لوگوں پر مشتمل ہے جن کے احوال علماء جرح و تعدیل کے ہاں نامعلوم ہیں بلکہ یہ نام بھی نہیں ملتے۔ لہذا طبری کی یہ روایت بے اصل اور بے پایہ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۳۴) پھر ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ جو روایتیں موصلاً بیان ہوئی ہیں ان میں سیدہ ام سلمہؓ کے مردی الفاظ میں نام کسی کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ ”ایک شخص کو بھیجا“ اب سوچنا چاہیے کہ ”ایک شخص“ کو ابن عبدالبر نے حضرت ولیدؓ بنا کر علماء پر کیسا اتہام رکھا ہے؟

(۵) مسند احمد میں امام احمد نے اپنے شیخ فیاض بن احمد رقی سے انھوں نے جعفر بن برقان رقی (صدوق) سے انھوں نے ثابت بن الحجاج الکلابی الرقی (ثقة) سے انھوں نے عبداللہ بن مالک بن الحارث (مقبول) سے اور انھوں نے امیر ولید بن عقبہ سے روایت کی کہ فتح مکہ کے وقت وہ بھی دوسرے لڑکوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے سب کے سر پر ہاتھ پھیرا سوائے ان کے اس لئے ان کے سر میں خوشبو لگی ہوئی تھی اور آپ نے سب کے لئے دعائیں کیں۔

(مسند احمد ج ۴، ص ۳۲ طبع اول)

اب دیکھنا چاہیے کہ جو شخص فتح مکہ کے وقت لڑکا ہو کیا وہ کسی مہم پر بھیجا جاتا؟ راویوں کی حیثیت ہم نے تقریباً التہذیب سے دی ہے۔

ایک بات اور دیکھنے کی ہے کہ اگر یہ روایتیں جن کا ابن عبدالبر نے سہارا لیا ہے بالفرض صحیح مان لی جائیں اور ہم باور کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ولیدؓ کو فاسق کہا ہے تو کیا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ انھیں اہم ترین خدمات پر مامور کرتے؟

یہ صحابی بن صحابی ہیں۔ جب پیدا ہوئے۔ آنحضرت ﷺ حضرت عبداللہ بن عامر اموی | صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے

آپ نے گو دہیں لیا برکت کی دعائیں کیں۔ لعاب دہن مبارک ان کے منہ کو لگایا جسے انھوں نے چوستا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہو عبد الشمس! یہ بچہ تم

سے زیادہ ہم پر پڑا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ لوگوں کی پیاس بجھانے والا ہو گا۔ کتاب نسب قریش، یہ اس لئے فرمایا کہ ان کی وادی یعنی ان کے والد حضرت عامر کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی سیدہ بیضاء ام حکیم بنت عبد المطلب تھیں جو بروایت کتاب نسب قریش آپ کے والد جناب عبد اللہ کے تو ام پیدا ہوئی تھیں (ص ۱۷) آپ کی دعا کی برکت تھی کہ حضرت عبد اللہ جہاں کہیں پانی کے لئے زمین کھودتے پانی یقیناً نکلتا۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عرفات کے میدان میں حاجیوں کے لئے حوض بنوائے اور ان میں چشموں کا پانی بھرا۔ اور اہل مدینہ کو اسوال کثیرہ جزیلہ تقسیم کئے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں ”ان له من المحسنات والمحبة فی قلوب الناس ما لا ینکر (ان کی نیکیاں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت کی جو کیفیت تھی اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا) منہاج السنہ ۱ ج ۳، ص ۱۸۹-۱۹۰، ان کی فتوحات کا عالم یہ تھا کہ تمام خراسان فارس کے علاقے، سبستان کرمان وغیرہ سب فتح کئے اور غزنہ تک پہنچ گئے۔ ان ہی کے عہد حکومت میں ایرانیوں کا آخری بادشاہ مارا گیا تھا۔ وقتل یزد جرد فی ولایتہ واحرم من نیسا پور شکر اللہ (اور ان ہی کے ہاتھوں یزد جرد بادشاہ ایران مارا گیا اس دشمن اسلام و رسول کے مارے جانے پر لشکر باری تعالیٰ کے غرض سے فیثا پور سے حج کا احرام باندھا تھا)

کفار سے جہادوں اور عظیم الشان فتوحات کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن عامر کا ایک اور بھی بہت بڑا تعمیری کارنامہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کے مابین صلح کے شرائط آپ ہی نے طے کرا کے امت کو ایک جھنڈے کے نیچے لانے میں مدد دی تھی۔

مودودی صاحب کے نزدیک یہ حضرات محض فاتح اور مذہب برتتے لیکن تعلیم دین اور تربیت امت کے اعتبار سے یہ اگلی صفوں کے نہیں بلکہ پچھلی صفوں کے لائق تھے اور تابعین سے بھی ان کا درجہ گرا ہوا تھا (جون ص ۲۵۲) مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہم عصر امت نے انہیں اگلی صفوں میں ہی رکھا اور ان کی قیادت میں دین اسلام کی جریں تمام بلادِ عجم میں مضبوط کر دیں۔ مودودی صاحب کیا اس کی کوئی توجیہ کر سکتے ہیں کہ بلادِ عجم میں ہزاروں



علماء و فقہاء و عباد و زیاد اور محدث جو پیدا ہوئے وہ خود بخود وجود میں آگئے کیونکہ ان کے لئے اسلام کے ان عظیم المرتبت قائدوں نے کوئی ماحول پیدا نہیں کیا تھا۔ اگر صحابہ اور ان کی صحبت یافتہ صحابی اولا بھی اگلی صفوں کی بجائے پچھلی صفوں کے لائق ہوتی تو کیا تین چوتھائی تمدن دنیا کو اسلام کے زیر نگیں کر کے اسے نور محمدی سے اس طرح بھر سکتی تھی جس طرح بھر دیا۔ العواصم من القواہم میں حضرت ابن مائر کے تذکرے میں علامہ محب الدین خطیب نے حاشیہ پر بیچ لکھا ہے کہ

ومثل هؤلاء الرجال لو كانوا من سلف الانكليز والفرنسيين لخلدوا عظمتهم في كتب الدراسة والثقافة والتہذيب (حاشیہ ص ۸۵)

اگر ان حضرات (ابن عامر وغیرہ) کی طرح کے لوگ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے اسلاف میں ہوتے وہ ان کی عظمت کے احوال اپنی درس تدریس اور ثقافت و تہذیب کی کتابوں میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کرا لیتے۔

سبائی راویوں کو حضرت عبداللہ بن عامر کا قصاص عثمان کی طلب میں ام المومنین سیدہ عائشہ کے ساتھ ہونا کیسے برداشت ہو سکتا تھا اس پر مستزاد یہ کہ مجوسی شہنشاہیت کا جنازہ آپ ہی نے مکا لا تھا وہ ان کے بد فطامت تو ہوئے مگر افسوس اموی دشمنی میں نبھائیوں کے اکاذیب کو لوگوں نے باور کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بقول علامہ محب الدین خطیب عظمت اسلاف کے سلسلہ میں ہماری قوم کا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ :-

فقد سطر الشيطان عليها قلوبا فاسدة تفيض بالسوء وصدد  
الكاذ يهما الاكثرون منا فامسينا  
كالامة التي لا يجد لها بينما هي  
ناشئة على تراث من المجد لا تحلم  
الانسانيت بمثلها

شیطان نے اس پر قلوب فاسدہ کو سطر کر دیا ہے جو ہر وقت برائی کی اشاعت کرتی رہتی ہیں اور ہم میں سے اکثروں نے اس کے جھوٹ و مہم کو بیچ بچو رکھا ہے پس گویا ہم ایسی امت ہیں جو بزرگی سے محروم ہو۔ جب بزرگی تقسیم ہو رہی تھی تو یہ امت محو خواب تھی اور ایسی نیند سو رہی تھی کہ

الانسانيت اس قسم کی نیند کبھی نہ سوئی۔ (العواصم من القواہم حاشیہ ص ۸۵)

## حضرت عبداللہ بن سعدؓ

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامریؓ بھی منجملہ ان بزرگواروں کے ہیں جن کے متعلق قصے مشہور کر دئے

گئے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ جس طرح بعض پر جویش قرشی جو ان اسلام کے مخالف تھے ایسے ہی احوال ان کے بھی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت ابوسفیان بن الحارث ہاشمیؓ عہد جاہلیت میں اسلام کے سخت مخالف تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں طنزیہ اشعار کہا کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے یہی کیفیت حضرت عبداللہ کی بھی تھی۔ قریش کے لوگ بعد میں اسلام کے جس طرح فدا کی بنے ایسے ہی انھوں نے بھی دین کی وہ خدمات انجام دی ہیں کہ بشارات نبویہ کے مورد بنے اور ان کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

پہلے بحری جہاد کا جو منظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا تھا اور آپ نے اس پر فخر و انبساط کا اظہار کر کے ان سب حضرات کے مقبول بارگاہ خداوندی اور قطعی صحتی ہونے کی بشارت دی تھی (صحیح بخاری ج ۴، ص ۵۵ و طبع مصر) وہ جہاد امیر المومنین عثمانؓ کے زمانے میں حضرت معاویہؓ کے زیر اہتمام کیا گیا تھا۔ امیر مصر حضرت عبداللہ بن سعد نے اس ہم میں پوری امداد دی اور خود ایک فوجی دستے کے ساتھ اس میں شریک ہوئے۔ مودودی صاحب نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی برطرفی اور حضرت عبداللہ بن سعدؓ کا ان کی جگہ تقرر اس طرح بیان کیا ہے کہ جیسے یہ بے وجہ ہو گیا ہو اور ایک بے حیثیت شخص اس منصب پر فائز کر دیا گیا ہو۔ مقصد تحقیق ہوتا تو اوّل صحیح صورت حال سمجھنے کی کوشش کر کے بات کرتے۔

ہوایہ کہ امیر المومنین عمر فاروقؓ کے زمانے میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب مصر فتح کر لیا تو آپ ہی وہاں کے گورنر مقرر ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن سعدؓ کے تحت ایک افسر تھے۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ کو بالائی مصر کا سالار اعلیٰ مقرر کر دیا۔ انھوں نے موجودہ سوڈان کا پورا علاقہ فتح کر کے دارالاسلام میں شامل کر دیا۔ حضرت عمروؓ اور حضرت عبداللہؓ کے مابین اسی زمانے میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا



تھا۔ اور ایسا اختلاف انتظامی اور عسکری امراء میں اکثر ہو جایا کرتا ہے ترقی یافتہ ممالک کی تاریخوں میں ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

جب امیر المومنین عثمانؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے حضرت عبداللہؓ کو مصر کے بیت المال کا افسر اعلیٰ بنا دیا حضرت عمرؓ اس تقرر سے ناراض ہوئے اور بار بار کا خلافت میں شکایت کرنے پہنچ گئے۔ یہ خلافت قاعدہ بات امیر المومنین کو ناپسند ہوئی کہ بغیر اجازت مصر چھوڑ دیا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ معزول کر دئے گئے اور مصر کی ولایت حضرت عبداللہؓ کے سپرد کر دی گئی جن کے انتظامی عسکری اور اقتصادی کمالات کا سکہ بیٹھ چکا تھا، اور جو اپنی اہلیت و صلاحیت پوری طرح ثابت کر چکے تھے۔

حضرت عبداللہؓ کو اچانک اس منصب جلیل پر فائز نہیں کیا گیا بلکہ وہ عہد فاضل ہی سے خلافت اسلامیہ کے معتد ترین کارکنوں میں تھے۔ انھوں نے والی مصر ہونے کے بعد وہ کارہائے نمایاں انجام دئے کہ باید و شاید باز نطفی حکومت کو خشکی اور تری میں پے بہ پے شکستیں دیں اور بڑے وسیع علاقے فتح کئے۔ پھر ان کے زمانے میں مصر کا مالیہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا۔

لیکن انہی کے زمانے میں سبائیوں نے اپنا ایک مرکز فسطاط میں قائم کر لیا تھا۔ یہ لوگ خلافت اسلامیہ کو درہم برہم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے ان پر اپنی نگرانی سخت کر دی تھی۔ اور ان کی گوشمالی کرتے رہتے تھے اس لئے ان لوگوں کو ان سے بھی ایسی ہی عداوت ہے جیسے کوفہ و بصرہ کے والیوں سے تھی ان کے خلاف بھی برابر پروپیگنڈا ہوتا چلا آ رہا ہے۔

اس پروپیگنڈے کی ایک بڑی دلچپ مثال ہے۔ سیرۃ ابن ہشام میں فتح مکہ کے احوال کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آدمیوں کے متعلق حکم دیدیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دئے جائیں۔

کہا گیا ہے کہ انہی میں ایک شخص عبداللہ بن سعد قاضی تھا۔ اس کے قتل کرنے کا حکم حضور نے اس سبب سے دیا تھا کہ یہ پہلے مسلمان ہوا تھا۔

اور وحی کو حضور کے پاس لکھا کرتا تھا پھر یہ مرتد ہو کر قریش سے آملا اور اب اس جنگ میں حضرت عثمانؓ کے پاس جا چھپا کیونکہ ان کا دودھ شریک بھائی تھا۔ یہاں تک کہ جب مکہ میں اطمینان ہو گیا تو حضرت عثمانؓ اس کو لے کر حضور کی خدمت میں امن دلوانے کے واسطے آئے۔ حضور بہت دیر تک خاموش رہے۔ جب عثمانؓ نے اصرار کیا تو حضور نے فرمایا: ہاں! اور جب عثمان اس کو لے کر چلے گئے تو حضور نے صحابہ سے فرمایا میں اتنی دیر تک خاموش رہا تم میں سے کسی نے کھڑے ہو کر اسے قتل نہ کر دیا۔ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا حضور آنکھ سے مجھ کو اشارہ فرما دیتے۔ فرمایا: بنی ایسی رکب حرکت نہیں کیا کرتے۔ بعد میں عبداللہ بن سعد دوبارہ مسلمان ہو گیا تھا اور حضرت عمرؓ نے اس کو کسی جگہ کا حاکم بھی بنا دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ نے بھی اس کو حاکم بنا دیا تھا۔

یہ بیان ہم نے سیرۃ ابن ہشام کے اس ترجمے سے دیا ہے جو شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی نے کیا ہے (ص ۴۹، ۴۹۸) اس میں قابل غور یہ ہے کہ سوائے حضرت عبداللہؓ کے اور کسی کا نام نہیں دیا گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سیرۃ دراصل ایرانی تژاد محمد بن اسحق کی ہے۔ اسی کی تلخیص ابن ہشامؓ نے کی لیکن افسوس کہ پھر بھی بعض فضول روایتیں باقی رہ گئیں مجملہ از آہنایہ روایت بھی ہے۔

سنن نسائی میں بھی یہ واقعہ بیان ہوا ہے (کتاب الحارثہ ج ۲ ص ۱۶۹ طبع مجتہدی دہلی)

ہیں قاسم بن ذکریا بن دینار نے ہمدانی وہ کہتے ہیں مجھ سے احمد بن مفضل نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے اسباط نے کہا وہ کہتے ہیں سدی کو معصب بن سعد کے حوالے سے بیان کرنے کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا (یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص سے) کہ فتح مکہ کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ

اخبرنا القاسم بن ذکریا بن دینار قال حدثني احمد بن مفضل قال حدثنا اسباط قال نرعم السدي عن مصعب بن سعد عن ابيه قال لما كان يوم فتح مكة آمن رسول الله صلى الله عليه وسلم



الناس الا اربعة نفر وامراتين  
وقال اقتلوهم وان وجدتموهم  
متعلقين باستار الكعبة عكرمة  
بن ابی جہل وعبد اللہ بن خطل  
ومقیس بن صبابہ وعبد اللہ  
بن سعد بن ابی السرح فاما  
عبد اللہ بن خطل فادركه و  
هو متعلق باستار الكعبة فاستبق  
اليہ سعيد بن حريث وعبار  
بن ياسر فسبق سعيد عمارا  
وكان اشك الرجلين فقتله واما  
مقیس بن صبابہ فادركه الناس  
في السوق فقتلوه واما عكرمة  
فركب البحر فاصابهم فقال اصحاب  
السفينة اخلصوا فان الهتكم  
لا تغني عنكم شيئا ههنا فقال  
عكرمة والله لن لم ينجني من البحر  
الا الا خلاص لا ينجني في البر  
غيره اللهم انك على عهد ا  
ان انت عافيتني فما انا فيه ان آتي  
محمد صلى الله عليه وسلم حتى  
اضلع يدي في يده فاحدثه  
عفوا كريما فجماع فاسلم واما

وسلم نے سب لوگوں کو امن دیدیا سوائے چار مردوں اور دو  
عورتوں کے اور فرمایا یہ چار میں انہیں قتل کر دو اگر چہ کعبہ کے  
پردوں کی پٹا میں میں عکرمہ بن ابی جہل عبد اللہ بن خطل مقیس بن  
صاباہ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح۔ عبد اللہ بن خطل کو کعبہ کا  
پردہ پکڑے ہوئے پایا گیا۔ اسے قتل کر کے کیلئے سعید بن حریث اور عمار  
بن یاسر دوڑے اور عمار پہلے پہلے کے کیونکہ دونوں میں ہی زیادہ  
ہواں تھے اور اسے قتل کر دیا۔ مقیس بن صبابہ کا یہ ہوا  
کہ لوگوں نے اسے بانار میں دیکھا اور قتل کر دیا۔ رہے  
عکرمہ تو وہ سمندر کی راہ بھاگ گئے وہاں طوفان آیا  
تو کشتی والوں نے کہا خالص اللہ سے لو لگاؤ کیونکہ  
تمہارے دوسرے معبود آج کچھ کام نہ آئیں گے۔ عکرمہ  
نے اس پر کہا اگر سمندر میں اخلاص کے بغیر نجات نہیں  
مل سکتی تو خشکی پر بھی اس کے علاوہ اور کوئی چیز  
نجات دینے والی نہیں۔ خدایا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں  
کہ اگر موجودہ مصیبت سے تو مجھے نجات دیدے تو  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میں اپنا ہاتھ  
ان کے ہاتھ میں دیدوں گا اور یقیناً انہیں معاف کر دیا  
اور احسان کرنے والا پاؤں گا۔ چنانچہ آئے اور مسلمان  
ہو گئے رہے عبد اللہ بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمان کے  
پاس بچھپ گئے اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلوایا تو حضرت عثمان نے  
انہیں لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا کر دیا  
اور عرض کیا یا رسول اللہ عبد اللہ کی بیعت نہیں

عبد اللہ بن ابی سرح فاتہ اختی  
عند عثمان بن عفان فلما دعا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
الناس الی البیعة جاء به حتی  
اوقفہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
قال یا رسول اللہ یا یم عبد اللہ  
قال فرم رأسہ فتظر الیہ  
ثلاثا کل ذلک یا بی فیایعہ بعد  
ثلاث ثم اقبل علی اصحابہ فقال  
اما کان فیکم رجل رشید یقوم  
الی هذا حیث را فی کففت یدی  
عن بیعة فیقتله فقالوا وما  
یدرینا یا رسول اللہ ما فی نفسک  
هلا و مات النیابینک قال انه  
لا ینبغی لنبی ان یکون له خائنة  
اعین۔

آپ نے اپنا سر اٹھا کر ان کی طرف تین دفعہ دیکھا گویا  
انکا ر کرتے رہے اور تیسری دفعہ کے بعد ان سے بیعت  
لی۔ پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم میں  
سے کوئی بھلا آدمی ایسا نہ تھا کہ جب مجھے اس کی بیعت  
لینے سے ہاتھ روکتے ہوئے دیکھا تھا تو اٹھ کر اُسے  
قتل کر دیتا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں کیا  
خبر تھی کہ آپ کے جی میں کیا ہے آپ نے آنکھ سے اشارہ  
کیوں نہ کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا نبی کے لئے جائز نہیں  
کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

یہ ہے وہ شہرت یافتہ عام روایت جس پر تکیہ کر کے ایرانی نژاد محمد بن اسحاق نے  
چاروں آدمیوں سے صرف حضرت عبد اللہؓ کا نام لینا ضروری سمجھا اور اپنی طرف سے  
یہ اضافہ کر دیا کہ وہ اول اسلام لائے اور کتابت وحی پر فائز ہوئے پھر مرتد ہو کر قریش سے  
آئے۔ اور لوگوں نے پھر اس بات کی خوب شہرت دی۔

یہ عبد اللہ بن سعد نسباً اموی نہ تھے قریش کے قبیلہ بنو عامر بن لوی سے تھے  
سلسلہ نسب ہے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح بن الحارث بن حبیب بن جدریمہ بن مالک  
بن حسل بن عامر بن لوی۔ حضرت عثمان ذی النورینؓ کے دودھ شریک بھائی البتہ تھے۔



مصعب زبیری مؤلف نسب قریش متوفی ۳۳۶ھ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے بارے میں لکھتے ہیں :-

كان اخا عثمان بن عفان من الرضاة واستامن له عثمان يوم فتح مكة من رسول الله صلى الله عليه وسلم فامته (ص ۳۳۳)

وہ عثمان بن عفان کے دودھ شریک بھائی تھے فتح مکہ کے دن (حضرت عثمانؓ نے ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان کی درخواست کی آپ نے ان کو امان دے دی۔

ان حضرت عبداللہ بن سعد کے بھائی اولیں الاکبر کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن اولیں الاکبر تھے جو دمشق سے امیر المومنین معاویہؓ کے انتقال کی خبر امیر مدینہ ولید بن عقبہ کے پاس لائے تھے اور انھوں نے ہی ابن زبیر اور حسین بن علیؓ سے نئے خلیفہ کی بیعت لینے کے لئے امیر مدینہ کو کہا تھا۔ (ایضاً)

یہی خود یہ روایت تو نہ اس کی اندرونی شہادت اسے قابل قبول ثابت کرتی ہے اور نہ بیرونی۔

(۱) مجرم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو تو حسب فرمان خداوندی اور شکار صحابہ اس کا امکان نہ تھا کہ صریح اجازت سے بغیر کوئی شخص کھڑے ہو کر کسی کو قتل کر سکتا۔ لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کبھی نہیں فرما سکتے تھے کہ بیعت لینے سے مجھے ہاتھ روکتے دیکھا تو آٹھ کر قتل کیوں نہ کر دیا۔ صریح حکم سے لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ اللہ اور اس کے رسول کے ہوتے ہوئے پیش قدمی مت کرو۔

(۲) عبداللہ بن خطل کے قتل کا واقعہ صحیح بخاری میں موجود ہے (کتاب المغازی ج ۳ ص ۶۲ طبع مصر)

عن انس بن مالك رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم دخل مكة يوم الفتح وعلي راسه المغفر فلما نزع المغاء رجل فقال ابن

انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ میں جب داخل ہوئے تو سر پر خود پہنے ہوئے تھے۔ اسے جب اتارا تو ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا ابن خطل کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے ہے

خطی متعلق با ستار الکعبہ  
فقال اقتله۔

آپ نے فرمایا اسے قتل کر دو (بخاری کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب حضرت سعید بن حریش ہی تھے)

گویا جن لوگوں کے قتل کا حکم آپ دے چکے تھے انہیں بھی صحابہ نے وہی قتل نہیں کر دیا بلکہ دوبارہ حکم لیا پھر قتل کیا۔ اس صورت میں حضرت عبداللہ کا معاملہ خود بخود قابل غور ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں آدمی نے کیسا ہی گناہ کیا ہو جب وہ تائب ہو کر پیش ہو تو اس کی توبہ بہر حال قبول ہوگی اگرچہ وہ مرتد ہو چکا ہو اور اگرچہ وہ اسلام کا سخت ترین دشمن ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر تائب کی توبہ قبول کی ہے اور کبھی بیعت سے ہاتھ نہیں روکا۔ دوسرے یہ کہ اگر آپ کے نزدیک ان کا قتل ضروری تھا تو صاف کہہ دینے میں کیا چیز مانع تھی۔ صحابہ تو اپنے باپ بیٹے کو بھی قتل کر دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے ایسے بیسیوں واقعات صحاح میں ہیں۔ لہذا اس حدیث کا یہ ٹکڑا جو حضرت عبداللہ کے متعلق ہے کسی طرح قابل قبول نہیں۔ یہ اضافہ راوی کا معلوم ہوتا ہے یہی حال حضرت عکرہ کا ہے۔ وہ خود چلے گئے ہوں گے جیسا کہ ایک تحریک کا سخت مخالف ڈر کر بھاگ جایا کرتا ہے۔ یہ روایت خود بتا رہی ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی پر کیسا اعتماد تھا۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ابن خطل بھی کہے میں پناہ لینے کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لیتا تو اسے امان مل جاتی۔

ان داخلی اسقام کے علاوہ بیرونی حیثیت سے بھی اس حدیث کی کوئی  
بیرونی شہادت

قیمت نہیں کیونکہ اس حدیث کی سند میں تین کوئی ہیں یعنی قاسم بن زکریا، احمد بن مفضل اور سدی۔ ان میں قاسم تو ثقہ ہیں لیکن احمد بن مفضل شیعی ہیں اور سدی بھی (تقریب التہذیب) علاوہ ازیں احمد بن مفضل نے سدی کا بیان حتیٰ ظاہر نہیں کیا بلکہ مشتبہ بتایا پھر سدی کی یہ تعریف بھی ہے کہ ”یہم“ انہیں وہم ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث روایتاً بھی قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ ان میں ایسے آدمی ہیں جنہیں حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق طعن آمیز بات کہنے میں اپنے عقائد کی رو سے



ثواب کی امید تھی۔

صحیح بخاری میں فتح مکہ کی تفصیلات میں حضرت عبداللہؓ کے متعلق کوئی روایت نہیں۔  
 نیز یہ کہ کتابت وحی پر فائز ہو کر مرتد ہو جانے کا صرف ایک واقعہ تاریخ میں گزرا ہے  
 ملاحظہ ہو۔ یہ ایک نصرانی شخص تھا جن میں سے بعض لوگ حسب بیان قرآنی مسلمان ہوئے  
 ہی اس غرض سے تھے کہ پھر مرتد ہو کر لوگوں کو بتائیں کہ دین حق ہوتا تو ہم اس پر قائم رہتے۔  
 (صحیح بخاری ج ۲، ص ۲۸۲-۲۸۳، ابواب علامۃ النبوة)

”یہ ایک نصرانی شخص تھا جو اسلام لایا سورہ بقرہ اور آل عمران بھی

پڑھ لیں پھر نصرانی ہو گیا اور کہا کرتا تھا کہ محمدؐ بس اتنا ہی جانتے ہیں جو میں  
 لکھ دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مار دیا جب دفن کیا گیا تو زمین نے  
 باہر پھینک دیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کی حرکت ہے  
 کہ لوگوں کے جانے کے بعد انھوں نے قبر کھود کر ہمارے آدمیوں کو باہر ڈال دیا۔  
 دوبارہ اور گہری قبر کھود کر دفن کیا۔ زمین نے اسے پھر باہر پھینک دیا۔ تب  
 لوگوں نے جانا کہ یہ آدمی کا کام نہیں اور پھر اسے یونہی ڈال دیا۔“

اب شیعہ راویوں کو یہ دو واقعے نظر آئے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض  
 لوگوں کو فتح مکہ کے دن قتل کرنا اور ایک کاتب وحی کا مرتد ہو جانا۔ لہذا یہ دونوں باتیں  
 حضرت عبداللہ بن سعد کے متعلق مشہور کر دیں جو مصر کے والی تھے اور سبائیوں پر سختہ  
 چونکہ وہ قتل نہیں کئے گئے اس لئے وہ روایت وضع کر لی جو نسائی کی روایت کا آخری  
 ٹکڑا ہے۔ لیکن یہ بھول گئے کہ جس شخص کی توبہ قبول کر لی جاتی ہے اس کے پچھلے گناہ سب  
 دھل جاتے ہیں اور یہ بھی بھول گئے کہ اگر حضرت فاروق اعظمؓ ان کی پچھلی زندگی کو  
 موجب عیب سمجھتے تو انھیں کبھی ایسی ذمہ داری کا کام سپرد نہ کرتے جس کا ذکر اوپر گزرا۔  
 حضرت ولیدؓ کی معزولی کے بعد کوفے کی گورنری  
 حضرت سعید بن العاصؓ امویؓ | حضرت سعید بن العاصؓ امویؓ کے سپرد کی گئی۔

امیر المومنین چاہتے تھے کہ جو طرز عمل حضرت ولیدؓ کا تھا وہی بعد میں جاری رہے۔

حضرت سعید بن العاص امویؓ بھی صفار صحابہ میں ہیں۔ وفات نبوی کے وقت ان کی عمر نو برس کی تھی۔ انہی کا لطیفہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا تھا کہ بدر کے دن میں نے تمہارے والد عاصؓ کو نہیں قتل کیا بلکہ اپنے ماموں عاصؓ کو قتل کیا تھا۔ تو آپ نے عرض کیا "امیر المومنین اگر آپ ہی میرے باپ عاصؓ کو قتل کرتے تب کیا بات تھی۔ وہ باطل پر تھا اور آپ حق پر تھے۔"

(الاصابہ بذیل ذکر سعید) حضرت سعیدؓ اس شان کے مومن تھے۔ آپ کی تربیت اکابر صحابہ نے کی تھی۔ قرآن مجید کے بڑے عالم تھے ادب عربی پر عبور تھا اور زبان کی صحت کے بارے میں حجت سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ جب امیر المومنین عثمانؓ نے قرآن مجید کو ایک حرف پر مجتمع کیا اور باقی متادل قراتوں کی مانعت کر دی تو جن بزرگواروں کے سپرد قرآن پاک کے و حدانی نسخے کی کتابت تھی ان میں حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ حضرت عبدالرحمن بن عمارؓ بن ہشامؓ کے ساتھ حضرت سعیدؓ کو بھی مصحف شریف کی نقل پر مامور کیا تھا۔ اور ان بزرگواروں نے مصحف صدیقی کی نقلیں کر کے مختلف علاقوں کو روانہ کی تھیں جن میں کا ایک نسخہ تاشقند میں اب بھی موجود ہے۔

اس بہترین علمی اور دینی خدمت کے علاوہ آپ جہادوں میں بڑا نام پیدا کر چکے تھے۔ چنانچہ طبرستان کے جہاد میں کمان آپ ہی کے سپرد تھی۔ اور چونکہ اس جہاد میں شرکت کرنے والوں کو جنت کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اس لئے اس اموی بطل عظیم کی قیادت میں اہل صحابہ نے اس میں شرکت کی اور ہاشمی حضرات میں سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ وغیرہم سب ساتھ گئے تھے اور یہ معرکہ حضرت سعیدؓ نے سر کیا تھا۔ (طبری ج ۵ ص ۵۰)

ان علمی اور سیاسی خدمات کے سبب انھیں کوفہ کی ولایت سپرد کر دی گئی اور انھوں نے وہاں حضرت ولیدؓ کی پوری پوری جانشینی کی لیکن سیاسی تحریک یہاں جڑ پکڑ چکی تھی اس لئے بعض حوادث رونما ہوئے۔ موردی صاحب نے نہایت غلط طریقے سے اس واقعے کی طرف یوں اشارہ کیا ہے (جون ص ۲۵۴)



”ایک مرتبہ بصرے میں ان کے گورنر سعید بن العاص کے طرز عمل سے ناراض ہو کر کچھ لوگوں نے بغاوت برپا کرنے کی کوشش کی بھی تو عوام نے ان کا ساتھ نہ دیا اور جب حضرت عثمانؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری نے لوگوں کی بیعت کی تجدید کے لئے پکارا تو لوگ بغاوت کے علم برداروں کو چھوڑ کر بیعت کے لئے لوٹ پڑے۔“

اول تو یہ واقعہ بصرے کا نہیں بلکہ کوفے کا ہے۔ (طبری، ۵، ۶۳)۔ ہوا یہ ہے کہ حضرت ولیدؓ کے خلاف جن لوگوں نے محاذ قائم کیا تھا ان کے سربراہوں میں اشتر نخعی اور اس کے ساتھی بھی تھے اور یہ گروہ جماعت سے وابستہ باوقار شہریوں کا نہ تھا۔ بلکہ سپاہیوں کا تھا۔ مودودی صاحب اسے پی گئے۔ اشتر نے پچھلی جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے تھے اس لئے اس کے دل میں ریاست اور امارت کی خواہش پیدا ہو گئی تھی۔ مزاج میں تختہ اوڑھندی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے اس کے قلبی احوال کے تحت قابل اعتنا نہیں سمجھا اور کوئی عہدہ نہیں دیا۔ اس کی تلخی اسے بہت تھی۔ حضرت ولیدؓ کی معزولی میں جب ان لوگوں کو کامیابی ہوئی تو پھر اس نے توقعات قائم کیں کہ اپنے گروہ کی اس کامیابی سے عوام پر اپنی اہمیت جتا کر ان کا لیڈر بن جائے۔ لیکن حضرت سعیدؓ کے تشریف لانے سے اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ مگر رہا موقع کی تاک میں۔

اتفاق سے ایک دن حضرت طلحہؓ کی سخاوت کا کچھ ذکر مل پڑا۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا اگر ناشتہ جیسی جاگیر میرے پاس ہوتی تو میں بھی تم لوگوں کی خدمت کرتا۔ اس پر عبدالرحمن بن خنیس اسدی نے کہا ”کاش آپ ملطاطا کی زمین حاصل کر لیں۔ اشتر اور اس کے ساتھی اس پر براؤختہ ہو گئے اور عبدالرحمن سے کہا ”تم ہماری زمینوں کی آس لگاتے ہو۔“ عبدالرحمن کے والد نے کہا تمہارے ہی لئے تو کہ تم فائدہ اٹھاؤ گے یہ سنتے ہی اشتر وغیرہ لوگوں نے ان دونوں باپ بیٹے کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔

حضرت سعیدؓ کی موجودگی میں ان لوگوں کی گستاخی ناقابل برداشت تھی۔ مگر آپ نے چشم پوشی کی اور بنو اسد کو جو یہ واردات سن کر قصر امارت کے دروازے پر جمع ہو گئے

تھے بلطائف وہاں سے ہٹایا ورنہ بڑا خون خرابہ ہوتا۔ اشراف کو ذہ نے اشتر وغیرہ کی یہ ناشائستہ اور ستمزدانہ حرکت دیکھ کر امیر المومنین عثمانؓ کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ ان مفسد لوگوں کو شہر بدر کر دیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں کو شام بمعید یا گیا۔ وہاں حضرت معاویہؓ نے ان کی مدارات کی اور رفعت و زمری سے انہیں بچایا۔ طبری نے (۵: ۸۶) حضرت معاویہؓ کی تقریر نقل کی ہے منجملہ ازاں یہ ہے :-

”آپ لوگ عرب میں پختہ عمر اور فصیح البیان ہیں اور اسلام کے سبب آپ کی حیثیت بن گئی ہے۔ دنیا کی قوموں پر آپ کو غلبہ ملا ہے اور ان کی شان و املاک پر آپ قابض ہو گئے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ قریش سے برا فروختہ ہیں حالانکہ اگر قریش نہ ہوتے تو آپ پہلے ہی کی طرح ذیل رہتے۔ آپ لوگوں کے آئمہ آج آپ کی ڈھال ہیں لہذا اپنی ڈھال کی راہ میں حائل مت ہو جائے۔ آج آپ کے آئمہ آپ کی بے راہ روی پر صبر کرتے ہیں اور آپ کی بھاری غلطیاں بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ بخدا آپ کو ان حرکتوں سے رکنا پڑے گا ورنہ پھر اللہ آپ کو ایسے لوگوں کے ذریعہ آزمائش میں ڈالے گا جو آپ کو سزا دیں گے اور پھر ان پر صبر کرنے کی آپ کو کچھ داد بھی نہیں دیں گے۔ اس طرح رعیت پر وبال لانے کے سبب آپ بھی اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد ان کے شریک سمجھے جائیں گے۔“

اس پر صعصعہ بن صوحان نے کہا ”آپ کب تک حکومت اور قریش کی باتیں ہم سے کرتے رہیں گے۔ عرب نے ہمیشہ اپنی تلوار کے زور پر روزی کھائی ہے اور قریش محض تاجر تھے“ حضرت معاویہؓ نے فرمایا ”تیری ماں تجھے روئے۔ میں اسلام کی بات کرتا ہوں اور تو جاہلیت کی باتیں سناتا ہے“ صعصعہ نے یہ بھی کہا تھا ”یہ جو آپ ڈھال کی بات کرتے ہیں تو میں جب اس ڈھال کو پھاڑ دوں گا اس وقت ڈھال ہماری ہوگی“ (یعنی جب ہم اپنے والیوں کو قتل کر دیں گے خود حکومت سنبھال لیں گے)“



یہ تھے عزائم ان عراقی سپاہیوں کے۔ حضرت معاویہؓ نے ان لوگوں کو پھر حمص بھیجا جہاں کے والی حضرت عبدالرحمن بن خالد سیف اللہ تھے۔ انہوں نے ان لوگوں کی خوب گوشمالی کی۔ انہیں شیطان کا آلہ کار بتایا۔ پھر طریقہ یہ رکھا کہ جب سوار ہو کر نکلتے انہیں اپنے ساتھ پیدل چلنے پر مجبور کرتے اور انہیں ڈانتے رہتے پھر حصص سے پوچھتے "اب مجھ سے اس طرح کی بات کیوں نہیں کرتا جو مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو سعید اور معاویہ سے کرتا رہا ہے۔" تو وہ اور اس کے سب ساتھی کہتے "ہم توبہ کرتے ہیں آپ ہمیں معاف کیجئے اللہ آپ کو معاف کرے" (طبری: ۵: ۸۶-۸۸)

غرضیکہ سال بھر میں آپ نے انہیں تکلی کی طرح سیدھا کر دیا۔ پھر فرمایا کہ جاؤ اور حضرت امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ سے معافی مانگو۔ چنانچہ ان سب کی طرف سے اشتراخی مدینہ حاضر ہوا اور سب کی طرف سے معافی چاہی اور امیر المؤمنین کے سامنے عاجزانہ توبہ کا اظہار کیا۔ آپ نے اسے اور سب کو معافی دے کر اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ اشتراحب اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو وہاں کوذہ سے آیا ہوا ایک خط رکھا تھا کہ جلدی پہنچو ہم نے سب انتقام کر لیا ہے۔ دوسرے لوگ تو اپنی توبہ پر قائم رہے اور کوذہ جانے سے انکار کر دیا مگر اشتراحب توبہ توڑ کر وہاں جا پہنچا اور اس مفسد گروہ میں مل گیا جو خفیہ خفیہ حکومت کے خلاف اپنا جتہ بنا رہا تھا۔

امیر سعیدؓ اس وقت مدینہ گئے ہوئے تھے جب واپس آئے اشتراحب اور اس کے ساتھیوں نے راستہ روک دیا اور اشتراحب نے آپ کے ایک غلام کو قتل بھی کر دیا۔ امیر سعیدؓ نے اس وقت خوں ریزی پسند نہ کی اور واپس ہو گئے۔ حضرت امیر المؤمنین نے پھر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھیجا اور تمام اہل کوذہ نے تجدید بیعت کی۔ اشتراحب وغیرہ کا گروہ اتنا قوی نہ تھا کہ حضرت سعیدؓ کو قوت سے واپس کر سکتا۔ کیونکہ اہل کوذہ ان سے خوش تھے۔ یہ امیر سعیدؓ کا صبر و ضبط تھا جو آپ واپس ہو گئے ورنہ اہل شہر آپ کا ساتھ دیتے۔ یہ بیان سب طبری کا ہے اور طبری ہی کے بیان سے ثابت ہے کہ اپنی عملی صلاحیتوں کی بنا پر حضرت امیر سعیدؓ اموی نے عہد فاروقی ہی میں اہم حیثیت اختیار کر لی تھی وہ لکھتے ہیں :-

حضرت عمرؓ کے وفات پانے سے پہلے ہی حضرت  
سعید اکابر امت میں شمار ہونے لگے تھے۔

فلم یبت عمر حتی کان سعید  
رجال الناس (ج ۳ ص ۳۱)

حرجان و خراسان و طبرستان کے وسیع ممالک کے فاتح جنہوں نے مشرق بعید  
میں مملکت اسلام کی بنیادیں استوار کیں۔ اشاعت دین کی راہیں کھولیں۔ مودودی صاحب  
نے ان کو بدلتا اعتراض بناتے اور واقعات کو مسخ کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے کہ جیسے لوگ  
واقعی حضرت سعیدؓ سے ناراض تھے اور اسی سبب انہیں معزول کیا گیا یہ سراسر باطل ہے اور  
واقعات کے خلاف۔

حضرت مروان بن الحکمؓ صغار صحابہ میں ہیں فتح مکہ کے وقت نو دس  
برس کے اور بعض روایتوں میں اس سے بھی زیادہ عمر کے تھے۔

حضرت مروانؓ

کچھ لوگوں نے ان کے صحابی ہونے کا انکار کیا ہے۔ مثلاً تقریب التہذیب میں ہے۔  
لا یثبت لہ صحبة (ان کا صحابی ہونا ثابت نہیں)۔ لیکن یہ فیصلہ کرنے سے پہلے سوچنا  
چاہیے کہ فتح مکہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ وسلم کے حضور سب قریش حاضر ہوئے اور  
بچے بھی حضور میں پیش کئے گئے تھے کہ سرور پر آپ نے ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعائیں کیں تو یہ  
کیسے ممکن ہے کہ آپ ہی کے خاندان بنو عبد مناف کا ایک اموی نو بہال آپ کی زیارت  
سے محروم رہے خصوصاً جب وہ حضرت عثمانؓ کا چچا زاد بھائی بھی ہو۔ یہودی تاریخ کا  
حافظ ابن جریرؒ ص ۱۳۰۴ (ج ۲ ص ۲۰۴) یعنی (حضرت) مروانؓ نے نبی صلی اللہ علیہ  
و سلم سے ملاقات کی ہے۔ پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ اہل شام کے نزدیک ان کا صحابی  
ہونا مسلم تھا۔ مگر کے لوگ اپنے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں کسی  
ہم عصر نے یہ نہیں کہا کہ حضرت مروانؓ کو دیدار نبوی کا شرف حاصل نہیں تھا۔  
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں (منہاج السنہ ج ۳: ۱۸۹) واختلف فی صحبة  
(ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے) پھر فرماتے ہیں ومروان من اقران ابن الزبیر۔



(اور مروانؓ تو ابن الزہیرؓ کے طبقے میں ہیں) حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ صحابی عند طائفة کثیرة (البدایہ ج ۸، ص ۲۵۷) یعنی کثیر جماعت کے نزدیک وہ (مروانؓ) صحابی ہیں۔ ایسی صورت میں تحدی کے ساتھ یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ صحابی نہیں۔ البتہ روایت کے اعتبار سے تابعی ہیں لیکن اس شان کے کہ صحابہ نے ان سے روایت کی ہے امام ابوبکر بن العربیؒ فرماتے ہیں۔ (العواصم: ۸۹ - ۹۰)

صحابہ و تابعین اور فقہاء مسلمین کے نزدیک مروانؓ اس امت کی عظیم شخصیتوں میں اور نہایت ثقہ صحابہ میں سے (حضرت سہلؓ بن سعد الساعدی نے ان سے روایت کی ہے۔ اور تابعین میں سے ان کے ہم عمر صحابہ نے اگر ان پر دو قولوں میں سے ایک کے مطابق صحابیت کا اطلاق جائز ہو۔ رہے شہروں کے فقہاء تو وہ سب کے سب ان کی تعظیم پر ان کی خلافت کی بحیثیت پیران کے فتاویٰ کے لائق اعتبار ہونے پر اور ان کی روایات کی پیروی پر متفق ہیں۔ اور جو نابکھ مورخ اور ادیب ہیں وہ اپنے ظرف کے مطابق (ان کے خلافت) باتیں بناتے ہیں۔

مروان رجل عدل من كبار  
الامة عند الصحابة والتابعين  
وفقهاء المسلمين - اما الصحابة  
فان سهل بن سعد الساعدي روى  
عنه واما التابعون فاصحابه في السن  
وان جازهم باسم الصحبة في  
احد القولين واما فقهاء الامصار  
فكلهم على تعظيمه واعتباره خلافة  
والتلفت الى فتواه والالتقياد الى  
روايته واما السفهاء من المتوهمين  
والادباء فيقولون على اقدارهم

اور انہوں نے ان کی تعظیم پر ان کی خلافت کی بحیثیت پیران کے فتاویٰ کے لائق اعتبار ہونے پر اور ان کی روایات کی پیروی پر متفق ہیں۔ اور جو نابکھ مورخ اور ادیب ہیں وہ اپنے ظرف کے مطابق (ان کے خلافت) باتیں بناتے ہیں۔

حضرت سہلؓ بن سعد کی روایت صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے۔ تابعین میں سے حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؓ) کی روایت بھی حضرت مروانؓ سے صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (ج ۱، ص ۲۷۲ - ۲۷۳ طبع مہر باب التمتع والاقراء والافراد بالحق)۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان سب بزرگواروں کی تفصیل دی ہے جنہوں نے حضرت مروانؓ سے روایتیں کیں۔ مثلاً حضرت سعید بن المسیب اور ان کے ہم رتبہ حضرات عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابوبکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام مخزومی حضرت عروہ

بنو الزبیر حضرت عراک بن مالک القناری حضرت عبداللہ بن شداد بن الحارث وغیرہم  
یہ سب کے سب حضرات کبار فقہاء ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت عبدالرزاق نے بھی ان سے روایت کی  
ہے جو امام اہل یمن ہیں اور ان میں شیعیت کی رمت بھی تھی۔

پھر مؤطا شریف صحیح بخاری سنن نسائی وغیرہ صحاح کی عظیم ترین کتابوں میں  
حضرت مروان کے ارشادات فتاویٰ اور قانونی فیصلے مندرج ہیں اور انھیں فقہاء  
اسلام شرعی نظائر کی حیثیت دیتے ہیں۔ گویا اسلامی فقہ میں حضرت مروان کی حیثیت بہت بڑی  
ہے۔ حافظ ابن حجر مدنی الساری میں لکھتے ہیں:-

|  |  |
|--|--|
| <p>قال عروة بن الزبير كان مروان<br/>لا يهتم في الحديث وقد روى<br/>عنه سهل بن سعد الساعدي<br/>الصحابي اعتماداً على صدقه وقد<br/>اعتمد مالك على حديثه ورأيه<br/>والباقون سوي مسلم۔</p> | <p>(حضرت) عروہ بن زبیر نے کہا کہ (حضرت) مروان<br/>حدیث میں غیر مستہم ہیں ان سے (حضرت) سہل بن سعد<br/>صحابی نے ان کے صدق پر اعتماد اور بھروسہ کر کے<br/>روایت کی ہے اور امام مالک نے ان کی حدیث اور<br/>راے پر اعتماد کیا ہے اور مسلم کے سوا کے باقی محدثین<br/>نے بھی۔</p> |
|--|--|

بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ:- يخرج اهل الصحاح عدة احاديث عن مروان  
وله قول مع اهل الفتا (صحاح اسٹ) میں (حضرت) مروان سے متعدد احادیث  
کی روایت کی گئی ہے اور اہل فتویٰ ان کے اقوال اپنے فتاویٰ میں بطور سند پیش کرتے  
ہیں۔ تاریخ خمیس میں ہے:-

كان مروان فقيهاً عالماً أديباً | (حضرت) مروان فقیہ و عالم اور ادیب تھے  
پھر ان کی عبادت اور تقویٰ نے انھیں اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز کر دیا تھکہ تلاوة کلام  
پاک کا تو ایسا عشق تھا کہ من اقراء الناس القرآن کہلاتے تھے البدایہ والنہایہ  
ہی میں یہ روایت ہے کہ امیر یزید کی ولایت عہد کی تحریک سے کچھ پہلے امیر المومنین حضرت  
معاویہؓ یہ فرما کر حضرت مروانؓ کو جانشین نامزد کرنے کا خیال کر رہے تھے کہ وہ کتاب اللہ  
کے قاری اللہ کے دین کے فقیہ اور حدود اللہ قائم کرنے میں شہید ہیں۔ القاری لکتاب اللہ



الفقیہ فی دین اللہ الشدید فی حدود اللہ (ج ۸، ص ۲۵۷) لیکن سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر ایسا نہ ہو سکا پھر جب حضرت مروانؓ کے مسند آرائے خلافت ہونیکا موقع آیا اور لوگ اس کی اطلاع دینے رات کے وقت ان کے پاس گئے تو دیکھا خیمے میں شمع روشن ہے اور کلام پاک کی تلاوت میں مشغول ہیں۔ رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارتے تھے جناب جعفر الصادقؑ کی یہ روایت البدایہ والہمایہ میں بسند صحیحہ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ حضرت مروانؓ کی امامت میں حضرت حسن و حسینؑ برابر نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ ایسے عالم و فاضل پاک سیرت بزرگ کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں:-

”دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سکرٹیری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ ان صاحب نے حضرت عثمان کی نرم مزاجی اور ان کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بہت سے کام ایسے کئے جن کی ذمہ داری لا محالہ حضرت عثمانؓ پر پڑتی تھی۔ حالانکہ ان کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کر ڈالے جاتے تھے۔ علاوہ بریں یہ صاحب حضرت عثمان اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی سلسلہ کو شش کرتے رہے تاکہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔“

یہی نہیں بلکہ متعدد درجہ اولیٰ انھوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاً کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لئے بمشکل ہی قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ اسی بنا پر دوسرے لوگ تو درکنار خود حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہؓ بھی یہ رائے رکھتی تھیں کہ حضرت عثمانؓ کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مروان پر عائد ہوتی ہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ ”اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کروا کے پھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے نہ مذہبیت نہ محبت“

مودودی صاحب نے اتنے بہت سے الزامات تو عائد فرمادئے اور ان میاں بیوی کی گھر کی اندر کی ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی گفتگو بھی سن لی اور ان پر بہت سے وہ کام بھی کھل گئے جو حضرت عثمانؓ کے علم کے بغیر حضرت مروانؓ نے کر ڈالے۔ مگر مثال ایک بھی پیش نہ کی۔ کم از کم کوئی ایک ہی بات ایسی ثابت کر دیتے جس سے حضرت مروانؓ کی غداریاں کھلتیں اور صحابہ کرام کے سامنے جو وہ تہدید ی تقریریں کیا کرتے تھے ان کا کچھ تو پتہ چلتا۔

قارئین کرام کو سوچنا چاہئے کہ ہم حضرت مروانؓ کی وہ عدالت و جلالت و عظمت و بزرگی دیکھیں جو موطاء شریف بخاری شریف اور صحاح کی دوسری کتابوں سے معلوم ہوتی ہے اور ان کے متعلق وہ رائیں دیکھیں جو صحابہ و تابعین اور فقہاء و علماء اسلام نے ان کے بارے میں دی ہیں یا ان خرافات کو تسلیم کریں جو بعد کے مصنفوں نے بے سرو پا سبائی روایات کی بنا پر کتابوں میں بھر دی ہیں جن کے حوالے مودودی صاحب نے دئے ہیں۔

سچ فرمایا امام ابن العربیؒ نے واما السفهاء من المورخين والادباء فيقولون على اقدارهم (رسبہ تا سمجھ موترخ اور ادیب تو یہ اپنے ظرف کے مطابق باتیں بناتے ہیں) مودودی صاحب نے کس بے باکی سے حضرت عثمانؓ پر یہ بہتان باندھا ہے کہ انھوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار مروان کو بخش دیا۔ حالانکہ یہ افتراء محض ہے۔ امام ابن العربیؒ فرماتے ہیں (العواصم ص ۱۰۰-۱۰۱)

واما اعطاؤا خمس افریقیہ  
لواحد فلم يصم على انه قد ذهب  
مالك وجماعة الى ان الامام يرى  
رأيه في الخمس وينفذ فيه ما  
اذا الى اجتهدوا وان اعطاؤا  
لواحد جائز وقد ثبتا ذلك في  
مواضعه۔

رہا ان کا افریقیہ کا خمس کسی ایک شخص کو دیدینا تو یہ صحیح نہیں۔ باوجود اس کے کہ (حضرت) امام مالک اور علماء کی ایک جماعت اسی طرف لگی ہے کہ امام کے یہ اختیار میں ہے کہ خمس کے متعلق وہ کیا رائے قائم کرتا ہے اور اسے حق ہے کہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے اور یہ کہ کسی ایک شخص کو بھی وہ (یعنی پورا خمس) دیدینا جائز ہے ہم نے یہ مسئلہ اسی کی جگہ پر واضح کر دیا ہے (یعنی اپنی دوسری کتابوں میں)



موردی صاحب نے اگر کتب حدیث کا مطالعہ ٹھنڈے دل سے کیا ہوتا تو انہیں خمس دہی کے بارے میں ائمہ کے موافقت کا علم ہوتا۔ مگر ان کا مقصد چونکہ بتی امیہ اور حضرت عثمان پر طعن ہی ہے۔ اس لئے انہوں نے عدل و خرد سب کو خیر باد کہہ کر وہی روایات کا سہارا لینے میں پاک نہیں کیا۔ خمس اور دہی کی آمدنی غیر مقصود غیر متعین اور غیر مستقل ہوتی ہے اور امام اپنے مصالح کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ امر قطعی ہے کہ حضرت عثمان نے یہ روپیہ حضرت مروان کو نہیں دیا۔

ابن خلدون جیسے محقق مورخ نے بتایا ہے کہ افریقہ کے مال غنیمت میں خمس حضرت مروان کو عطا نہیں ہوا تھا بلکہ انہوں نے اسے خرید لیا تھا وہ لکھتے ہیں :-

|   |  |
|---|--|
| <p>(حضرت) ابن زبیر نے فتح کی خوشخبری اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ (مدینہ) بھیجے (حضرت مروان نے پانچ لاکھ دینار میں خرید لیا اور یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ (حضرت عثمان) نے (حضرت) مروان کو دید تھا ہرگز صحیح نہیں۔</p> | <p>وارسل ابن زبیر بالفتح والخمس فاشتراه مروان بن حکم بخمس مائة الف دينار وبعض الناس يقول اعطاؤا ولا یحکم (ج ۲ ص ۱۲۹)</p> |
|---|--|

موردی صاحب کے نزدیک ابن خلدون کا یہ بیان معتبر نہ ہو تو ان کتب میں جن کے حوالے انہوں نے کیے ہیں۔ امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین کا یہ ارشاد تو انہوں نے ضرور پڑھا ہوگا جو بدگوئیوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ :-

|   |  |
|---|--|
| <p>اور میرا اپنے (اقارب) کو عطیات دینا سو جو کچھ میں نے ان کو دیا ہے اپنے ہی مال سے دیا ہے مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ لوگوں میں سے۔</p> | <p>واما اعطاؤہم فاتی ما اعطیہم من مالی ولا استحل اموال المسلمین لنفسی ولا لاحد من الناس۔</p> |
|---|--|

تمام ماضیین شہداء و تابعین نے امیر المومنین کے اس بیان کی صداقت کو تسلیم کیا۔ موردی صاحب نہ مانیں اور پانچ لاکھ دینار مروان کو بخش دینے کا راگ الاپے جائیں مگر اپنے ہی مآخذ طبری میں ذرا یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں کہ امیر المومنین حضرت عثمان نے جب

حضرت عبداللہ بن ابی سرح سے فرمایا تھا کہ اگر وہ تونس کا علاقہ فتح کر لیں گے تو انھیں مال غنیمت کا پچیسواں حصہ بطور انعام دیا جائیگا۔ (طبری ۵: ۴۹۰ طبع مصر ج ۱ ص ۲۸۱-۲۸۵ طبع یورپ) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انھوں نے یہ سب علاقہ فتح کر کے چار حصہ مال غنیمت فوج میں تقسیم کر دیا اور خمس جو مرکز کو بھیجنا تھا اس کا پانچواں حصہ خود رکھ لیا۔ جب آپ کے بعض ساتھیوں نے ابرہہ المومنین سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرے حکم سے انھوں نے کیا ہے اور اگر تم لوگ اسے پسند نہیں کرتے تو ہم یہ حکم منسوخ کر دیں گے ان لوگوں کے کہنے پر آپ نے حضرت عبداللہ کو لکھا کہ وہ رقم بیت المال کو بھجودیں چنانچہ انھوں نے بھجودیا۔ اتنا بڑا انعام واپس لئے جانے کے باوجود حضرت عبداللہ بدول نہیں ہوئے اور بڑا بہ فتوحات میں مشغول رہے اور نظم و نسق کو مستحکم بناتے رہے۔

اب سوچنا چاہیے کہ جو امام اپنی قوم کی مرضی کا اس درجہ لحاظ رکھتا ہو کہ اپنے اپنے اختیار کے باوجود جو اللہ اور اس کے رسول کا سختنا ہوا تھا اپنا حکم واپس لے لے وہ امام کہیں ایسا کر سکتا تھا کہ قوم کی مرضی کے خلاف ۵ لاکھ دینار کی اتنی بڑی رقم ایک شخص کو دیدے۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اہل مدینہ اعتراض کرتے لیکن ایسا کوئی اعتراض ان کی طرف سے منقول نہیں۔ لہذا یہ افسانہ صرف ان مفسدوں اور کذابوں کا وضع کیا ہوا ہے جنھوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کر دیا۔

ہاں حضرت عثمانؓ نے اپنی آخری عمر میں اپنا تمام مال اپنے اعزہ و اقرباء میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور اپنے فرزندوں کو بھی مثل دوسروں کے رکھا۔ (طبری ۵: ۱۰۳) چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (العواصم ص ۲۰، تعلیقہ)

لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں سے محبت کرتا ہوں اور انھیں روپیہ دیتا ہوں۔ تو جہاں تک محبت تعلق ہے تو یہ ان کے سبب ظلم کی طرف مجھے نہیں لے جاتی بلکہ میں ان سے حقوق لیتا ہوں (یعنی وہ غلطی کریں تو ہارس کرتا ہوں) اور ہا میرا انھیں دینا تو میں انھیں

وقالوا انی احب اهل بیتی و عظمی  
فاما حبی لکم فانه لم یمل معکم حتی  
جو یہ بل احمّل الحقوق نتیہم و اما  
اعطائکم فانی انہا اعطیہم من  
مالی و لا استحل اموال المسلمین



لنفسی ولا لاحد من الناس  
وقد كنت اعطى العطية الكبيرة  
المرغوبة من صلب مالي ازمان  
رسول الله صلى الله عليه وسلم  
وابي بكر وعمر وانا يومئذ شيخهم  
حريص - انهم انت علي اسنان  
اهل بيتي وفني عمري وودعت  
الذي لي في اهلتي قال المحدثون  
ما قالوا

صرف اپنے مال میں سے دیتا ہوں۔ میں مسلمانوں کا مال  
نہ اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے آدمی  
کے لئے۔ میں اپنے خالص مال میں سے بڑے نفیس  
عطیات انھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت  
ابوبکر و حضرت عمر کے زمانے میں بھی دیا کرتا تھا حالانکہ  
میں اس زمانے میں کنجوس اور حریص تھا۔ اب جبکہ میں  
اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ معتمد ہوں اور میری  
عمر ختم ہو رہی ہے اور میں نے اپنا سب کچھ اپنے گھر والوں  
کے حوالے کر دیا ہے تو یہ ملحد لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

ان سبائی ملحدوں نے امیر المومنین عثمانؓ کا اس طرح اپنا مال تقسیم کر دینا بھی ذریعہ  
طعن بنایا اور خدا و رسول و اہل ایمان کے اس محبوب پر بیت المال میں خیانت کا الزام لگایا  
اور رشتہ داروں سے غیر معتدل محبت کا ہتان اس پر رکھا۔ حیرت مودودی صاحب جیسے  
لیگوں پر ہے۔ جو ان ملاحدہ و زنادقہ کے مفتریات نقل کرتے وقت آج بھی نہیں شرماتے،  
جبکہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو چکی اور وہ دور بھی گزر چکا اور اس کے مسائل  
ختم ہو چکے۔

**شوروی حکومت** | مئی ۱۹۱۷ء کے ترجمان القرآن میں شوروی حکومت کا عنوان قائم  
کر کے مودودی صاحب نے ص ۱۸۳ پر جو بحث کی ہے اس کے

متعلق عرض ہے کہ اسلام میں شوروی کا جو تصور ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ اسے موجودہ مغربی  
جمہوریت سے کچھ تعلق نہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے کہ لہب امام و تشکیل حکومت کے سلسلے میں  
اللہ کی کتاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے  
کوئی متعین طریقہ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ حکومت کی جو بھی ہیئت ترکیبی ہو وہ درست ہوگی  
بشرطیکہ اسے قبولیت عامہ حاصل ہو۔

درچار دس پانچ افراد کا ایسا گروہ جو اپنی پشت پر رائے عامہ کی طاقت نہیں رکھتا

اگر کسی برپا شدہ حکومت کو بدلنا چاہے گا یا اسے بدلنے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھائے گا۔  
تو حسب فرمان خدا در رسول نیز حسب اجماع صحابہ وہ باغی قرار پائیگا اور اپنے آپ کو قتل کے  
لئے پیش کر دے گا۔ کائنات من کان (خواہ کوئی ہو)

نصب امام کے سلسلے میں مودودی صاحب نے حضرت فاروق اعظم کی جس  
آخری تقریر سے یہ استنباط کرنا چاہا ہے کہ استصواب رائے عامہ کے بغیر کوئی شخص جائز  
اور آئینی طور پر امام نہیں بن سکتا تو ان کی توجیہ کا بے پایہ ہونا ہم خود حضرت فاروق اعظم  
کے اپنے عمل سے ثابت کر چکے کہ یہ صورت اس وقت کی ہے جب کوئی امام موجود نہ ہو یا جانوالا  
امام کوئی وصیت نہ کر سکا ہو۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایک عصر میں حکومت کی ہیئت ترکیبی کے بارے میں  
کوئی بات استصواب رائے عامہ سے طے ہو جائے اور تعامل صحابہ سے اس کی تائید ہوتی  
ہو تو وہ بات دستور اساسی کی ایک دفعہ ہو جائے گی اور اسی کے مطابق آئندہ کام ہوتا  
رہے گا۔ البتہ جب کسی دوسرے وقت مسلمان اس دفعہ میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کریں تو  
اپنی اکثریت یا اربابِ حل و عقد کے اجماع سے تبدیل کر سکتے ہیں۔ نیا آئین مرتب ہو سکتا ہے،  
اور اس دفعہ کو منسوخ کیا جاسکتا ہے۔

امیر المومنین عثمانؓ کی شہادت ہنگامی حالت میں ہوئی اور خلافت کے بارے میں وصیت  
کرنے کا آپ کو موقع نہ ملا۔ تو سنت خلفاء کے مطابق یہ ضروری ہو گیا کہ انتخاب کے ذریعہ امام کا  
تقرر ہو۔ بد قسمتی سے جن لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا اور سب سے پہلے بیعت کی وہ ارباب  
حل و عقد تو کیا ہوتے خود مودودی صاحب کے قول کے مطابق اپنے اپنے علاقوں کے بھی  
نمائندے نہیں تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ کی خلافت کی آئینی حیثیت ان کی شہادت تک معرض بحث  
رہی۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ کسی کو ان کے خلیفہ ہونے پر اعتراض نہ تھا اور نہ کوئی شخص ان کے  
مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر کھڑا ہوا تھا اور نہ کسی کا یہ مقصد تھا کہ حضرت علیؓ خلیفہ نہ رہیں۔  
لیکن پیچیدگی پیدا ہوئی تھی اس بات سے کہ ان کی خلافت کا اعلان حضرت عثمانؓ سے قاتلوں  
نے کیا تھا۔ اور ان باغیوں نے جو عالم اسلام میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ صحابہ اور اُمت کو



خصوصاً قصاص خون عثمانؓ نہ دے سکے کی وجہ سے اس طریقہ انتخاب پر اعتراض تھا۔ مودودی صاحب نے اس سلسلے میں حضرت علیؓ کی بیعت کی تکمیل کا جو دعویٰ کیا اور باب حل و عقد کا آپ کی خلافت پر متفق ہونے کے جو خیالی دلائل دئے ہیں، واقعات سے ان کی توثیق نہیں ہوتی اور نہ صحابہ کرام کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس موضوع پر مزید بحث ہم حضرت علیؓ کی خلافت کے عنوان کے تحت کریں گے۔

یہاں ہم یہ مسئلہ صاف کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر المومنین معاویہؓ پر ہم عصراۃت نے اجماع کیا اور آپ متفق علیہ امام تسلیم کئے گئے۔ مودودی صاحب نے آپ کی خلافت کی آئینی حیثیت سے جو بحث کی ہے اور اسے بادشاہی بلکہ مستبدانہ تغلب ثابت کرنا چاہا ہے، اس وہی خیال کی تائید بھی واقعات سے نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام نے اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ رکھا (اجماع کا سال) یہ کیسی کھلی دلیل ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ صلوات اللہ علیہ کے سربراہانے خلافت ہونے سے اُمت نے کیسا اطمینان کا سانس لیا تھا اور کس خوش دلی اور طمانیت قلب سے آپ کی بیعت کی تھی۔

اب امیر المومنین معاویہؓ کا یہ حق تھا کہ سنت صدیقی و فاروقی کے مطابق اپنے بعد خلافت کے لئے کسی شخص کو نام زد کر جائیں۔ اس بارے میں رائج الوقت آئین کے مطابق آپ کو کسی سے مشورے کی ضرورت نہ تھی۔ چونکہ گزشتہ احوال آپ کے سامنے تھے اس لئے آپ نے ضروری سمجھا کہ محض ارباب حل و عقد ہی سے نہیں بلکہ تمام علاقوں کے سربراہان اور وہ لوگوں سے استصواب کر کے اپنا دلی عہد منتخب کریں چنانچہ ایسا ہی آپ نے کیا۔ نیاۓ سیاست اسلامی کے عظیم ترین رکن حضرت معیرۃ ابن شعبہ کی تحریک پر امیر بن امیر المومنین معاویہؓ رضی اللہ عنہما کا مبارک نام تجویز کیا گیا، ہر طرف سے اس کی تائید ہوئی۔ اس وقت جتنے اکابر صحابہ تھے اور اہل بیت المومنین تھے صلوات اللہ علیہم سب اس بارے میں امیر المومنین معاویہؓ کے ہم نوا تھے۔ اس طرح یہ اصول طے ہوا کہ جانے والے امام کا جانشین اس کا فرزند ہو سکتا ہے۔ اس اجماع کے بعد اب اس کی ضرورت نہیں رہی کہ جانے والا خلیفہ اگر اپنے بعد اپنے فرزند کے لئے وصیت کرنا چاہے تو اول رائے عامہ سے استصواب کرے جب دستور میں ایک دفعہ

استصواب رائے عامہ اور اجماع سے منظور ہوگئی تو وہ متفق علیہ آئین کا جزو بن گئی اور اس پر  
عہد کی مشروعیت کا مسئلہ طے ہو گیا۔

اسی اصول کے مطابق امیر المومنین یزیدؓ نے اپنے فرزند امیر معاویہ ثانی کو خلیفہ  
نام نہ کیا۔ اور جب امیر المومنین معاویہ ثانی بغیر وصیت کے وفات پا گئے تو ارباب صل  
و عقد نے باہم مشورے سے امیر المومنین حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر  
بیعت کی اور آپ کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا۔ آئینی حیثیت سے صرف یہ اموی خلافت ہی حق  
تھی۔ کیونکہ اسے ارباب حل و عقد نے قائم کیا تھا۔ اسی وجہ سے بنو ہاشم اور اکابر صحابہ نے  
عبداللہ بن الزبیرؓ سے بیعت نہیں کی۔ ان سب کی ہمدردیاں دمشق کی آئینی خلافت کے  
ساتھ وابستہ تھیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے اعزہ کو وصیت  
فرما گئے تھے کہ ان کی وفات کے بعد وہ حضرت ابن الزبیرؓ کی حکومت میں نہ رہیں بلکہ شام  
چلے جائیں۔ ان حضرات نے اسی پر عمل کیا۔ حضرت علی بن عبداللہ بن العباسؓ۔ امیر المومنین  
عبدالملکؓ کے ہاں محترم و معزز بھائی کی حیثیت سے مقیم تھے۔

جب امیر المومنین عبدالملکؓ نے ابن الزبیرؓ پر فتح پائی تو سب بنو ہاشم اور تمام وہ  
صحابہ جنہوں نے ان سے بیعت نہیں کی تھی وہ سب امیر المومنین عبدالملکؓ کی بیعت میں داخل  
ہو گئے اور سوائے خوارج کے کوئی نہ رہا جو اس بیعت میں داخل نہ ہوا ہو حتیٰ کہ سیائیوں نے بھی  
تقیۃً یہ بیعت کر لی۔ اور یوں اموی خلافت میں استحکام آیا۔ جس کے نتیجے میں تین چوتھائی  
مسلمین دنیا حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اور تین براعظموں میں پرچم اسلام لہرایا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی وفات کے بعد عرب کسی غیر اموی کی خلافت قبول کرنے کے لئے  
تیار نہیں تھے۔ چنانچہ اہل مدینہ اور امراء عساکر کی بہت بھاری اکثریت نے حضرت عثمانؓ کے حق  
میں رائے دی بلکہ صحیح بخاری (ج ۲، کتاب الاحکام ص ۲۴۵-۲۴۶) سے تو یہ معلوم  
ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے حق میں اتنے لوگوں نے بھی رائے نہیں دی جنہیں شمار کے قابل کہا جاسکے۔  
اور اسی لئے حضرت علیؓ کی حکومت متزلزل رہی اور ہر اعتبار سے حضرت معاویہؓ کی طرف امت  
کام رجحان ہوتا چلا گیا۔ یہ تاریخی حقائق ہیں انہیں خیالی روایتوں سے دبایا نہیں جاسکتا۔



اس سلسلے میں مودودی صاحب نے جن واہی روایات کا سہارا لے کر اوراق سیاہ کئے ہیں ان پر تبصرہ علوی خلافت کے تحت کیا جائے گا۔

مودودی صاحب نے شمارہ نمبر ۶۵ (ص ۱۸۴) سے بیت المال کے **بیت المال** امانت ہونے سے تصور کے تحت جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے ہمیں اتفاق ہے اور ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے تمام خلفاء نے بیت المال کو امانت سمجھا اور کسی وقت اسے اپنی ملکیت نہ جانا۔ اس میں سے جو خرچ کیا اس کے لئے شریعت کے احکام کو پیش نظر رکھا۔ خلافت کی پوری تاریخ میں صرف ایک واقعہ امیر المومنین مسکتی باللہ کا ہے کہ انھوں نے بیت المال سے سات لاکھ دینار تعمیرات کے لئے قرض لئے تھے لیکن افسوس کہ اسے ادا نہ کر سکے چونکہ کل چھ برس خلیفہ رہے اور عین جوانی میں وفات پائی۔ (تاریخ الخلفاء بروایت صولی) یہ روایت ہم اس لئے قبول کرتے ہیں کہ صولی کی ہے جو امیر المومنین کے ہم عصر تھے گویا چھ سو برس کی تاریخ میں صرف یہ واقعہ ہے اور وہ بھی بیت المال پر تصرف کرنے کا نہیں بلکہ قرض لینے کا۔

مودودی صاحب اور دوسرے لوگ جو حضرت معاویہؓ سے لے کر بعد کے سب خلفاء پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ وہ بیت المال کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے تھے اور جس طرح چاہتے تھے اس میں تصرف کرتے تھے ان میں سے جو حضرات بد نیت نہیں ہیں بلکہ غلط فہمی کا شکار اور دشمنان صحابہ و خلفاء کے پروپیگنڈے سے متاثر ہیں ان کی غلط فہمی ہم رفع کرنا چاہتے ہیں :-

مملکت اسلامیہ کی مستقل آمدنی، امیر المومنین معاویہؓ کے عہد مبارک میں ان مدوں سے تھی (۱) زکوٰۃ (۲) جزیہ (۳) عشر (۴) خراج (۵) عشور (۶) لاوارث غیر مسلم کا ترکہ (۷) نذرانہ و فتوح (۸) الکورہ (۹) خمس (۱۰) فی وغیرہ۔ آخر الذکر غیر مستقل مدیں تھیں۔ یہاں ہم بخوف طوالت خمس اور فی سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

مملکت اسلامیہ کی آمدنی میں یہ دو مدیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر انھیں سمجھ لیا جائے تو بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو جائیں گی۔ عین میدان جنگ میں جو مال حاصل ہوا اسے غنیمت کہا جاتا ہے۔ اس کے چار حصے فوج پر تقسیم کر دئے جاتے تھے اور پانچواں حصہ مرکز کو بھیجا۔

جاتا تھا۔ اس پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے کئے جاتے تھے۔ ایک حصہ امیر المومنین کے ذاتی اخراجات کے لئے تھا اور چار حصوں میں ایک حصہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا تھا۔ باقی یتامیٰ مساکین اور مسافروں وغیرہ کے لئے تھا۔

فی وہ منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد تھی جو بغیر جنگ کے حاصل ہو۔ اس کے بھی اسی طرح پانچ حصے کئے جاتے تھے اور انہی مدوں میں خرچ ہوتا تھا۔ علماء و فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے اور ہم فی الحال اس پر بحث نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ ایک مستقل عنوان ہے۔ ہم صرف تعامل خلفاء کو دیکھتے ہیں۔

امام جب غنیمت اور فی میں اپنا حصہ لے لے تو وہ اس کی ذاتی ملکیت ہوتی تھی اور جب تک وہ اپنے منصب پر فائز رہتا اسے اس مال میں تصرف کا وہی حق تھا جو ہر آدمی کو اپنے مال میں ہوتا ہے۔ غنیمت اور فی کا مال شریعت اسلام کے مطابق حسب فرمان الہی ایک غیر مقصود غیر متعین اور غیر مستقل مال ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس آمدنی کو الانفال کہا ہے (زائد آمدنی)

اب یہ اتفاق تھا کہ عہد صدیقی ہی سے جنگوں کا سلسلہ مستقل طور پر شروع ہو گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو بے حد بے حساب دولت ملنے لگی اور امیر المومنین کا پچیسواں حصہ اتنا کثیر ہونے لگا جس کا ہم اس وقت تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ہر مالدار آدمی کی طرح امیر المومنین کا بھی اپنا بیت المال ہو اور اس کا اپنا عملہ ہو۔ خلفاء کرامؓ لوگوں کو جو انعام و اکرام دیتے تھے وہ سب ان کے اسی نجی بیت المال سے ہوتا تھا۔ چونکہ دونوں کے لئے لفظ بیت المال ہی مستقل ہے اس لئے لوگوں نے دھوکہ کھایا اور سمجھے کہ یہ داد و دہن سب عام بیت المال سے ہوتی تھی۔

اگر ہم تھوڑا سا بھی غور کریں تو عام بیت المال کے اخراجات کی جو حدیں متعین ہیں وہ ایسی ہیں کہ ان میں بے اعتدالی کا امکان نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عہد فاروقی سے دیوان کا محکمہ قائم تھا۔ جس کے تحت تمام مملکت کے عرب اور غیر عرب افراد و طبقہ پائے تھے اس کی تفصیل امام شافعیؒ نے کتاب الام میں دی ہے (ملاحظہ ہو ج ۴، ص ۵۸ طبع مصر



مکتبہ الازہریہ) یہ نظام امام موصوف کے زمانے تک جاری تھا۔ اس میں بعض گھروں کا تقدم و تاخر حضرت معاویہؓ کے عہد میں ہوا اور پھر امیر المومنین محمد المہدی العباسیؑ کے عہد مبارک میں۔ گویا اس وقت تک اس نظام کا پوری طرح قائم رہنے کا یہ دستاویزی ثبوت موجود ہے اور یہ عصری شہادت ہے۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ یقیناً قائم رہا کیونکہ امور خلافت میں اختلال تو بنی بویہ کے استیلاء کے بعد آیا۔ اس نظام کے تحت مملکت اسلامیہ میں بچہ پیدا ہوتے ہی وظیفہ کا مستحق ہو جاتا تھا۔ اور مملکت اسلامیہ دارالاسلام کے ہر شہری کی بنیادی ضرورتوں کی کفیل تھی۔

پھر بنو ہاشم اور بنو المطلب کا جو حصہ تھا اس کے بارے میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے مگر خلفاء کا تعالٰیٰ یہ ہے کہ اموی اور عباسی خلافتوں میں یہ روپیہ براہ تقسیم ہوتا تھا۔ مولیوں کے زمانے میں جن افسروں کے ذریعہ اس کی تقسیم ہوتی تھی وہ عریف کہلاتے تھے اور عباسیوں کے زمانے میں انھیں فقیب کہا جاتا تھا۔ ہم نے اپنی کتاب ”تحقیق سید و سادات“ میں اس کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔

اپنے اپنے وقت میں ہر خلیفہ نے اس پورے نظام کو زیادہ سے زیادہ رفناہی بنانے کی پوری کوشش کی۔ اس کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ یہاں ہم صرف ایک متعصب غیر مسلم سرولیم میور کا بیان دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔  
(ملاحظہ ہو عرب ایڈمنسٹریشن مولفہ حسنی)

ایک بڑی قوم اپنا تمام مالیہ تمام عینیت اور فتوحات کو اس طرح آپس میں بانٹ لے اور اس کی بناء اول تو رکھے مساویانہ اخوت پر پھر فوجی امتیازات پر اور پھر روحانی درجات پر یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس کی غالباً دنیا میں کہیں نظیر نہیں ملتی۔

اس بے نظیر اور عظیم الشان نظام کا صدیوں برقرار رہنا اس کی اجازت کب دیتا ہے کہ خلفاء اسلامؑ عام بیت المال میں خلافت کا مدہ کوئی تصرف کر سکتے۔ اور اگر کرتے تو کیا مسلم معاشرہ اس سنام اعلیٰ تک پہنچ سکتا تھا جہاں تک پہنچا کہ اہل عالم کو

درطہ حیرت میں ڈال دیا۔ خلفاء اسلام نے رفاه عام کے امور کو جس طرح ترقی دی اور قدم قدم اور عہد بے عہد ہم جس کے ارتقائی منازل دیکھتے ہیں ان کے باوجود اگر لوگ ان پر عام بیت المال میں ناجائز نفرت کا بہتان رکھتے ہیں تو رکھیں مگر وہ وعید بھی ذہن میں رہے جو بہتان طرازی اور افتراء پر دازی پر قرآن مجید میں ہے۔

یہاں ایک بات اور ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جہاں خلیفہ اپنے خمس اور فی میں تصرف کا پورا حق رکھتا تھا وہاں یہ بات بھی تھی کہ منصب سے معزول ہونے یا وفات پانے پر خلیفہ کا وارث خلیفہ ہوتا تھا۔ اس کے شرعی وارث۔ تاریخ کا معمولی مطالعہ بھی جنھوں نے کیا ہوگا۔ انھیں یہ چیز ملی ہوگی کہ جس وقت خلیفہ کی آنکھ بند ہوتی تھی اس کے محل کا ایک ایک کمرہ سر بہرہ کر دیا جاتا تھا۔ اور نئے خلیفہ کے تقرر پر کھولا جاتا تھا۔ جانے والے خلیفہ کے کپڑوں تک کا وارث ہونے والا خلیفہ ہوتا تھا۔ اس لئے کہ خلیفہ کے تصرف میں جو کچھ ہوتا وہ مرکزی حکومت کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ وہ منصب پر فائز ہونے تک بینک ہر قسم کے اختیارات کا حق رکھتا تھا مگر دور حکومت ختم ہوتے ہی اس کے مالکانہ اختیارات بھی سلب ہو جاتے تھے۔ اور اس کی منقولہ و غیر منقولہ سب جائداد اس کے جانشین کی طرف منتقل ہو جاتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے کے بعد انکی زکوٰۃ کا روپیہ ہزاروں دینار ہوتا تھا (امام ذہبی المنشی ص ۴۹۱) خلیفہ ہونے سے پہلے بھی حضرت علیؑ کی مالی حیثیت اگرچہ کم نہ تھی مگر ایسی بھی نہ تھی کہ اتنی زکوٰۃ نکالتے۔ وہ تو جب مرکزی حکومت کی جائداد ان کے تصرف میں آئی اور غنیمت دہائی کا پچیسواں حصہ ان کی طرف منتقل ہوا تب مال و دولت میں اتنا کثیر اضافہ ہوا کہ ہزاروں دینار زکوٰۃ نکالتے تھے۔

مردودی صاحب نے اس سلسلے میں ایک وضعی مردود روایت بیان تو کر ڈالی مگر حیا نہ آئی کہ سند میں اس کی پیٹ کیا ہے ابن ابی الحدید اور الامامہ والسیاسة کے مولف جیسے غالی رافضیوں کو پھر غضب یہ ڈھایا ہے کہ تمام اہل تحقیق کی رائے اور تحقیق سے انماض کر کے مصنف اس کتاب الامامہ کا قرار دے لیا ہے کتاب المعارف کے مصنف علامہ امام ابی محمد بن مسلم بن قتیبہ لدیوری متوفی ۳۸۰ھ کو حالانکہ روز روشن



کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ الامامة والسياسة نہ ان کی تصنیف سے ہے اور نہ  
قدما میں سے کسی نے ان کی تصانیف میں اسے شامل کیا ہے۔ اور نہ ان کی کسی تصنیف  
خصوصاً المعارف کے مضامین سے اس کے مندرجات کی کوئی مناسبت و مماثلت ہے۔  
**وضع روایت** | مودودی صاحب بیان فرماتے ہیں (شمارہ مئی ۱۹۶۵ء)

”حضرت علیؑ کا جس زمانے میں حضرت معاویہؓ سے مقابلہ درپیش تھا  
لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ جس طرح حضرت معاویہؓ لوگوں کو بے تحاشا  
الغامت اور عطیے دے دے کہ اپنا ساتھ بنا رہے ہیں آپ بھی بیت المال  
کا منہ کھولیں اور روپیہ بہا کر اپنے حامی پیدا کریں مگر انھوں نے یہ کہہ کر  
ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ ”کیا تم چاہتے ہو میں ماروا طریقوں سے  
کامیابی حاصل کروں“

ایک صحابی اور کاتب وحی کی امانت و دیانت پر غالی رافضیوں اور سبائیوں  
کی مغزبات کا سہارا لے کر وہی شخص ایسا بیان دے سکتا ہے جس کے دل میں صحابہ کی  
عظمت کا شائبہ نہ ہو اور جو خیر القرون اور پہلی صدی ہجری کی امت کو دین فروش  
اور بے ضمیر سمجھ لے۔

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ کو مودودی صاحب جب ان معاملات میں  
سند مانتے ہیں تو کیا انھوں نے اصل کتاب نہج البلاغۃ میں حضرت علیؑ کے ایک خطبہ  
کے وہ فقرات نہیں ملاحظہ فرمائے جن میں بالفاظ واضح اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے  
کہا گیا ہے کہ معاویہؓ کے ساتھی تو بلا کسی عطیہ اور بخشش کے ان کا ساتھ دے رہے  
ہیں اور میں تمہیں عطیات کے علاوہ امدادی رقوم بھی دیتا ہوں مگر پھر بھی تم مجھ سے  
پراگندہ و منتشر ہو جاتے ہو۔ نہج البلاغۃ کے مشمول خطبہ مثلاً کے فقرات یہ ہیں۔

”أَوَلَيْسَ عَجَبًا أَنْ مُعَاوِيَةَ يَدْعُوا الْجَفَاةَ الطَّعَامَ فَيَتَّبِعُونَهُ  
عَلَى غَيْرِ مَعُونَةٍ وَلَا عَطَاٍ (الآخرہ) یعنی کیا یہ عجیب بات نہیں کہ معاویہؓ  
تو تند مزاج جفاکاروں کو دعوت دیتے ہیں اور وہ بظیر کسی بخشش و عطیہ

کے ان کی پیروی کرتے ہیں اور میں تمہیں تمہارے معینہ عطیوں کے علاوہ  
امدادی قوم دیتا ہوں پھر یہی تم مجھ سے پراگندہ و منتشر ہو جاتے ہو اور  
مخالفتیں کرتے ہو (نہم البلاغۃ)

ملاحظہ کیا آپ نے مودودی صاحب کی بیان کردہ مردود روایت کی خود  
حضرت علیؑ کے قول سے کیسی کچھ تردید و تکذیب ہو گئی۔ اب دیکھئے ایک دوسرے شیخ مورخ  
ابن جریر طبری خاص عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کے لئے بیت المال  
کا منہ کھولنے کی تدبیر تو خود حضرت علیؑ کی جانب سے ہوئی تھی وہ لکھتے ہیں :-

ولما فرغ علی من بیعة اهل البصرة  
نظر فی بیت المال فاذا فیہ مئتاۃ  
الف و زیادة فقسمها علی من شهد  
معه فاصاب کل رجل منهم خمس مائۃ  
خمس مائۃ وقال لکم ان اظفرکم الله  
عن رجل بالاشام مثلها الی اعطیاتکم  
(طبری ج ۵ ص ۲۲۳ طبع اولی)

(حضرت) علی جب اہل بصرہ کی بیعت سے  
فارغ ہو گئے تو انہوں نے جائزہ بیت المال کا لیا  
ساتھ لاکھ سے زیادہ رقم اس میں تھی جو انہوں  
نے ان لوگوں میں تقسیم کر دی جو ان کے ساتھ لڑائی  
میں شریک تھے۔ ہر شخص کے حصے میں پان پانسو  
کی رقم آئی پھر ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ملک شام  
میں تمہیں فتح یاب کرے تو اتنی ہی اور رقم عطیوں  
کے علاوہ تمہیں ملے گی۔

طبری جس کے حوالے مودودی صاحب نے بار بار دئے ہیں ان کے نزدیک بڑا معتبر  
ماخذ ہے اس کی مندرجہ بالا عبارت سے زیادہ اور کیا ثبوت بیت المال کا منہ کھولنے  
اور مال المسلمین کو حضرت علیؑ ہی کی جانب سے اپنے حامیوں میں تقسیم کئے جانے کا ہو سکتا  
ہے مگر یا لشور و پیہ فی کس انعامات ملنے اور اتنی رقم کے وعدوں کے باوجود یہ عراقی کرایہ  
کے سپاہی MERCENARY ایسے نابکار اور بے وفات ثابت ہوئے کہ حضرت  
موصوف کو بار بار ان کے شکوے اور مذمت میں ایسے کہات کہنے پڑے جو مولف پنج البلاغہ  
نے ان کے متعدد خطبات میں لکھے ہیں مثلاً :-

منیت من لا یطیع اذا امرت ولا | من یسے لوگوں میں مبتلا کر دیا گیا ہوں جو :-



یحبیب اذا دعوت (نہج البلاغۃ) | کہتا مانتے ہیں اور نہ پکار کا جواب دیتے ہیں۔

دوسرے خطے میں اپنے آدمیوں کی بیوفائی سے بد دل ہو کر یوں بد عا دیتے ہیں :-

قاتلکم اللہ لقد ملأتم قلوبی فیہا | اللہ تم لوگوں کو ہلاک کر دے تم نے میرے

مختم صدری غیظاً (ایضاً) | دل کو (غم کی) پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصے سے۔

آخر میں کراہی کے ان سبابیوں کی نافرمانیوں کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ حضرت

علیؑ ان سے پھپھا چھڑانا چاہتے تھے کس حسرت سے فرماتے ہیں :-

واللہ ان معاویۃ صار فنی | قسم بخدا میں آرزو کرتا ہوں کاش معاویہ مجھ سے

یکم صرف الدنیاء الدینا بالدم فخذ | تمہارا مبادلہ کر لیں جس طرح انتر فیاں روپوں سے بدلی

منی حشرأمنکم واعطانی رجلاً | جاتی ہیں وہ مجھ سے دس آدمی تم میں سے لے لیں اور

منہم (نہج البلاغۃ قسم اول ص ۲۵۴) | اپنا ایک آدمی مجھے دیدیں۔

ان دونوں بزرگواروں علیؑ و معاویہؓ کے پوزیشن کا فرق جو ان کی رعایا اور شکریوں کی

اطاعت و فرمانبرداری کے اعتبار سے اول سے آخر تک قائم رہا یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ تو تقریباً

بیس برس سے ملک شام میں مثالی حکمران رہے تھے اور اپنے حسن تدبیر اور حد درجہ علم و کرم

سے رعایا و شکریوں میں اس درجہ محبوب تھے کہ ادنیٰ اشارے پر تمام شکری اپنی جانیں

لڑا دیئے کو ہر وقت تیار تھے اور اب تو اپنے امام مظلوم کے قاتلوں اور ہوائیوں سے

جو حضرت علیؑ کی فوج میں شامل تھے جس کا اقرار مودودی صاحب کو بھی ہے (شمارہ جون ص ۴۴)

قصاص لینے کا ایسا جوش تھا کہ انہیں کسی مزید عطیہ و معاوضہ لینے کا خیال بھی نہ ہو سکتا اور نہ تھا

برخلاف اس کے عراقیوں کو گھمنڈ اس بات کا تھا کہ جس سیاسی انقلاب کے نتیجے میں حضرت

علیؑ کو زمام خلافت ہاتھ میں لینے کا موقع ملا وہ ہم ہی نے برپا کیا تھا ہم ہی نے لوگوں سے ان کی

بیعت کرائی ہم ہی ان کی حربی قوت کی ریڑھ کی ہڈی میں ہمارا کہنا انہیں بہر حال کرنا ہو گا اور

ہمارے مطالبات ماننے پڑیں گے الا شتر سبائی لیڈر حضرت علیؑ کا سب سے زیادہ معتمد علیہ

تھا اس کے ساتھیوں اور اپنے رشتہ داروں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے وہ مجبور تھے۔

مودودی صاحب کو خود بھی اس بات کا اقرار ہے (شمارہ جولائی ص ۳۳۳-۳۳۴) کہ حضرت

عثمانؓ کے دور خلافت میں "اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا..... ان حالات میں وہ انہی لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے جن پر وہ پوری طرح اعتماد کر سکیں "حضرت علیؓ کے حامیوں میں اکثریت سبائی عاقبوں کی تھی وہ اپنے ان ساتھیوں کے مطالبات پورا کرنے اور ان پر روپیہ صرف کرنے کے لئے مجبور بھی تھے۔ وہی خویہ جیسے آزاد مورخ کا یہ قول مودودی صاحب کی کتب مافذ کی تصریحات پر مبنی ہے کہ "بلوایوں کے جم غفیر نے (حضرت) علیؓ کو خلافت دلوائی اور طلحہ و زبیر کو ان کی بیعت کرنے پر مجبور کیا..... علیؓ کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنے حامیوں کی خواہشات کو پورا کریں جو بہر حال غیر مناسب و متناقض ہوتی تھیں (انسائیکلو پیڈیا برطانیکا) ان تاریخی حقائق کی روشنی میں ابن ابی الحدید کی مردود روایت کے سہارے مودودی صاحب کا بیان قطعاً طے لغو اتہام | مودودی صاحب نے ایک اور وضعی روایت کے چند لفظ الامامة والسياسة کے حوالے سے نقل کر کے حضرت عقیلؓ بن ابی طالب پر اتہام لگایا ہے اور لکھا ہے کہ:-

"ان سے (حضرت علیؓ سے) خود ان کے بھائی حضرت عقیلؓ نے چاہا کہ وہ بیت المال سے ان کو روپیہ دیں مگر انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا بھائی مسلمانوں کا مال تمہیں دے کر جہنم میں جائے۔"

ایک فالی مصنف کی کتاب سے مندرجہ بالا چند لفظ نقل کرتے وقت مودودی صاحب نے یہ نہ سوچا کہ حضرت عقیلؓ قصاص خون عثمانؓ کے مطالبہ میں چونکہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ

AL THE MASS OF THE MUTINEER - SUMMONED ALI TO THE CALIPHATE, AND COMPELED EVEN TALHA AND ZOB AIR TO DO HIM HOMAGE..... IT WAS NECESSARY THAT HE (ALI) SHOULD ACCOMMODATE HIMSELF TO THE WISHES OF HIS SUPPORTERS WHICH, HOWEVER, WERE INCONSISTENT. (ENCY. BRIT. VOL. XEP. 10. 11. P. 25, 26)



تھے لہذا وضعی روایتوں میں ان کے خلاف بہت کچھ زہرا لگایا گیا ہے اس لئے ایک بے سند روایت قبول کرتے وقت جو ان کے مانع میں محض لفظ "ذکر وا" کے ساتھ درج ہے بڑی احتیاط کی ضرورت تھی مگر وہ ایسا کیوں کرتے جب مقصد ہی حضرت معاویہؓ اور ان کے حامیوں کو ہدف ملامت بنانے کے لئے وہی روایتوں کا سہارا لیتا تھا۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ مودودی صاحب نے اپنے ناخذ الامامة والسياسة کا حوالہ دے کر بھی راوی کے بیان کا اخفا کرنے اور اپنے مطلب کے چند لفظ لے لیے ہیں ایسی تدلیسِ قلیس کا مظاہرہ کیا ہے جو ان کے درجے اور علمی مرتبے کے منافی ہے۔

سبائی راویوں کو حضرت عقیلؓ کا اپنے بھائی کے خلاف حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینا بہت اکھڑتا تھا خصوصاً اس حقیقت کے پیش نظر کہ حضرت علیؓ کے ایام خلافت میں ان کے اپنے گھرانے کے متعدد و اشخاص اور عزیز قریب جن کا ذکر مودودی صاحب نے بھی کیا ہے (شمارہ جولائی ۱۹۶۵ء ص ۳۳۳) نہ صرف ان کی خانہ جنگیوں میں ان کے ساتھ رہے تھے۔ بلکہ گورنری وغیرہ عہدوں پر بھی مامور رہے لیکن کسی عقیلی کا نام نہ ان کے عمال حکومت میں کہیں ملتا ہے اور نہ ان میں سے کسی نے جس وصفین کی لڑائیوں میں ان کا ساتھ دیا حالانکہ کئی فرزند ان عقیل حضرت علیؓ کے داماد بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عقیلؓ اور ان کے فرزند طلب قصاص خون عثمانؓ میں حضرت علیؓ کے طرز عمل اور یا ایسی کے خلاف تھے۔ الامامة والسياسة کے مولف نے جو اس زمانے سے تقریباً دوسو پونے دوسو برس بعد کتاب تالیف کر رہا ہے۔ حقیقت حال کی پردہ پوشی کے لئے پہلے تو حضرت عقیلؓ کا ایک مکتوب بنام حضرت علیؓ وضع کر کے نقل کیا ہے۔ جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ میں عمرؓ کے لئے گیا تھا دیکھا کہ "عائشہ و طلحہ و زبیر و غیرہ بصرے جا رہے ہیں انھوں نے نکث بیعت کیا ہے تم پر الزام قتل عثمانؓ" رکھوا علیہ قتل عثمانؓ بہت سے باغی اور اوباش ان کے ساتھ ہوئے ہیں۔ بنی امیہ کے "ابناء الطلقاء" میں سے چالیس سوار۔ بھی عبداللہ بن ابی مرہ کے ساتھ معاویہ کے پاس جا رہے تھے۔ مجھے تمہاری سلامتی کا خوف ہے لکھو تو میں تمہارے بھتیجوں اور تمہارے باپ کی اولاد بنی اخیوت و ولد ابیہ کو تمہاری مدد کے لئے

بھیج دوں" اس کے جواب میں حضرت علیؑ کا جو مکتوب وضع کیا ہے اس میں سبائی طرز پر یہ لکھوایا ہے کہ قریش آج تمہارے بھائی کے خلاف لڑنے کو اسی طرح مجتمع ہو گئے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مجتمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے میرے حق کو جھٹلا دیا۔ میرے فضل کا انکار کیا۔ اللہ کے نذر کو بچانے کی کوشش کی ہے اور میرے ابن عم (مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے) کی حکومت و سلطنت مجھ سے پھینکتے ہیں و سلبتبی سلطان ابن عمی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا تمہیں اپنے بیٹوں اور اپنے باپ کی اولاد و بی بیٹ کو میرے پاس بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے" اس وضعی مراسلت کے دو تین مہینے بعد ہی مودودی صاحب کے اس معتبر مولف نے حضرت عقیلؑ کو پیرانہ سالی میں کہ اس وقتہ برس کے لگ بھگ تھے آٹھ سو میل کی طویل مسافت طے کر کے مدینہ سے کوڈ محض اس غرض سے پہنچا دیا کہ قحط پڑ جانے سے بوجہ گرائی اشیاء ان پر کچھ قرض ہو گیا اس کی ادائیگی کے لئے بھائی کے پاس آئے تھے چنانچہ قدوم عقیل بن ابی طالب علی معاویہؓ کے عنوان سے روایت لکھی ہے جس کے چند لفظ مودودی صاحب نے نقل کئے ہیں یعنی حضرت عقیلؑ کو جب کو نے اپنے بھائی کے پاس راوی نے پہنچا دیا تو لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے خوش آمدید کہا پوچھا آپ کیسے آئے کہا "رقم و وظیفہ اب تک نہیں ملی ہمارے ملک میں قحط پڑ جانے سے گرائی اشیاء کی ہے مجھ پر قرض بہت ہو گیا اس لئے آیا ہوں کہ میری مدد کر دو" حضرت علیؑ نے کہا بخدا میرے پاس اپنے وظیفے کی رقم کے سوائے اور کچھ نہیں وہی تم لے جا سکتے ہو۔ حضرت عقیلؑ نے فرمایا تو کیا میں حجاز سے یہاں تمہارے وظیفے کی رقم وصول کرنے آیا ہوں اس سے میرا کیا بھلا ہوگا میری حاجت کیسے پوری ہوگی یہ سنکر راوی نے حضرت علیؑ کے منہ سے یہ فقرے ادا کر لئے ہیں هل تعلم لی ما لا غیرہ عام ترمیدان بحرقنی اللہ فی نار جہنمہ فی صلتک باموال المسلمین یعنی کیا تم سمجھے ہو کہ میرے پاس اس کے سوائے اور مال ہے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ مسلمانوں کا مال تمہیں دے دوں کہ اللہ جہنم کی آگ میں مجھے جھونک دے" اس پر حضرت عقیلؑ کے منہ سے کہلوایا ہے و اللہ اب تو میں اس شخص کے پاس چلا جاؤں گا جو تم سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے اس سے مروان کی حضرت معاویہؓ سے بھی چنانچہ راوی



لکھا ہے کہ وہ کوفے سے سیدھے دمشق جا پہنچے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کا اکرام کیا  
اہل شام سے یہ کہہ کر تعارف کرایا ہذا سید قریش وابن سید ہا یہ قریش کے سردار  
اور سردار قریش کے فرزند میں پھر انھیں بقول اس جھوٹے راوی کے اور کچھ نہیں تو تیس لاکھ  
اشرفیاں دلوائیں و امولہ معاویہ بنت ثمانۃ الف دینار (الامامہ والسیاستہ  
ج ۱ ص ۸۴) یہ ہے لغو روایت جس کے چند لفظ تو مودودی صاحب نے لے لئے روایت  
پوری بیان کرنے کی ہمت یقیناً اسی خوف سے نہیں ہوئی کہ اس کا ہر فقرہ ساختگی کی فحاشی کر رہا  
ہے مودودی صاحب کی نیت یک ہوئی تو یہ غور کرتے کہ حضرت عقیلؓ نسباً ہاشمی ہونے کی بنا پر  
بیت المال میں نہ صرف واجبی حق خمس کا رکھتے تھے بلکہ دیوان فاروقی کے مطابق وہ اور  
ان کے بیٹے مزید حق دار تھے ایسا اگر کوئی واقعہ پیش نہ بھی آیا تو انھیں ان کا  
حق دینا اور قرص ادا کرنا مسلمانوں کے مال میں تصرف کس طرح کہا جاسکتا تھا یہاں  
ہم امام شافعیؒ کی کتاب الام سے استشہاد کرتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ حضرت علیؓ کے  
نزدیک بیت المال میں بنو ہاشم کا حق تھا (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۱۴۸)

|   |   |
|---|---|
| <p>عن جعفر بن محمد عن ابن ابیہ ان<br/>حسنا وحسینا وعبد اللہ بن عباس<br/>وعبد اللہ بن جعفر سئلوا علیاً نصیبہم<br/>من الخمس فقال ہولکم حق ولکنی<br/>محارب معاویہ فان شئتم ترکتم<br/>حقکم منہ۔</p> | <p>جعفر بن محمد (بن علی بن حسین) سے مروی ہے انھوں نے<br/>اپنے والد کا حوالہ دیا کہ حسن وحسین وعبد اللہ بن عباس و<br/>عبد اللہ بن جعفر نے (حضرت) علیؓ سے خمس میں سے اپنا<br/>حصہ مانگا انھوں نے کہا وہ تمہارا حق ہے مگر میں اس وقت<br/>معاویہؓ سے جنگ میں مشغول ہوں اس لئے اگر تم چاہو<br/>تو اس وقت اس میں سے اپنا حصہ نہ لو۔</p> |
|---|---|

امام شافعیؒ کی اس روایت سے جو باسناد صحیح بیان ہوئی ہے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ  
کہ حضرت علیؓ اپنی خلافت کے استحکام کے لئے بیت المال مسلیں میں سے بے دریغ روپیہ صرف  
کر رہے تھے وہاں مودودی صاحب کی بیان کردہ اس مردود روایت کا بھی ابطال ہو جاتا ہے  
کیونکہ حضرت عقیلؓ کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو حضرت علیؓ جو بیت المال میں بنو ہاشم کا  
حق مانتے تھے ادا کیسکی سے انکار نہیں کر سکتے تھے لیکن یہ سارا قصہ ہی وضعی و من گھڑت ہے اور

حضرت عقیل کے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے کی لغو تاویل کے لئے گھڑ لیا گیا ہے۔

## شہادت مظلومیت عثمان ذی النورینؓ

مودودی صاحب کا عنوان ہے ”دوسرا مرحلہ“ (ص ۲۵۴) اس میں فرماتے ہیں:-

”حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو اگرچہ بہت سے لوگوں کو ناگوار تھا لیکن بحیثیت مجموعی ان کی خلافت میں خیر اس قدر غالب تھی اور اسلام کی سر بلندی کا اتنا بڑا کام ان کے عہد میں ہو رہا تھا کہ عام مسلمان پوری مملکت میں کسی جگہ بھی ان کے خلاف بغاوت کا خیال تک بھی دل میں لانے کے تیار نہ تھے“

لکھنے کو تو ”عمومیت کا اظہار کیا ہے مگر ان بہت سے لوگوں میں دو چار کے نام بھی مودودی صاحب نے نہیں لکھے جو حضرت عثمانؓ کی اس پالیسی کے خلاف تھے یعنی انھیں یہ ناگوار تھا کہ انھوں نے اپنے قریبی عزیزوں کو حکومت کے مناصب پر اس طرح فائز کر دیا کہ خراسان سے لے کر شمالی افریقہ تک کا پورا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں آ گیا (ص ۲۵۱ جون) اگر کسی ہاجر کسی انصاری کا یا عرب کے کسی ذی اقتدار شخص کا نام مودودی صاحب نے لکھا ہوتا تو اس پر غور کیا جاسکتا تھا لیکن نام کسی کا وہ کیسے بتا سکتے تھے جب کہ صورت حال یہ تھی اور وہ خود بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مخالفین کا ایک نہایت مختصر گروہ ان لوگوں کا تھا جنھیں عوام میں نہ کوئی مقبولیت حاصل تھی اور نہ کسی شہر میں ان کی عدوی قوت ایسی تھی کہ وہاں وہ امت کے متفق علیہ امام اور اس کے مقرر کردہ والیوں کے خلاف بغاوت کر سکیں۔ صراحت کرنے کی تو انھوں نے ہمت نہیں کی مگر ہم بتاتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن سبار کے جال میں پھنس جانے والے ہزار دو ہزار آدمیوں کا مختصر گروہ تھا۔ مودودی صاحب خود معترف ہیں:-

(جون ص ۲۵۴-۲۵۵)

”یہی وجہ ہے کہ جو مختصر گروہ ان کے (یعنی امیر المومنین حضرت عثمان صلوٰۃ اللہ علیہ کے) خلاف شورش برپا کرنے اٹھا اس نے بغاوت کی دعوت عام دینے کی بجائے سازش کا راستہ اختیار کیا۔ اس تحریک کے



علم بردار مصر، کوفہ اور بصرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے باہم خط و کتابت کر کے خفیہ طریقے سے یہ طے کیا کہ اچانک مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ پر دھاوا ڈالیں۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد یا ایسے کمزور الزامات پر مشتمل تھی جن کے معقول جوابات دئے جاسکتے تھے اور بعد میں دئے بھی گئے۔

پھر باہمی قرار داد کے مطابق یہ لوگ جن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہ تھی، مصر، کوفہ، اور بصرے سے بیک وقت مدینہ پہنچے۔ یہ کسی علاقہ کے نمایندہ نہ تھے بلکہ ساز باز سے انھوں نے اپنی ایک پارٹی بنائی تھی۔ جب یہ مدینہ کے باہر پہنچے تو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو انھوں نے اپنے ساتھ ملائے کی کوشش کی مگر تینوں بزرگوں نے ان کو جھڑک دیا اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمانؓ کی پولیشن صاف کی۔

مدینہ کے جاہلین و انصار بھی جو دراصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل صل و عقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہم لواہمنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ مگر یہ لوگ اپنی ضد پر قائم رہے اور بالآخر انھوں نے مدینہ میں گھس کر حضرت عثمانؓ کو گھیر لیا۔

یہ بیان مودودی صاحب کو بھی اس حد تک تسلیم ہے کہ وہ اسے پیش کرنے پر مجبور ہوئے، اسے جب کوئی غیر جانب دار شخص دیکھے گا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیگا کہ مودودی صاحب نے جن تفصیلات کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی فرد جرم مرتب فرمائی ہے وہ خود ان کے دل کی آواز ہے اس سے ہم عصرا مت کسی درجے میں بھی متفق نہ تھی۔ حضرت امیر المومنین اور ان کے والیوں کی مقبولیت و محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ جو حکومت دو براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی اس میں سے ابن سبأ، اور اس کے خاص چیلوں کو چھ برس کی مسلسل جدوجہد کے بعد صرف چند ہزار آدمی مل سکے اور وہ بھی کسی ایک علاقے کے نہیں بلکہ متفرق بستیوں میں سے یعنی کسی ایک اسلامی بستی میں بھی ان کی عدوی قوت اتنی نہ تھی کہ وہاں کی سیاست پر

اثر انداز ہو سکیں۔

پھر ان گم راہ لوگوں میں بھی سب کے سب ایسے نہ تھے کہ دل سے اس تحریک کے مقاصد سے متفق ہوں بلکہ چند باتوں کو غلط رنگ میں پیش کر کے وقتی طور پر انہیں اپنا شریک بنا لیا جاتا تھا کبھی کہتے کہ یہ قریش سب عالم اسلام پر حاوی ہو گئے ہیں کبھی کہتے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں اور وارثوں کو چھوڑ کر یہ دور کے لوگ کیسے حاکم ہو گئے۔ غرض یہ ہے کہ عربوں کو قریش کے خلافت اور انجیوں کو عربوں کو کے خلافت ابھارنے نے کی کوشش کرتے تو تھے۔ مگر اپنی جمعیت نہ بنا سکے۔

چند سازشی ایسے البتہ تھے کہ بالآخر وہ ہنگامہ پیا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس کے لئے انھوں نے وہ چال چلی کہ حضرت علیؑ کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابوبکر وغیرہ کے ذریعہ خلیفہ مظلوم پر مہلک حملہ کرا کے ایسا فتنہ کھڑا کر دیا کہ عالم اسلام تہہ و بالا ہو گیا۔ مودودی صاحب نے امیر المومنین ذوالنورینؑ کی شہادت پر غم و غصہ کا تو اظہار کیا ہے مگر بات پوری نہیں لکھی تاکہ پتہ چل جاتا کہ امیر المومنین ذوالنورینؑ کی شہادت میں امت کو کچھ دخل نہیں اور محض چند بد باطن اور شریر انفس لوگوں کی یہ سب کارروائی تھی۔

صورت یہ ہوئی کہ چھ برس تک مسلسل کوشش کے بعد کوفہ بصرہ اور فسطاط کے مرکروں کے تحت یہ لوگ چند ہزار آدمیوں کو اس مقصد سے منظم کر سکے کہ حضرت عثمانؓ کی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی کوشش کریں جب ایک دفعہ کامیاب ہو جائیں تو پھر قریش کی خلافت قائم نہ ہونے دیں۔ جیسا کہ حضرت معاویہؓ کے سامنے انھوں نے اپنی حماقت سے اظہار بھی کر دیا (ملاحظہ ہو عنوان سعید بن العاص)

ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ زاہدوں عابدوں کے بھیس میں ایک شہر میں مسافرانہ آتے اور کہتے کہ ہم فلاں امیر کے مظالم سے تنگ آکر یہاں آئے ہیں کیونکہ تمہارا امیر اچھا ہے۔ لوگ تعجب کرتے کہ امیر المومنین نے اس شہر میں ایسے ظالم شخص کو کیوں بھیجا ہمارے جیسے امیر کو کیوں نہ بھیجا۔ اسی طرح ہر شہر میں دوسرے شہر کے والی کے خلافت پر ونگنڈا کرتے یہ سب تفصیل طبری میں ہے۔



حضرت عثمانؓ کو جب اس قسم کی خبریں پہنچیں تو صحابہ کرام کا ایک وفد آپؐ نے مرتب کیا اور تحقیقات کے لئے انھیں مختلف علاقوں میں بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو کوفہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بصرے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو مصر بھیجا ان کے علاوہ اور لوگ دوسرے مختلف شہروں میں بھیجے گئے۔ یہ سب حضرات پوری طرح تحقیق کر کے واپس آئے اور بتایا کہ کسی جگہ کوئی بے یقینی نہیں سب لوگ اپنے اپنے والیوں سے خوش ہیں۔ حضرت عمارؓ جب مصر پہنچے روایت میں کہا گیا ہے کہ سباؤں نے ان سے رابطہ قائم کر لیا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مدینہ جانے سے انھیں مصر ہی میں روک لیا تھا اور اپنا ہمتو اور ہم صفر بھی بنا لیا۔ عامل مصر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے اس صورت حال سے مطلع کیا تو آپؐ نے حکم بھیجا کہ انھیں یہاں ہی محدود حضرت عمارؓ مدینہ کب واپس آئے اور کیا رپورٹ انھوں نے خلیفہ وقت کو اس خدمت کی انجام دہی پیش کی جس کے لئے وہ مصر بھیجے گئے تھے اس کا کچھ حال کسی مورخ نے بیان نہیں کیا۔ اس بارے میں آگے لڑنے جنگ صفین گفتگو آ رہی ہے۔

بہر حال سباؤں نے حج کے بہانے اور حاجیوں کے بھیس میں مصر اور کوفہ و بصرے سے اپنے آدمی اکٹھے کئے اور حج کو جانے کی بجائے مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ ان میں اشتر نخعی اور حکیم بن جبلة بھی تھے۔ حضرت عثمانؓ سے ان کو جو شکائتیں تھیں وہ بیان کیں اور جو اعتراضات تھے وہ پیش کئے۔ امیر المؤمنین نے انھیں مطمئن کر دیا۔ صحابہ کرام نے بھی انھیں سمجھایا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے۔ البتہ ایک مطالبہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر سے معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو والی بنادیں۔ آپؐ نے فرمایا تم کسے چاہتے ہو تو انھوں نے حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ کا نام لیا۔ ان کے نام فرمان ولایت دیدیا گیا اور یہ لوگ واپس ہو گئے۔

یہاں ان لوگوں کی یہ چال دیکھنی چاہیے کہ انھوں نے اس والی مصر حضرت عبداللہ بن سعد کی معزولی کا مطالبہ کیا جو مستقر ملافت سے دور تھے اور جہاں کی رعایا میں ذمیوں کی تعداد بہت تھی اور جہاں فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔ گویا عالم اسلام کے تمام والیوں میں

ایک حضرت عبداللہ بن ابی سرح ہی ایسے نظر آئے جن کی معزولی کا یہ لوگ مطالبہ کر سکتے تھے۔ ان ہانپوں میں کوڈہ اور بصرے کے لوگ بھی تھے جنہیں عادت تھی کہ والیوں کا تبادلہ کرانے کا مطالبہ کرتے رہیں۔ مگر اس موقع پر صرف ایک والی کی معزولی کا مطالبہ کیا اور ان کی جگہ چاہا کسے؟ ایک نا تجربہ کار مغلوب الغضب نوجوان حضرت علیؑ کے سوتیلے بیٹے کو کیونکہ انہیں آئندہ اسی سے کام لینا تھا۔

اب ایک قافلہ کو فہ روانہ ہوتا ہے، ایک بصرہ اور ایک مصر۔ لوگ اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ . . . تین روز کے بعد مختلف سمتوں میں جانے والے یہ تینوں قافلے اچانک واپس آجاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمیں امیر المؤمنین کا ایک غلام ملا ہے جو والی مصر کے نام ان کا ہر شدہ حکم لئے جا رہا تھا کہ محمد بن ابی بکر وغیرہ جب پہنچیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ بعض نے خط کا مضمون قدرے مختلف بیان کیا ہے۔

حضرت مسلمہ انصاریؓ نے یا بروایت دیگر حضرت علیؑ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ تو مختلف سمتوں میں گئے تھے، تین دن میں تو ایک دوسرے سے بہت دور ہونا چاہئے تھا تم اچانک اور ایک ساتھ کیسے پہنچ گئے یہ تمہارا بنایا ہوا منصوبہ معلوم ہوتا ہے (طبری ج ۵ ص ۵۰۵ طبع اولیٰ) ان لوگوں نے جواب میں کہا فضعمہ علی ما شتمنا لعلنا لعلنا الرجل ليعتزلنا (آپ لوگ جو چاہیں وہ معنی پہنائیں ہمیں اس شخص (یعنی امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی) ضرورت نہیں اسے چاہیے کہ ہمارا چھپا چھوڑے) یہ جواب صاف بتا رہا ہے کہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی بات تھی۔

ہوایہ تھا کہ جب یہ قافلے روانہ ہوئے تو دو آدمی مدینہ ہی میں رہ گئے یعنی اشتہر بنی اور حکیم بن جبلہ۔ یہ سب کارروائی ان کی تھی۔ انہوں نے صدقات کے مواشی خانے کے ایک غلام کا ضمیر خریدا اور اس کے ہاتھ حضرت ذوالنورین امیر المؤمنین کی طرف سے والی مصر حضرت عبداللہ بن سعد کے نام ایک خط لکھا جس کے الفاظ مختلف راویوں نے مختلف لکھے ہیں۔ اور اس شخص کو ہدایت کی کہ مصر کو اس طرح روانہ ہو کہ ان کے ہاتھ پڑ جائے۔ چنانچہ یہ شخص اسی طرح چلا کہ جیسے لوگوں سے کترا کر نکلتا چاہتا ہے اور ایسی حرکتیں کیں کہ خواہ



حواہ قافلے والے اس کی طرف متوجہ ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کے فکر و فریب کا پردہ چاک کرنا تھا۔ انھیں یہ تو معلوم تھا کہ حضرت عبداللہؓ والی مصر ہیں مگر یہ خبر نہ تھی کہ اس وقت وہ مستقر چھوڑ چکے تھے اور امیر المومنین کی اجازت سے مدینہ آرہے تھے۔ جس وقت ان مصریوں کا قافلہ حاجیوں کے بھیس میں روانہ ہوا ہے۔ حضرت عبداللہؓ اسی وقت کھٹک گئے تھے کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ چنانچہ انھوں نے امیر المومنین کی خدمت میں ایک تیز رو قاصد بھیجا اور مدینہ حاضر ہونے کی اجازت مانگی جو یہاں سے بھیج دی گئی۔ اور عبداللہؓ مصر سے روانہ ہو گئے۔ ابھی فلسطین میں داخل ہوئے تھے کہ حضرت عثمان ذی النورینؓ امیر المومنین کی شہادت کی اطلاع ملی۔ اسی لئے وہیں رک گئے (طبری ج ۵ ص ۱۲۲)

ان کے مصر سے ہٹتے ہی حضرت عثمانؓ کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی حذیفہ جو آپ کے سخت مخالف اور سبائی پارٹی کے سرگرم رکن تھے وہ مصر پر قابض ہو گئے لیکن باغیوں کو ان باتوں کی خبر کہاں تھی۔ وہ تو یہ سمجھے تھے کہ اس خط کا شاخسانہ کھڑا کر کے ہم اپنا موقف مضبوط بنا سکیں گے۔ مگر ہوا الٹا اور تمام عالم اسلام میں ان لوگوں سے نفرت پھیل گئی۔ یہ روئے اد طبری جیسے شیعہ مصنف کی کتاب میں ہونے کے باوجود لوگ حضرت عثمانؓ یا حضرت مروانؓ پر یہ خط لکھنے کا الزام رکھتے ہیں یا شبہ کرتے ہیں مگر اتنا نہیں سوچتے کہ جب بارگاہ خلافت سے حضرت عبداللہؓ کو مدینہ آنے کی اجازت بھیج دی گئی تھی تو ان کے نام کوئی خط کیسے بھیجا جاسکتا تھا۔ غرضیکہ سبائیت زدہ تو حضرت مروانؓ کو متہم کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ خط تحریر کیا تھا اور ایک گروہ نے حضرت علیؓ کو متہم کیا ہے بلکہ دے خویہ نے اپنے مسنون "خلافت" کے حاشیہ پر اس بات کا بھی اظہار کر دیا ہے کہ خود حضرت عثمانؓ کو یہ شبہ تھا کہ اس میں حضرت علیؓ کا کوئی ہاتھ تھا (انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا گیارہواں ایڈیشن جلد ۵ ص ۲۵)

THE HISTORY OF THE LETTER TO ABDALLAH B. SARM SEEMS TO HAVE BEEN A TRICK PLAYED ON THE CALIPH WHO SUSPECTED ALI OF HAVING HAD A HAND IN IT.

لیکن یہ سب کارروائی سبائیوں کی تھی حضرت علیؓ کا دامن اس سازش سے ہالک  
پاک ہے جیسا انھوں نے متعدد موقعوں پر بقسم شرعی اپنی بریت کا اظہار کیا ہے۔

اب آگے کا یہ بیان تو مودودی صاحب کا صحیح ہے کہ حضرت عثمانؓ سے معزول ہو جانے  
کے مطالبے پر یہ لوگ کس طرح مصر تھے پھر آپ کو شہید کرنے پر تل گئے اور کس طرح اہل مدینہ  
نے ان لوگوں کو مار بھگانے کی اجازت امیر المؤمنین سے لی مگر انھوں نے کسی طرح یہ اجازت  
نہ دی۔ بلکہ فرمایا کہ جو شخص میری بیعت پر قائم رہنا چاہتا ہے وہ ہتھیار رکھ دے اس سلسلے  
میں اہل مدینہ کے اصرار اور آپ کے انکار کی جو روئداد ہے اس کا بیان کرنا موجب طوالت  
ہوگا۔ حضرت کعب بن مالک انصاریؓ نے چار شعروں میں سب نقشہ کھینچ دیا ہے:-

فَكَفَّ يَدَيْهِ ثُمَّ أَخْلَقَ يَا بَهْ

انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ روک لئے پھر اپنا دروازہ بند کر لیا

وَقَالَ لِأَهْلِ الدَّارِ لَا تَقْتُلُوهُمْ

اور گھر کے محافظوں سے فرمایا انھیں قتل مت کرو

فَكَيْفَ سَأَيْتَ اللَّهُ صَبَّ عَلَيْهِمُ الزَّلَّةُ

تو پھر دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں باہمی محبت والے کسی بغض و عناد ان کے اندر ڈال دی

وَكَيْفَ سَأَيْتَ الْخَيْرَ أَدْبَرَ بَعْدَ لَا

اور دیکھ لو کہ ان کے (عثمانؓ کے) بعد کس طرح لوگوں کے درمیان سے خیر و برکت ایسے اٹھ گئی جیسے آندھی اڑنے لگے

یہ سب صحیح صورت حال اور اس سے ہر منصف مزاج شخص یہ تسلیم کرے گا کہ مودودی صاحب

نے جو عثمانؓ کا قاتل کے ہیں "تغیر کا آغاز" پہلا مرحلہ، دوسرا مرحلہ اور تیسرا مرحلہ اور ان کے تحت

یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف امت میں عام بے چینی تھی اور روز بروز بڑھ رہی تھی

یہ سب محض ان کی خیالی منظر کشی ہے۔ حقیقتاً ایسی کوئی بات نہ تھی اور تمام عالم اسلام اپنے اس

مثالی امام کے زیر سایہ روز افزوں ترقی کر رہا تھا۔ ظاہری اور باطنی، انفرادی اور اجتماعی

زندگی کی ارتقائی منزلیں سرعت سے طے ہو رہی تھیں دشمنان امت ان ترقیوں سے خار

کھا رہے تھے انھوں نے یہ سب فتنہ برپا کر کے عالم اسلام کے جسم میں وہ ناسور پیدا کر دیا



کہ جس کے اندمال کی اس وقت تک کوئی صورت نہیں جب تک مودودی صاحب جیسے لوگ تاریخ پر خامہ فرسائی کرتے رہیں گے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف نہ کہیں عام بے چینی تھی اور نہ ان کی شہادت میں امت کا کوئی ہاتھ ہے۔ اگر خاتم بدین حضرت عثمانؓ سے کسی درجے میں امت ناراض ہوتی تو کیا ان کی شہادت سے یہ عالم ہوتا کہ جیسے سارا جہاں تہہ وبالا ہو گیا ہو۔ آخر اور بھی بڑے بڑے لوگ قتل ہوئے ہیں کسی کے قتل پر بھی امت میں ایسی آگ لگی جیسے حضرت عثمانؓ سید المظلومین صلوٰۃ اللہ وسلام علیہ کی شہادت پر؟

جس شخص کو انصاف کے ساتھ عہد عثمانی اور اس کے بعد کے حالات مطالعہ کرنے کی توفیق ہوگی ایسے یہ یقین ہو جائے گا کہ حضرت عثمانؓ سے زیادہ محبوب خلیفہ کوئی نہیں عقیدت واحترام اور تعظیم و تکریم کے مستحق تو پہلے اور بعد کے خلفاء ہوئے ہیں لیکن جسے محبوبیت کہتے ہیں وہ تو عثمانؓ پر ختم ہو گئی۔ یہ محبوبیت ایسی مثالی تھی کہ شاعر اپنی محبوبہ سے کہتا ہے۔

أَجَبْتُكَ وَالرَّحْمَنِ حَبِّ قُرَيْشٍ عِثْمَانُ

مخدا میں تجھ سے ایسی محبت کرتا ہوں جیسی قریش کو عثمانؓ سے

## بیعت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب نے حضرت علیؓ کے استحقاق خلافت پر البدایہ والنہایہ کے

حوالہ سے لکھا ہے کہ ۱۔

”حضرت عبدالرحمن بن عوف نے امت کی عام رائے معلوم کرنے کے بعد

فیصلہ دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد دوسرے شخص جن کو امت کا زیادہ سے

زیادہ اعتماد حاصل ہے حضرت علیؓ ہی ہیں“

حضرت علیؓ کے درجہ ومقام کا ہمیں انکار نہیں لیکن ان کی خلافت کا یہ استحقاق

حضرت عبدالرحمنؓ کے کسی اعلان کے مطابق ہرگز ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس بارے میں

صحیح بخاری سے حضرت عبدالرحمنؓ کا بیان تو یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں

بہت ہی کم لوگوں نے رائے دی تھی (ملاحظہ ہو ج ۴، کتاب الاحکام ص ۲۴۵-۲۴۶)  
 اما بعد! اے علی! میں نے لوگوں کی یہ بات دیکھی کہ وہ  
 امر الناس فلم ارحم يعد لون بعثان | عثمان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے۔ لہذا تم اپنے دل میں  
 فلا تجعل علی نفسک سبیلا۔ | کسی خیال کو جگہ مت دو۔

اصل صورت یہ تھی جو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ جن چھ بزرگواروں کو حضرت فاروق اعظمؓ  
 نے اپنے بعد نام زد کیا تھا کہ وہ آپس میں کسی ایک پر مجتمع ہو جائیں تو ان میں سے چار حضرات نے  
 برضا و رغبت اپنا حق چھوڑ دیا تھا اور خلافت کے خیال سے دست بردار ہو گئے تھے۔ ان  
 میں سے ہر صاحب ہر اعتبار سے یکساں عظمت و حرمت رکھتے تھے۔ مودہ دی صاحب کا یہ  
 یہ خیال محض جذباتی ہے کہ "ان میں سے حضرت علیؓ ہر لحاظ سے پہلے نمبر پر تھے" حقیقت سے اس کا  
 کچھ تعلق نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو انہی پر اتفاق کر لیا جاتا۔ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کا استحقاق  
 محض اس وجہ سے تھا کہ باقی حضرات الگ ہو چکے تھے اور جو دو بچے تھے ان میں سے ایک امیدوار  
 خلافت پر فائز رہ کر شہید ہو چکے تھے۔ اگر حالات معمول پر ہوتے اور حضرت عثمانؓ کی وفات  
 طبعی ہوتی اور وہ بے وصیت کئے اس دنیا سے جاتے تو ایک درجے میں یہ اندازہ لگایا جاسکتا  
 ہے کہ حضرت علیؓ کی طرف نگاہیں اٹھتیں

بلکہ اغلب یہ ہے کہ انتخاب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ہوتا کیونکہ وہ سابقیت کے  
 علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علیؓ سیاست میں نمایاں حصہ لے چکے تھے یعنی وہ جیسے  
 بے جگر مجاہد اور عظیم فاتح تھے اسی شان کے ساتھ انھیں جہان بینی کا بھی تجربہ تھا۔ اور وہ علیؓ  
 ثبوت دے چکے تھے کہ بستیاں کیسے بسائی جاتی ہیں اور شہریوں میں میزان عدل کیسے قائم  
 کی جاتی ہے اور نظم و نسق کیسے چلایا جاتا ہے علیؓ کا ایسا کوئی کارنامہ نہیں۔ حضرت  
 سعدؓ خلافت و امارت سے چونکہ بے نیاز تھے اور ان کے پیش نظر صرف اتنا تھا کہ مسلمان  
 اپنا سیاسی نظام کیسا ہی رکھیں مگر آپس میں لڑنے سے گریز کریں اور اگر قربانی کی ضرورت ہو  
 اور ملت کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں اس لئے  
 انھوں نے اپنی ساری عمر قربانیوں اور امن کوشیوں میں گزار دی اور زندگی کا مقصد سوائے





اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں لوگوں کا عام خیال یہی تھا کہ اگلے خلیفہ حضرت زبیرؓ ہی ہوں گے اور وہی اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنے محترم و محبوب تھے اور ان کے معتد کہ معتد و اجلہ اصحابہ نے انھیں اپنا وصی بنایا تھا اور وہ نہایت شفقت و محبت و امانت سے اپنے فرائض پورے کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، ابن مسعودؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت مطہر بن الاسودؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے داماد حضرت ابوالعاصؓ بن الربیع نے حضرت زبیرؓ ہی کو اپنا وصی بنایا تھا۔ اور آپ کی شان یہ تھی کہ ان سب کے اہل و عیال کی پرورش اپنے مال سے کرتے تھے اور ان کے اموال کو محفوظ رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ بہت مقروض ہو گئے تھے۔ حضرت ابن الزبیرؓ نے آپ کے بعد برسوں میں وہ قرض ادا کیا۔

ان امور کی روشنی میں مودودی صاحب کا یہ تصور مبطل ہے کہ حضرت علیؓ سے افضل کوئی شخص نہ تھا۔ صحیح اور معتدل رائے یہ ہے کہ وہ بھی مجملہ ان بزرگواروں کے تھے جن پر نگاہیں اٹھ سکتی تھیں۔

چنانچہ شیعہ مورخ طبری کی روایت میں (ج ۵ ص ۱۵۵) ہے کہ مصری بلوایوں نے تول حضرت علیؓ کو خلافت پیش کی کو فیوں نے حضرت زبیرؓ کو اور بصریوں نے حضرت طلحہؓ کو۔ ان تینوں حضرات نے آمادگی ظاہر نہ کی تب ان سب نے حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کے پاس وفد بھیجا۔ طبری کے الفاظ ہیں :-

تب انھوں نے (حضرت) سعد بن ابی وقاص کے پاس وفد بھیجا کہ "آپ اہل شوریٰ میں ہیں اور ہم سب کا آپ کے بارے میں اتفاق رائے ہے لہذا آپ تشریف لے آئیے تاکہ ہم آپ سے بیعت کریں۔" آپ نے انھیں یہ جواب بھیجا "میں اور ابن عمر اس معاملے سے نکل چکے ہیں اور مجھے اس میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

تب وہ (حضرت) عبداللہ بن عمر کی خدمت میں حاضر

فبعثوا الی سعد بن ابی وقاص  
وقالوا اننا من الشوریٰ فرأیتنا  
فیکتجمع فاقدم نبایعتک -  
فبعث الیہم "انی وابن عمر خرجنا  
منہا فلا حاجة لی فیہا"

ثم انہما اتوا ابن عمر عبد اللہ



فَقَالُوا اِنَّ ابْنَ عَمْرِو فَعَمَ بِهَذَا الْاَمْرِ  
فَقَالَ اِنَّ هَذَا الْاَمْرَ اَنْتَقَامًا وَاِنَّ اللهَ لَا  
اَتَعْرِضُ لَهٗ - فَالْتَمَسُوا غَيْرِي -

ہوئے اور عرض کیا "آپ (حضرت) عمرؓ کے فرزند ہیں  
لہذا آپ خلافت کے لئے کھڑے ہوں گے۔ آپ نے  
فرمایا یہ وہ معاملہ ہے کہ اس کا انتقام لیا جائیگا  
مجھ میں اپنے آپ کو اس کے لئے پیش نہیں کروں گا۔  
تم کسی اور کو تلاش کرو۔

یہ ایک شیعی مصنف کا بیان ہے جو مودودی صاحب کا ماخذ بھی ہے اس سے معلوم  
ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کو خلیفہ بنانے کی خواہش الگ الگ مختلف  
گروہوں کو تھی۔ لیکن ان حضرات سے مایوس ہو کر انھوں نے سب کے اتفاق رائے سے جس شخص  
کی خدمت میں وفد بھیجا وہ اول حضرت سعدؓ تھے اور پھر حضرت ابن عمرؓ کو یا باغی اور مفسد بھی  
یہ جانتے تھے کہ اس ماحول میں اگر کسی شخص پر جماع ہو سکتا تھا تو وہ حضرت سعدؓ کی ذات تھی  
اور ان کے بعد حضرت ابن عمرؓ کی۔ مودودی صاحب کا یہ قول باطل ہے کہ حضرت علیؓ سے افضل تھے  
مودودی صاحب کا دعویٰ ہے (جون ص ۲۵۹) کہ رسول اللہ صلی اللہ  
عقد بیعت علیہ وسلم کے اصحاب اور دوسرے اہل مدینہ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور  
ان سے کہا "یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ لوگوں کے لئے ایک امام کا وجود  
ناگزیر ہے اور آج آپ کے سوا ہم کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس منصب کے لئے آپ سے  
زیادہ مستحق ہو۔ نہ سابق خدمات کے اعتبار سے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے  
اعتبار سے۔ انہوں نے انکار کیا اور لوگ اصرار کرتے رہے۔"

یہ بیان بھی محض خیالی اور جذباتی ہے۔ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اسی خلافت  
واقعیہ بات کیسے کہہ سکتے تھے۔ کیا انھیں معلوم نہ تھا کہ حضرت علیؓ کی جہادی خدمات صرف حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک تھیں۔ اور عہد رسالت کے ان جہادی معرکوں میں بھی وہ  
منفرد نہ تھے دیگر صحابہ حضرت حمزہؓ، حضرت سہاکؓ، ابو دھانہؓ، انصاریؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہم  
نے بڑھ بڑھ کر حصہ لیا تھا۔ مسلمانوں پر بعد میں جو مصیبتیں آئیں اور جیسے قوی دشمنوں سے انھیں  
برسر بیکار ہونا پڑا، ان میں حضرت علیؓ نے کوئی حصہ نہیں لیا حالانکہ ان کی جوانی کا عالم تھا

بعد رسالت کے بعد کسی ایک جہاد میں بھی ان کا نام نہیں ملتا۔ خلافت اس کے حضرت سعد اور حضرت زبیرؓ حضرت خالد بن ولیدؓ سید اللہ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دئے کہ رہتی دنیا تک یہ اُمت ان پر فخر کرے گی اور ان کی احسان مند رہے گی۔ لہذا ان دونوں کی موجودگی میں نہ سابق خدمات کا ذکر کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کا کیونکہ ایک آپ کے ماموں ہیں اور ایک سگی پھوپھی کے بیٹے۔ علاوہ ازیں خلافت کے معاملے میں رشتہ داری کبھی وجہ امتیاز و استحقاق نہیں سمجھی گئی اور نہ قواعد دینیہ کے تحت سمجھی جاسکتی ہے۔ وہاں تو محض مصالحِ ملیہ پر مدار کار تھا۔ یہ تقریر اگر کی ہوگی تو صحابہ کرام نے نہیں بلکہ ان لوگوں نے کی ہوگی جو آپ کو خلیفہ بنانے میں اپنی عافیت سمجھتے اور انھیں معلوم تھا کہ جس طرح آپ کی سیاست پر غالب آکر وہ اپنے مقاصد پورے کر سکتے تھے اس طرح دوسرے کے تحت امکان نہ تھا۔ اگر اہل مدینہ اور اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا ہوتا اور آپ کی بیعت پر اجماع کر لیا ہوتا تو وہ واقعات کیوں رونما ہوتے جو بعد میں ہوئے اور آپ کی خلافت کی آئینی حیثیت کیوں آخر تک زیر بحث رہتی اور کیوں آپ صفین میں ثالثی پر راضی ہو کر ثالثوں کے فیصلے کا اپنے آپ کو پابند بناتے اور کیوں ثالثوں کا فیصلہ آپ کے خلافت ہوتا اور ہم یہ کیوں دیکھتے کہ ثالثوں کے فیصلے کے بعد آپ کے علاقے یکے بعد دیگرے بغیر کسی جنگ کے آپ کے تصرف سے نکلتے چلے گئے اور کیوں آپ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ حضرت معاویہؓ سے بیعت کرتے اور کیوں اس اجتماع کی خوشی میں صحابہ کرام اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھتے۔ اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت اجماعی نہیں تھی۔

پھر ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اگر اہل مدینہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر حضرت علیؓ کی بیعت کی آئینی حیثیت تسلیم کر چکے ہوتے اور ان کی بھاری اکثریت نے بیعت کر لی ہوتی تو جن لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنایا تھا وہ مدینے کی فضا کو اپنے لئے ناسازگار کیوں پاتے اور کیوں ان کی کوشش ہوتی کہ کسی طرح آپ کو کوفے لے جائیں جو ان لوگوں کا گڑھ تھا۔ چنانچہ کوفے ایسے گئے کہ پھر لپٹ کر نہ کبھی دیار رسول (مدینہ منورہ) آئے اور نہ حج کے لئے



مکہ معظمہ - شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

حضرت مرتضیٰ برائے ان اقامت حج بذات خود نتوانست نمود بلکہ  
بعض سنین نائب ہم نتوانست فرستاد ..... حال آنکہ خلفائے سابق  
اقامت حج بنفس خود میکردند الا بعد زواقامت حج ضمیمہ خلافت بود بلکہ از  
خواص خلیفہ (ازالہ الخفافہ ص ۱۳۴)

اگر کہا جائے کہ جنگوں کی وجہ سے آپ کو مدینہ سے نکلنا پڑا تب بھی سوال ہے کہ  
مستقر خلافت مدینہ ہی کیوں نہ رکھا اور کیوں وہاں سے تمام تعلقات منقطع کر کے کوفہ کو دار الخلافہ  
بنایا۔ جو لوگ سیاسیات عالم سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ حاکم اعلیٰ اپنے دارالحکومت  
سے کتنی ہی مدت تک کتنی ہی دور رہے وہ اپنا دارالحکومت نہیں بدلتا جب تک وہ اس پر مجبور نہ ہو جائے۔  
حضرت اورنگ زیب عالمگیر قدس سرہ کے آخری پچیس سال دکن میں گزرے اور وہیں  
وفات پائی لیکن دارالحکومت شہر دہلی ہی رہا اور برابری کو سیاسی مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔ اسی طرح  
حضرت علی بھی مدینہ کو اپنا دار الخلافہ رکھ سکتے تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے عہد میں مدینہ طیبہ اپنی  
مرکزیت کھو چکا تھا اور سیاسیات اسلامیہ میں اہل مدینہ کی حیثیت ارباب حل و عقد کی نہیں تھی بلکہ  
ادنیٰ داعی کسی معاملے میں اہل مدینہ کی رائے محبت سمجھی جاتی تھی۔ یہی حسی اور عملی دلیل ہے کہ اہل  
مدینہ کی اکثریت نے آپ سے آئینی بیعت نہیں کی تھی اور جنہوں نے کر لی تھی وہ آپ کے ساتھ کوفہ آ گئے تھے۔  
مروودی صاحب کا دعویٰ ہے (جون ص ۲۵۹ - ۲۶۰)

”پھر مسجد نبوی میں اجتماع عام ہوا اور تمام ہجیرین و انصار نے  
ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ صحابہ میں صرف سترہ یا بیس ایسے بزرگ تھے جنہوں نے  
بیعت نہیں کی۔ اس روایت سے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت علیؑ  
کی خلافت قطعی طور پر ٹھیک ٹھیک انہی اصولوں کے مطابق منعقد ہوئی تھی  
جن پر خلافت راشدہ کا انعقاد ہو سکتا تھا۔ وہ زیر دستی اقتدار پر قابض  
نہیں ہوئے۔ انہوں نے خلافت حاصل کرنے کی برائے نام بھی کوشش نہیں  
کی۔ لوگوں نے خود آزا داند مشاورت سے ان کو خلیفہ منتخب کیا۔ صحابہ کی عظیم

اکثریت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں شام کے سوا تمام بلاد اسلامیہ نے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔

مودودی صاحب کا یہ کہنا تو غلط نہیں کہ حضرت علیؓ زبردستی اقتدار پر از خود قابض نہیں ہوئے مگر اس تاریخی واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک اندوہناک انقلاب کے ذریعہ وہ برسر اقتدار آئے تھے اور انقلاب پیدا کرنے والے ہی انھیں خلیفہ بنانے میں پیش پیش رہے تھے لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ اہل مدینہ نے آزادانہ مشاورت سے انھیں خلیفہ منتخب کیا تھا اور صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان سے بیعت کر لی تھی اور یہ کہ صرف سترہ یا بیس بزرگ ایسے تھے جنھوں نے بیعت نہیں کی۔

آزادانہ مشاورت سے خلیفہ منتخب نہ ہونے کی حتیٰ دلیل تو یہ ہے کہ صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان کی سیاسی سرگرمیوں میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ قواعد شرعیہ کے مطابق جب ایک شخص سے بیعت کر لی جائے تو پھر اس کے سیاسی اقدامات میں اس کا ساتھ دینا لازمی ہے۔ اقدام سے پہلے ہر شخص کو موافق و مخالف رائے دینے کا حق ہے لیکن جب امام فیصلہ کر لے تو پھر امام کی متابعت سے گریز کا کوئی جواز نہیں۔ مفترض الطاعة کے معنی یہ ہیں کہ صرف امام کے اجتہاد پر عمل ہو اور یہی صحابہ کرام کا معمول تھا۔ اور دین کا یہی اصول انھوں نے امت کو سکھایا ہے جس پر یہ امت عمل کرتی چلی آرہی ہے۔

سیاسی اقدامات تو اپنی جگہ رہے جہاں سوائے امام کے کسی کا اجتہاد چل ہی نہیں سکتا اور سب کو اس کی اطاعت لازم ہے اور اس سے گریز اسی وقت ہو سکتا ہے جب کتاب و سنت کے مطابق اسے معصیت الہی سمجھ لیا جائے لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ علمی اور فقہی مسائل میں بھی وہ امام کے اجتہاد کو ترجیح دیتے تھے اگرچہ ان کا فتویٰ ان کے اپنے مذہب پر ہو۔ اس کے ایک واضح مثال ہمیں صحیح مسلم میں ملتی ہے۔

(ج ۱، ص ۱۵۱، طبع مصر)

”حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں طواف بیت اللہ اور صفا و مروہ کی سعی کے بعد عمرہ پورا کر کے احرام کھول دیا تھا اور



پھر ع کے لئے احرام باندھنا آپ فرماتے ہیں میں یہی فتویٰ بھی دیا کرتا تھا لیکن خلافت فاروقی میں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ فتوے دینے میں جلدی نہ کیجئے امیر المؤمنین نے اس میں کچھ ترمیم کی ہے چنانچہ میں نے اعلان کر دیا کہ جن لوگوں کو میں نے فتویٰ دیا تھا وہ رک جائیں اور ابھی احرام نہ کھولیں۔ امیر المؤمنین تشریف لارہے ہیں ان کے حکم کا انتظار کیا جائے۔“

اسی طرح امیر المؤمنین عثمانؓ نے جب حج کے موقع پر قصر نہیں کیا اور نماز پوری پڑھی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اس پر اعتراض کیا۔ آپ نے قصر نہ کرنے کی وجہ بتا دی تو حضرت عبدالرحمنؓ پھر حضرت ابن مسعودؓ کے پاس گئے اور یہ بات بتائی۔ انھوں نے فرمایا ”اختلاف ٹھیک نہیں مجھے جب اطلاع ملی کہ انھوں نے چار رکعتیں پڑھی ہیں تو میں نے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ چار ہی پڑھیں البتہ اب وہی ہوگا جو آپ فرماتے ہیں“ (طبری ۵: ۵۶ - ۵۷ منقول از العواصم ص ۸۰)

صحابہ کرام جب اجتماعی عبادات میں اپنا فقہی اجتہاد چھوڑ دیتے تھے تو سیاسی معاملات میں بدرجہ اولیٰ وہ امام کا اتباع واجب جانتے تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حمل و صفین کی جنگوں میں شرکت سے اکابر صحابہ اور امت کی عظیم اکثریت نے احتراز کیا۔ صحاح میں صحابہ کے ایسے اقوال متعدد دیکھے جہاں مروی ہیں جن سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ ان جنگوں میں شریک ہونا درست نہیں سمجھتے تھے۔ اس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے حضرت علیؓ کو مفترض الطاعہ نہ سمجھا اور ایسا وہ سمجھ نہیں سکتے تھے اگر ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہوتے اور آئینی انتخاب ہوا ہوتا۔  
موردی صاحب فرماتے ہیں (شمارہ جون ص ۲۵۹)

”ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر آٹھ سو ایسے صحابہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے جو بیعت الرضوا کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔“

ابن عبدالبر کا زمانہ جنگ صفین سے سوا چار سو برس بعد کا زمانہ ہے اس لئے خود ان کا تو کوئی بیان شریک جنگ کی حیثیت سے ہو نہیں سکتا اور کسی عینی شاہد کے بیان کا کوئی

سلسلہ اسناد انہوں نے پیش نہیں کیا ہذا یہ قول چاند و غلے کی گپ سے زیادہ کیا حقیقت رکھ سکتا ہے۔ مودودی صاحب الاستیعاب اور الاصابہ فی تیز الصحابہ ان دونوں کتابوں سے جو احوال صحابہ پر مشتمل ہیں ان صحابہ کی فہرست مرتب کر کے بتائیں جو جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ محض اصحاب بیعت الرضوان اور اکابر و مشہور صحابہ تو کیا ان سب کو ملا کر اگر ان صحابہ کو بھی شامل کر لیں جن پر صحابیت کا اطلاق ہوتا ہے اور پھر ایسے سو حضرات کے نام بھی وہ صحیح حوالوں سے نکال سکیں جو صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے تو ہم بیعت الرضوان میں شریک ہونے والے آٹھ سو اصحاب کو صفین میں حضرت علیؑ کے جھڑے کے نیچے تسلیم کر لیں گے۔

صفین میں حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی طرف شریک ہونے والے صحابہ میں صرف بیس بچیں سے زیادہ نام اکابر کے نہیں نکالے جاسکتے اور جن پر صحابیت کا اطلاق ہوتا ہے وہ دونوں طرف سو ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ تھے۔ جمہور صحابہ کرام اور امت کی بھاری اکثریت ان جنگوں سے غمزدہ تھی۔ اور جو حضرات شریک ہوئے مع حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کے وہ ساری عمران اقدامات پر پشیمانی کا اظہار اور استغفار کرتے رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: (مہاج السنہ ج ۲ ص ۲۱۹-۲۲۰)

كان ترك القتال خيرا  
للطائفتين مع ان عليا كان اولي  
بالحق - هذا قول احمد واكثر  
اهل الحديث واكثر ائمة الفقهاء  
وهو قول اكابر الصحابة والتابعين  
اهم باحسان وهو قول عمران بن  
حصين وكان ينهى عن بيع السلاح  
في الفتن وهو قول اسامة بن زيد  
ومحمد بن مسلمة وابن عمر وسعد

دونوں فریقوں کے لئے جنگ سے اعتراز بہتر تھا  
اگرچہ حق سے حضرت علیؑ زیادہ قریب تھے۔ یہ قول ہے  
امام احمد اور اکثر اہل حدیث کا اور اکثر ائمہ فقہاء کا اور  
یہی قول ہے اکابر صحابہ اور تابعی کے ساتھ ان کا اتباع  
کرنے والوں کا اور یہی قول تھا حضرت عمران بن حصین  
کا وہ ان جنگوں میں ہتھیاروں کی خرید و فروخت سے روکتے  
تھے اور فرماتے تھے کہ ہتھیاروں کی فروخت فتنہ انگیز ہوگی اور  
یہی قول تھا حضرت اسامہ بن زید کا (حضرت) محمد بن مسلمہ کا  
(حضرت) بن عمر کا (حضرت) سعد بن ابی وقاص کا دوران بزرگواروں



میں سے اکثر کا جو سب سے پہلے ایمان لانے والے  
مہاجرین و انصار اس وقت موجود تھے۔ اسی لئے  
اہل السنۃ کا یہ مذہب ہے کہ صحابہ کے اختلاف کے  
بارے میں زبان و قلم کو روکیں۔ کیونکہ ان کے تضائل  
سب سے زیادہ ہیں اور ان کی سوالات و محبت واجب  
ہے۔

بن ابی وقاص و اکثر من بقی من  
السابقین الاولین من المهاجرین  
والانصار و لهذا کان مذهب  
اہل السنۃ الامساك عما شجر  
بین الصحابة فانه قد سبقت  
فضائلهم و وجبت موالا تهم و محبتهم

اگر صحابہ کرام کی بھاری اکثریت نے حضرت علیؑ کو امام منترض الطاعہ سمجھا ہوتا یا حضرت معاویہؓ  
کو وہ باغی جانتے تو ان کا یہ مذہب نہ ہوتا بلکہ حسب فرمان خداوندی اور حسب اصول شرعیہ  
ان پر واجب تھا کہ حضرت علیؑ کا ساتھ دیکر حضرت معاویہؓ سے اس وقت تک قتال کرتے رہیں  
جب تک انھیں زیر نہ کر لیں۔

صحیح صورت حال یہ ہے اور اسی کی تائید واقعات ثابتہ سے ہوتی ہے کہ تعلیمات بنویہ کے  
مطابق جمہور صحابہ کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان آپس میں نہ لڑیں اور صلح و صفائی سے نزاعی مسائل  
کا تصفیہ پر امن ماحول میں کریں۔

نزاعی مسئلہ صرف ایک تھا کہ امت کے متفق علیہ امام کو جن لوگوں نے ظلماً اور بغیر کسی  
حجت کے شہید کیا ہے وہ سب لوگ احکام خداوندی کے مطابق واجب القتل ہیں اور جب تک  
چُن چُن کر انھیں قتل نہ کر دیا جائے اس وقت تک احکام شرعیہ کی بجا آوری کی تکمیل نہیں ہوگی۔  
اسی مسئلے سے خلافت کا یہ ذیلی مسئلہ پیدا ہوا۔ کہ حضرت علیؑ کی خلافت چونکہ ان باغیوں  
اور مفسدوں نے اپنے زور سے قائم کی ہے اور یہی اس خلافت پر حاوی ہیں لہذا اس  
طریقہ انتخاب کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا اس لئے از سر نو انتخاب ہو۔

حضرت علیؑ کی شخصیت اور صحابہ کرام میں ان کی حیثیت کے بارے میں کسی کو کوئی اختلاف  
نہ تھا۔ اگر واقعی وہ اجماع صحابہ کے ذریعہ ہر امر اقتدار آئے ہوتے تو جمہور صحابہ و تابعین  
ان کا ساتھ دیتے اور ان کے مخالف باغی قرار پاتے۔

لیکن صورت حال یہ تھی کہ جب فساد یوں نے ان کی خلافت کا اعلان کیا اور سب سے

پہلا شخص جس نے ان سے بیعت کی وہ اشتر نخعی تھا اور انہی لوگوں کے اجتماع میں اس خلافت کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ تو اس وقت صحابہ کرام کے تین طبقے ہو گئے۔ ایک قلیل تعداد نے تو بیعت کر لی خواہ بجز جیسا طبری وغیرہ کی روایتوں میں ہے۔ دوسری جماعت صحابہ نے ان کی خلافت کو ناجائز سمجھا اور وہ مدینہ طیبہ سے چلے گئے اور بعد میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے۔ باقی بھاری اکثریت نے بیعت کرنے سے توقف کیا اور اپنا مسلک یہ اختیار کیا کہ ان کی خلافت ہر پارہنے دی جاوے اور ان کے زیرنگیں علاقے میں امن قائم رکھا جائے تا آنکہ امت ان پر مجتمع ہو جائے۔

جو صحابہ اس خلافت کا انعقاد ناجائز سمجھتے تھے ان کا موقف یہ تھا کہ قاتلوں سے قصاص لیا جائے اور صحابہ کے عام اجماع میں اس خلافت کی آئینی حیثیت کے بارے میں فیصلہ ہو ان کے مقابلے میں کسی نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ متوازی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ جمہور صحابہ نے صرف بیعت سے توقف کیا اور قاتلوں کے شعل باہمی بھڑکتے کی طرف دعوت دی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں اور آپ کا فرمانا بالکل درست ہے اور واقعات کے عین مطابق کہ

|  |  |
|--|--|
| <p>لم یکن معاویۃ ممن یختار احرب<br/>ابتداءً بل کان استد الناس حرصاً<br/>علی ان لا یكون قتال وکان غیرہ<br/>احرص علی القتال منہ۔</p> | <p>حضرت معاویہؓ ان میں نہیں تھے جو جنگ کی ابتداء<br/>کرنا چاہتے ہوں بلکہ سب لوگوں سے زیادہ ان کی<br/>خواہش تھی کہ جنگ نہ ہو۔ یہ تو دوسرے لوگ تھے<br/>جو ان سے جنگ پر تلے ہوئے تھے۔</p> |
|--|--|

سبائی لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک حضرت معاویہؓ موجود ہیں دنیا میں وہ محفوظ نہیں رہ سکتے اور تحریب ملت کے لئے ان کے جو عزائم ہیں وہ پورے نہیں ہو سکیں گے۔ اسی لئے انہیں سب سے زیادہ فکر حضرت معاویہؓ ہی کو زیر کرنے کی تھی۔ اس اہمیت پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے حضرت معاویہؓ کی مدد کی اور یوں سبائی لوگ اپنے مقاصد میں ناکام ہو گئے ناکافی کا بدلہ لغو اور بھوٹی روایتوں کے وضع کر کے ان کی تہذیب سے لیا۔ ان امور کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام کی بھاری اکثریت نے



نے حضرت علیؑ سے بیعت نہیں کی تھی۔ مگر یہ ضروری سمجھا کہ نظم و نسق کی راہ میں کوئی مشکل حائل نہ کریں اور بالفعل ان کی خلافت اس امید پر تسلیم کریں کہ باہمی توافق سے کوئی اجماعی فیصلہ ہو جائیگا۔ اسی لئے وہ مقدور بھر جنگوں سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔

بیعت جن الفاظ میں ہوئی تھی وہ صحاح میں مردی میں چنانچہ مؤطا، شریف صحیح بخاری میں وہ بیعت نامہ مذکور ہے جو حضرت ابن عمرؓ نے امیر المومنین عبد الملکؓ کو بھیجا تھا آپ کے شاگرد اور نور دتھے۔ طبقے کے اعتبار سے بھی تابعی ہیں لیکن ان کے منصب کی عظمت کا تقاضا تھا کہ حضرت ابن عمرؓ نے اول ان کا نام لکھا اور پھر اپنا۔ (مؤطا، شریف بروایت امام محمدؒ) صحیح بخاری کے الفاظ یوں ہیں (ج ۴، ص ۲۵۵ طبع مصر باب کیفیت بیایح امام الناس)

الى عبد الله عبد الملك امير المؤمنين  
اني اقر بالسمع والطاعة لعبد الله  
عبد الملك امير المؤمنين على سنة الله  
وسنة رسوله فيما استطعت۔  
اللہ کے بندے عبد الملک امیر المومنین کی جناب میں!  
میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے بندے عبد الملک کی  
بات سنوں گا اور مقدور بھر اطاعت کروں گا۔ (میرا  
یہ اقرار) اللہ کی سنت اور اس کے رسول کی سنت پر ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ جب بیعت کی جائے تو اس کا امکان کب رہتا ہے کہ امیر المومنین کے سیاسی اقدامات میں ان کی متابعت سے گریز کیا جاسکے۔ گزشتہ واقعات کے بارے میں اپنے ذاتی رجحان اور ظن و تخمین کی بجائے ہم عصر لوگوں کا زاویہ نگاہ اور عمل دیکھنا چاہئے۔

واقعات ثابتہ کی روشنی میں اور قواعد شرعیہ کو سامنے رکھ کر جو صحابہ کرام ہی نے سکھائے ہیں صورت حال کا جو تجزیہ ہم نے پیش کیا ہے اس میں کچھ ہم منفرد نہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا بیان اوپر گزر چکا۔ اب ملاحظہ ہو ابن خلدونؒ کا تجزیہ (مقدمہ ص ۱۵۰ طبع مصر)

فاما وقعة على فان الناس كانوا عند  
مقتل عثمان متفرقين في الامصار فلم  
يشهدوا ببيعة علي والذين شهدوا  
ربما (حضرت) علیؑ کا واقعہ تو (حضرت) عثمان کی شہادت  
کے وقت لوگ مختلف شہروں میں متفرق تھے اور بیعت کے  
وقت حاضر نہ تھے۔ اور جو حضرات موجود تھے ان میں سے

فمنهم من بايع ومنهم من توقف  
حتى يجتمع الناس ويتفقوا على امام  
كسعد وسعيد وابن عمر واسامة  
بن زيد والمغيرة بن شعبة وعبد الله  
بن سلام وقد امة بن مطعون وابي  
سعيد الخدري وكعب بن عجرة  
وكعب بن مالك والنعمان بن بشير  
وحسان بن ثابت ومسلمة بن مخلد  
وفضالة بن عبد وامثالهم من  
اکابر الصحابة

بعض نے بیعت کر لی اور ان میں بعض وہ ہیں جنہوں نے  
توقف کیا تا آنکہ لوگ اجماع کریں اور ایک امام پر متفق  
ہو جائیں مثلاً (حضرت) سعد (حضرت) سعید (حضرت)  
ابن عمر (حضرت) اسامہ بن زید (حضرت) مغیرہ بن شعبہ  
(حضرت) عبد اللہ بن سلام (حضرت) قدامہ بن مطعون  
(حضرت) ابوسعید خدری (حضرت) کعب بن عجرہ  
(حضرت) کعب بن مالک (حضرت) نعمان بن بشیر  
(حضرت) حسان بن ثابت (حضرت) مسلمہ بن مخلد  
(حضرت) فضالہ بن عبید وغیرہم اور ان جیسے دوسرے  
اکابر صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

مودودی صاحب نے اپنی ذہانت کا عجیب ثبوت دیا ہے کہ یہ اور ان جیسے دو چار  
بزرگوں کے اور نام کتابوں میں دیکھ کر انھوں نے لوگوں کو یہ یاد کرانا چاہا کہ بس یہی سترہ یا بیس  
صحابہ بیعت سے الگ رہے تھے۔ معمولی عقل کا آدمی بھی شیخ الاسلام یا مورخ ابن خلدون  
یا دوسرے بزرگوں کے اس قسم کے بیانات سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا جو مودودی صاحب نے  
نکالنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ یہ چند نام بطور نمونہ دے گئے اور یہ ایسے  
بڑے لوگ ہیں جن کے نام پڑھ کر اندازہ ہو جائیگا کہ بات ایسی آسان نہیں جیسی مودودی صاحب  
نے سمجھ لی بلکہ ایک جم غفیر تھا جس نے بیعت سے توقف کیا تھا۔ اور ان سب کا موقف یہ تھا  
کہ جب تک احوال پر امن نہ ہو جائیں اور اتفاق رائے سے حضرت علی کی امامت پر سب مجتمع  
نہ ہوں اس وقت تک آئینی بیعت نہ کی جائے۔ چنانچہ حضرت علی کے مقتول ہونے تک آئینی بیعت نہیں کی گئی  
اگر مودودی صاحب کے خیالی نظریے کی بنیاد پر یہ سمجھ لیا جائے کہ واقعی یہ پندرہ بیس  
بزرگ ہی بیعت سے رکے رہے تو حضرت علی کو متفق علیہ امام ماننا پڑے گا ان کے مخالف  
باغی قرار پائیں گے۔ لیکن ساتھ ساتھ ان سب کو بھی فدا رہنا ہوگا جنہوں نے صفین کے معرکے  
میں حضرت علی کا ساتھ نہیں دیا۔ سبائبہ نے جس طرح روایات وضع کی ہیں ان کا مقصد یہی



یہ ہے کہ امت مسلمہ صحابہ کرام سے بدظن رہے۔

لیکن صحابہ کرام اور ان کا اتباع کرنے والی امت کا مذہب ہمیشہ یہ رہا ہے کہ چوتھے یا نفل خلیفہ حضرت علی ہی تھے اگرچہ امت کا ان پر اجماع نہ ہو سکا۔ مگر ساتھ ہی وہ تمام صحابہ کرام کو جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی ان کے موافق میں حق پر جانتے ہیں اور اس دور کو دورِ فتنہ کہتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حضرت عثمانؓ کی مطلوبانہ شہادت کے سلسلہ میں امت میں فتنہ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

”مبدأ ابن فتنہ خلافت حضرت مرتضیٰ است، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم تخت از خلافت حضرت مرتضیٰ خبر دادند کہ منتظم لشوہ (ازالہ الخفا۔ ج ۱ ص ۱۵۲)

پھر شیعہ کے دعوے ”اتخلاف مرتضیٰ و اولاد او“ کے بارے میں بالفاظ واضح اس

حقیقت ثابتہ کا اظہار کیا ہے کہ :-

”در عنایت الی مقرربہ دیکھ گاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد او را دامن

قیامت منصور لشوہ دیکھ گاہ خلافت ایشان علی ذہبھا صورت نگیرد بلکہ

از میان ایشان ہر کہ دعوت بخود کند و سر بقتال برآرد و مخدول بلکہ مقتول

گردد۔ و خدا کے تعالیٰ فرماید وَاَقْدَمْتُكَ كَلِمَتًا اَعْبَادُ الْمُرْسَلِينَ

اِنَّهُمْ لِمُصَوِّرُونَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝ وَلِلْخَلْفَاءِ الَّذِينَ هُمْ

اَخْلَافُ الْاَنْبِيَاءِ حَقًّا اَسُوَّةُ الْمُرْسَلِينَ فہم الْمَصْرُورُونَ و ہم الْغَالِبُونَ۔

(ازالہ الخفا۔ ج ۱ ص ۲۸۲)

حضرت علیؓ کے مختصر سے ایام فتنہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے توفیق دی

کہ حضرت معاویہؓ امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ پر امت نے اجماع کر لیا۔

امت کا یہ مذہب محض عقیدت کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اس دور کے احوال سے بڑے

بڑے شرعی مسائل سامنے آئے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی سبیل نکلی اور مسلمانوں میں

یہ سلیقہ پیدا ہوا کہ :-

۱۔ آئینی اور بالفعل حکومت کا ذوق سمجھیں۔

۲۔ جماعت کے اندر رہ کر جو لوگ اختلاف کریں اور اس میں شدت آجائے حتیٰ کہ نزہت  
نمیش کرکے ایک پہنچے تو امت کو اس وقت کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ یعنی اکثریت کو  
غیر جانب دار ہو جانا چاہیے تاکہ امن جلد قائم ہو۔

۳۔ جو در ذریعہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان جنگوں میں کن آداب کی پابندی کریں۔ یعنی نہ ایک  
دوسرے کی تکفیر و تنقیق کریں نہ مقتولوں کی بے حرمتی ہو نہ مال و اسباب لوٹا جائے  
اور نہ فتح پانے کے بعد ان کی حرمت پر حرف آنے دیا جائے۔

۴۔ جب جنگ ختم ہو جائے اور ایک ذریعہ کامیاب ہو۔ تو پھر تمام اندرونی کدورتیں  
صاف کر دی جائیں اور سب اس طرح گھل مل جائیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اور اس  
بات کا اہتمام رکھیں کہ پرانی باتوں کا ذکر نہ آنے پائے۔

۵۔ اخلاف کا فرض ہے کہ گزشتہ سب بزرگوں کی یکساں تعظیم و تکریم کریں۔ ان کے  
موافق میں ذریعہ نہ بنیں۔ اور اختلاف کو ہوا دینے سے گریز کریں۔ صحابہ کرام اور  
خوبی کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والوں کا یہی مذہب رہا اور اب تک ہے۔

دنیا کی تاریخ بنانے والی قوموں میں سے کونسی قوم ہے جو خانہ جنگی میں مبتلا  
نہیں ہوئی اور جس کے آپس کے نظریاتی اختلاف سے قیمتی جانیں ضائع نہیں ہوئیں۔ مگر ان  
سب قوموں کا یہ شعار رہا کہ اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کا تذکرہ ادب و تعظیم سے کریں۔  
خود ہمارے سامنے کفار کے احوال موجود ہیں۔ ان کے ادا و دسترا اور تاریخ نویس  
لوگوں کی تصنیفات ان کی قوموں کے سامنے ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ وہ  
اپنے بزرگوں کے معاملات میں فرقی نہیں بناتے اور دو مخالف گروہوں کے نظریات و اعمال  
میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اخلاف اپنے اسلاف سے بدظن نہ ہوں۔  
انگلستان، فرانس اور امریکہ کے ادیبوں، مورخوں اور سوانح نگاروں کی تصنیفات  
دیکھنے سے ہمارے اس بیان کی توثیق ہوگی۔

مگر یہ بدقسمت قوم ہماری ہے کہ ہم میں ایسے برخود غلط اور تخریبی عزائم رکھنے  
والے لوگ سامنے آتے رہتے ہیں جن کی طلاق لسانی اور زور قلم اس پر صرف ہوتا ہے



کہ بزرگانِ پیشین پر سب و شتم ہوتا رہے ان سے بدظنی بڑھتی رہے اور یہ نہیں جانتے کہ جب افترا پر دازی اور حق پوشی کے ذریعہ وہ کسی کی توصیف اور کسی کی تنقیص میں مبالغہ کریں گے تو دوسرا بھی منہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم رکھتا ہے۔

یہ تو مودودی صاحب ہی جیسے لوگ ہیں جن کی مبالغہ آمیزی اور جانب داری کے سبب عظیم و محترم ہستیاں زیرِ بحث آتی ہیں۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو ہماری طرح اعتدال کو کام میں لائیں اور بے لاگ طور سے صحیح صورت حال پیش کریں درنہ عموماً اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔  
ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤوف رحیم۔

## قصاص امیر المؤمنین عثمان ذی النورین

مودی صاحب فرماتے ہیں (جون ص ۲۶۱)

حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف حضرت عائشہ اور حضراتِ طلحہ و زبیر اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ ان دونوں فریقوں کے مرتبہ و مقام اور جلالِ قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جاسکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اٹھ کھڑا ہو اور جو طریقے چاہے اُسے پورا کرنے کے لئے استعمال کرے۔

یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعویٰ کے لئے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا۔ خون کا مطالبہ لے کر اٹھنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا جو زندہ تھے اور وہیں موجود تھے۔ حکومت اگر مجرموں کو پکڑنے اور ان پر مقدمہ چلانے میں واقعی دانستہ ہی تساہل کر رہی تھی تو بلاشبہ دوسرے

لوگ اس سے انصاف کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ لیکن کسی حکومت سے مطالبہ کیا یہ  
کونسا طریقہ ہے اور شریعت میں کہاں اس کی نشان دہی کی جاسکتی ہے کہ  
آپ سرے سے اس حکومت کو جائز حکومت ہی اس وقت تک نہ مانیں  
جب تک وہ آپ کے اس مطالبہ کے مطابق عمل درآمد نہ کر دے۔

حضرت علیؓ اگر جائز خلیفہ تھے ہی نہیں تو پھر ان سے اس مطالبے  
کے آخر معنی کیا تھے کہ وہ مجرموں کو پکڑیں اور سزا دیں؟ کیا وہ کوئی قبائلی  
سردار تھے جو کسی قانونی اختیار کے بغیر جسے چاہیں پکڑ لیں اور سزائے ڈالیں؟  
اس سے بھی زیادہ غیر آئینی طریق کا یہ تھا کہ پہلے فریق نے بجائے اس کے کہ  
وہ مدینے جا کر اپنا مطالبہ پیش کرتا جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے ورثاء  
سب موجود تھے اور عدالتی کارروائی کی جاسکتی تھی، بصرہ کا رخ کیا اور فوج  
جمع کر کے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کی کوشش کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ  
ایک خون کی بجائے دس ہزار مزید خون ہوں اور مملکت کا نظام الگ درہم  
برہم ہو جائے۔ شریعت الہی تو درکنار دنیا کے کسی آئین و قانون کی رو سے بھی  
اسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جاسکتا۔

اور اس سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق یعنی  
حضرت معاویہؓ کا تھا جو معاویہ بن ابی سفیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شام کے  
گورنر کی حیثیت سے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے اُٹھے۔ مرکزی حکومت کی  
اطاعت سے انکار کیا۔ گورنری کی طاقت اپنے اس مقصد کے لئے استعمال  
کی اور مطالبہ بھی یہ نہیں کیا کہ حضرت علیؓ قاتلین عثمانؓ پر مقدمہ چلا کر انہیں  
سزا دیں بلکہ یہ کیا کہ وہ قاتلین عثمانؓ کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ خود انہیں  
قتل کریں۔ یہ سب کچھ دور اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام  
کی قبائلی بد نظمی سے مشابہ ہے۔ خون عثمانؓ کے مطالبے کا حق اول تو حضرت  
معاویہؓ کے بجائے حضرت عثمانؓ کے شرعی وارثوں کو پہنچتا تھا تاہم اگر شہدائی



بنا پر وہ یہ مطالبہ کرنے کے مجاز بھی ہو سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ  
 شام کی گورنری کی حیثیت میں حضرت عثمانؓ کا رشتہ جو کچھ بھی تھا معاویہ بن  
 ابی سفیان سے تھا۔ شام کی گورنری ان کی رشتہ دار نہ تھی۔ اپنی ذاتی حیثیت  
 میں وہ خلیفہ کے پاس مستغنیٰ بن کر جاسکتے تھے اور بحرین کو گرفتار کرنے  
 اور ان پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ گورنری کی حیثیت سے انہیں کوئی  
 حق نہ تھا کہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر باقاعدہ آئینی طریقے سے بیعت ہو چکی تھی،  
 جس کی خلافت کو ان کے زیر انتظام صوبے کے سوا باقی پوری مملکت تسلیم  
 کر چکی تھی، اس کی اطاعت سے انکار کر دیتے اور اپنے زیر انتظام علاقے  
 کی فوجی طاقت کو مرکزی حکومت کے مقابلے میں استعمال کرتے اور ٹھیکہ  
 جاہلیت قدیمہ کے طریقہ پر یہ مطالبہ کرتے کہ قتل کے ملزموں کو عدالتی  
 کارروائی کے بجائے مدعی قصاص کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ وہ خود ان سے  
 بدلہ لے۔“

مودودی صاحب نے غالباً رجحان طبعی سے مجبور ہو کر واقعات ثابتہ سے  
 آنکھیں بند کر لیں اور صورت حال کا ایک فرضی نقشہ مرتب کر لیا چنانچہ اس کے مطابق جو  
 عمارت کھڑی کی اس کی ایک ایک خشت کج رکھی یوں وہ اپنی بنائی ہوئی بھول بھلیوں  
 میں ہٹک رہے ہیں اور ضلوا فاضلوا کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔  
 (۱) ان کے مزعومات میں پہلی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے خلیفہ راشد و مرشد  
 حضرت عثمانؓ صلوات اللہ علیہ کے قتل کو معمولی آدمی کا قتل سمجھ لیا اور یہ رائے قائم کر لی  
 کہ مقتول کے وارث باقاعدہ عدالت میں قصاص کا مطالبہ کرتے لیکن مطالبہ کیا ایک طرف  
 تو ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ  
 نے شام کے گورنر ہونے کی حیثیت سے حالانکہ ”شام کی گورنری ان کی رشتہ دار نہ تھی۔“  
 مودودی صاحب ذرا سمجھئے کام لیتے اور یہ دیکھتے کہ امام مظلوم کا یہ قتل  
 ایک فرد کا قتل نہیں تھا نتائج و عواقب کے اعتبار سے پوری امت کا قتل تھا یعنی اس

جیثانہ اقدام نے سیاسیات اسلامیہ میں وہ تباہ کن سلسلہ شروع کر دیا جس سے فتنوں کے دروازے کھل گئے اس لئے اس شد ضرورت تھی اور امت کے اصحاب الرائے پر واجب تھا کہ سبائی بلوائیوں کی اس فتنہ پرور تحریک کا قلع قمع کریں اور اس ملعون عنصر سے امت کو نجات دلائیں کیونکہ یہ معاملہ تو اس وقت عالم اسلام کے سیاسی مستقبل کا معاملہ بن گیا تھا۔

(۲) یہ کس نے کہا کہ خون عثمانؓ کے قصاص کا معاملہ حضرت علیؓ کے سامنے باقاعدہ پیش نہیں کیا گیا سب جانتے ہیں کہ یہ مسئلہ اہتمام سے پیش کیا گیا لیکن حضرت علیؓ نے قصاص لینے سے اپنی بے بسی اور معذوری ظاہر کی کیونکہ یہی قاتل تو ان کے گروہ میں تھے ان کی حکومت کے کرتا دھرتا بنے ہوئے تھے خود ان کے باخدا (البدایہ والنہایہ ج ۲، ص ۲۲۰) میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور دیگر صحابہ کرام نے قصاص خون عثمانؓ لئے جانے کا حضرت علیؓ سے ابتدا ہی میں مطالبہ کیا۔ طلبوا منه اقامۃ المحمدا ووالاخذ بدم عثمان مگر انھوں نے یہ کہہ کر معذوری کا اظہار کیا کہ قاتلوں کو ہمارے مقابلہ میں قوت ہے لہذا اس وقت قصاص لینے کا امکان نہیں انہ لا یسکنہ ذلک یوم هذا۔ موردی صاحب کے دوسرے مآخذ شرح نہج البلاغۃ نیز طبری میں جس کا حوالہ انھوں نے خود دیا ہے یہ بیان ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے مطالبہ کرنے پر حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا تھا کہ :-

میں ناواقف نہیں ہوں (اس حکم اخذ قصاص سے) جس کو تم جاننے ہو لیکن مجھ میں یہ قوت (قصاص لینے کی) کہاں ہے اور وہ لوگ (بلوائی گروہ) اپنی پوری قوت و سترکت پر سے اور ہم ان پر قدرت نہیں رکھتے۔

إِنِّي لَسْتُ أَجْمَلُ مَا تَعْمُونَ وَلَكِنْ  
كَيْفَ لِي بِقُوَّةٍ وَالْقِتَا الْمَجْلُيُونَ  
فَلْيَجِدْ شَوْكَتَهُمْ يَمْلِكُونَ تَأْوِيلًا لَكُمْ

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ ذرا حالات سکون پر آنے دیجئے تو قصاص لینے کی کارروائی کی جائے گی مگر دن پردن گزرتے گئے اور کوئی کارروائی نہ کی گئی۔



(۳) اگر یہ بلوائی محض قاتل ہوتے تب بھی قصاص لینا کچھ مشکل نہ تھا لیکن حضرت علیؑ کی بیعت خلافت میں ان کے نہ صرف پیش پیش ہونے بلکہ دوسروں سے بکری بیعت کروانے سے معاملات خلافت میں وہ اس طرح دخل ہو گئے کہ صورت حال انہوں نے بدل دی۔ وہی سبائی لیڈر الاشتر جس نے اس وقت کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے مکان میں اسے بٹھا کر پوچھا تھا کہ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو صاف کہہ دیا تھا کہ یا تو خلافت چھوڑ دو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے (البدایہ والنہایہ - ج ۷، ص ۱۸۰) وہی الاشتر اب حضرت علیؑ کا مشیر خاص بنا ہوا تھا ان مایوس کن حالات میں کہ حضرت علیؑ کی جانب سے قصاص لینے کی کوئی امید نہ تھی سب اصحاب رائے کی نظریں بالآخر مکہ معظمہ کی جانب اٹھنے لگیں جہاں مادر مومنین حضرت عائشہؓ صلوات اللہ علیہا اور بعض دوسری اہبات المومنین موجود تھیں نیز خلفائے ثلاثہ کے صاحبزادے اور اجلہ صحابہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور متعدد صوبجات کے عثمانی گورنر مثلاً بصرے سے حضرت عبداللہ بن عامرؓ بن سے حضرت یعلیٰ بن امیہؓ کوئے سے حضرت طلحہ بن عدیؓ اور ایک جماعت صحابہ کی جمع تھی فاجتمع فیہما خلق من سادات الصحابہ (البدایہ - ج ۷، ص ۲۳۰) مجلس مشاورت میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے دریافت کرنے پر قصاص کن سے لینا ہے عرض کیا گیا:-

انہم معروفون و انہم بطانۃ | یہ لوگ تو جانے پہچانے ہیں یہ سب علیؑ کے معتمد علی درو ساء اصحابہ اخبار الطوال ص ۱۱۱ | رازدار اور ان کے رفقا کے سربراہ ہیں۔

اس وقت قاتلین میں کچھ مدینہ میں کچھ بصرے و کوئے وغیرہ میں تھے اس لئے مختلف تجویزیں زیر بحث آئیں آیا مدینہ جا کر پھر حضرت علیؑ سے مطالبہ کیا جائے یا شام میں حضرت معاویہؓ سے مدد لی جائے چونکہ مقصد مجرمین سے قصاص لے کر - یہی اسی نظام اسلامی کی حرمت کے تحفظ سے تھا اس لئے یہ دونوں تجویزیں مسترد کر دی گئیں۔ سابق عامل بصرہ کی تجویز پر پہلے بصرہ پھر کوئے کا پر و گرام بتایا گیا کہ مفسدین کی سزا وہی سے حالات کی اصلاح کی جائے۔ حضرت علیؑ کو ان کی حالت بے بسی پر چھوڑ دیا جائے فتح انباری میں محدث المہلب کا یہ قول نقل ہے کہ :-

ان احدى لم ينقل ان  
عائشة ومن معها نازعوا علياً  
في الخلافة ولا دعوا احد منهم  
ليولوه الخلافة  
کسی ایک (محدث و مولف) نے یہ روایت نقل نہیں  
کی (حضرت) عائشہؓ نے اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے  
انہوں نے خلافت کے معاملہ میں علی سے کوئی تنازعہ  
کیا اور نہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں کسی کو طلبہ  
(ج ۱۳ ص ۴۱) یا دبیر کو خلافت پر قائم کیا جائے۔

مودودی صاحب کو کتب تاریخ کے مطالعہ سے اس واقعہ کا ضرور علم ہو گا کہ :-  
(۴) حضرت علیؓ یوں تو اقامتہ حدود و داخلہ قصاص میں اس درجہ شدید تھے کہ  
امیر المومنین فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عبید اللہؓ نے جب ایرانی سردار ہرمزان  
کو اپنے والد محترم کے قتل کی سازش کے شبہ میں قتل کر دیا تھا حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر کہ  
ہرمزان مقتول مسلمان تھا میرے چچا عباسؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا اس کے قاتل کو قصاص  
میں قتل کیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی دن مشہور روایت کے  
مطابق ہرمزان کے فرزند کو خونہا دے کر اس مقدمہ کو فیصلہ کر دیا تھا لیکن بارہ برس  
کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی دن اس ایرانی  
سردار ہرمزان کے قصاص کے طے شدہ مقدمہ کو "باز بہ نمبر کیا اور از سر نو بغیر عدالتی کارروائی  
شرع کرنے کے حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے عبید اللہؓ کو تہ تیغ کرنے کے لئے گرفتار  
کرانا چاہا وہ اپنی جان بچا کر مدینہ سے دمشق حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ ایرانی سردار  
کا قصاص لینے میں یہ تو شدت اور حضرت عثمانؓ کے قصاص خون سے یہ غفلت ان کے  
اس طرز عمل کے تضاد و بتامین کا سبب ان کی بے بسی و مجبوری ہو یا "دائستہ تباہل"  
اس پر گفتگو مقصود نہیں۔ مودودی صاحب کو جب یہ تسلیم ہے (شمارہ جون ص ۳۵) کہ  
قاتلین عثمانؓ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے ان کی فوج میں شامل تھے اور "یہ ہرمزان کے  
لئے بدنامی کا موجب بھی ہوئی اور فتنے کا موجب بھی" اسی کے ساتھ وہ حضرت علیؓ کا یہ  
قول بھی نقل کرتے ہیں (ایضاً ص ۲۶۴) کہ "میں ان لوگوں (قاتلین عثمانؓ کو) کیسے  
پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں" صاف ظاہر ہے کہ ان حالات میں باوجود مطالبہ



قصاص کے ان لوگوں سے جو قابو یافتہ تھے اور سیاست وقتی میں دخیل ہو گئے تھے قصاص کیسے لیا جاتا بقولیکہ ۵

وہی قاتل وہی حاکم وہی منصف ٹھہرے اقربا میرے کریں خوں کا دعویٰ کس پر  
(۵) الہدایہ وطبری وغیرہ کے حوالہ سے مودودی صاحب خود ہی فرماتے ہیں۔

(شمارہ جون ص ۲۶۳)

”حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما چند دوسرے اصحاب کے ساتھ ان سے (حضرات علیؑ) ملے اور کہا کہ ہم نے اقامت حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی ہے آپ اب ان لوگوں (یعنی قاتلوں) سے قصاص لیجئے“ یہ مشروط بیعت جو ان کے مآخذ الہدایہ کے الفاظ میں اقامۃ الحدود والخذ بدم عثمان کے لئے رؤس الصحابہ نے کی تھی یقیناً اسی عہد قصاص خون عثمانؓ کو پورا کرنے اور کروانے کے لئے کی تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر منجملہ چودہ سو صحابہ جن میں خود حضرت علیؑ بھی شامل تھے وہ سالہا سال پہلے کر چکے تھے۔ مودودی صاحب کو انکار کی غالباً جسارت نہ ہوگی کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اس خیال سے کہ قریش کی لٹکاہوں میں بھی حضرت عثمانؓ معزز و محترم ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معتمد رسول (سفیر) کی حیثیت سے انھیں مکہ معظمہ اسی مقصد سے بھیجا تھا کہ قریش کو یہ پیغام پہنچائیں کہ ہم لڑتے نہیں آئے عمرہ کر کے لوٹ جائیں گے مکہ میں آنے میں مزاحم نہ ہوں قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا اور یہ خبر مشہور ہوئی کہ قتل کر دے گئے بقول علامہ شبلیؒ۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے

خون کا قصاص لینا فرض ہے یہ کہہ کر آپ نے ایک بھول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے ہاں نشاری کی بیعت لی تمام صحابہ نے جن میں مرد و زن دونوں شامل تھے دلولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جاں نشاری کا عہد کیا۔ یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتمم بالشان واقعہ ہے اس بیعت کا نام بیعة الفضل

ہے سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۵۳

خبر چونکہ مصدقہ نہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے ایک دست مبارک کو دوسرے پر رکھ کر فرمایا ہذا یدى وھذا یدى عثمان یہ ہمارا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ان کی جانب سے خود ہی بیعت کی۔ اسلامی لٹریچر کے علاوہ شیعوں کی مستند کتاب الروضہ (کافی کلینی ص ۱۵۱) میں بھی اس واقعہ کا ان الفاظ میں ذکر ہے۔ وَضَرَبَ بِأَحَدِي يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى لِعِمَّانِ اِسى کو ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب (ج ۲ ص ۲۱۸) میں کلینی ہی کے حوالہ سے یوں بیان کیا ہے:-

”حضرت رسول خدا ایک دست خود پر دست دیگر زدو برائے عثمان بیعت کرد“

اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح کی یہ آیتیں نازل فرمائیں:-

|  |  |
|--|--|
| <p>لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ<br/>يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي<br/>قُلُوبِهِمْ (الفتح)</p> | <p>یقیناً اللہ راضی ہوا ان مومنین سے جبکہ وہ<br/>درخت کے نیچے تم سے (لے رسول) بیعت کر رہے<br/>تھے اور وہ جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا ہے۔</p> |
|--|--|

اللہ پاک کا یہ ارشاد رضا اور اس کے محبوب رسول کا اپنے مقدس ہاتھ کو عثمان کا قرار دینا ایسی لاثانی خوش بختی و فضیلت حضرت عثمان کی ہوئی جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئی۔ دست او دست بنی دست نبی دست خدا دست حق باشد ازین حضرت عثمان غنیؓ پھر اسی سورہ فتح کی مزید آیتوں میں رسول خدا سے بیعت کرنے والوں کو خدا سے بیعت کرنے والا قرار دے کر عہد توڑنے والے کو اس کے ذاتی نقصان کی اور عہد پورا کرنے والے کو اجر عظیم کی خبر دی گئی اور فرمایا گیا۔

|   |  |
|---|--|
| <p>إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا<br/>يَبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ<br/>فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ<br/>وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ<br/>فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا</p> | <p>جو لوگ تم سے (لے رسول) بیعت کرتے ہیں وہ<br/>خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے<br/>ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد توڑ دے تو عہد توڑنے کا<br/>نقصان اسی کی ذات کو ہے اور جو اس بات کو<br/>جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو<br/>وہ اس کو عظیم اجر عظیم دے گا۔</p> |
|---|--|



خدا نے علیم و خیر ہی کے علم میں تھا کہ قصاص عثمانؓ کی جو بیعت لی جا رہی ہے وہ اس موقع کی نہیں کہ عثمانؓ زندہ ہی آئیں گے بلکہ آئندہ اندوہناک موقع کی ہے جب سیانیوں کی منظم سازش سے حضرت عثمانؓ خلیفہ وقت کی حیثیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو حکموں کی تعمیل کرتے ہوئے انتہائی مظلومیت سے مقتول ہوں گے ایک یہ کہ عثمانؓ جو قمیص (عبائے خلافت) اللہ تمہیں پہنائے اسے لوگوں کے مطالبہ پر تن سے نہ اتارنا۔ دوسرے یہ کہ "خبردار! مسلمان کی تلوار کسی مسلمان کے خلاف نیام سے نہ نکلے یہ تھے دو حالات و محرکات طلب قصاص کے نہ کہ کوئی وقتی و سیاسی غرض و مصلحت جیسا مودودی صاحب نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے حضرت طلحہ و زبیرؓ اور رؤس الصحابہ جو بیعت الرضوا میں موجود تھے اپنے اس عہد کو جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اللہ سے کیا تھا پورا کرنے اور کرانے اور منصب خلافت کی حرمت کے تحفظ کے لئے اٹھے تھے۔ رہے حضرت علیؓ تو وہ اپنے حالات کے لحاظ سے قصاص لینے سے معذور اپنی خلافت کے استحکام کے انتظار میں رہے بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "مقاتلات و سہلی رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بودند بجهت اسلام (ازالۃ الخفاج ۱ ص ۲۷۷)

(۶) سیانی بلوایوں نے اپنی عاقبت اسی میں دیکھی کہ کار گزار و تجربہ کار عمال عہد عثمانی خصوصاً حضرت معاویہؓ کو جن سے انھیں زیادہ خطرہ تھا ہر طرف کرا دیں حضرت علیؓ کے مخلص اصحاب الرائے کی انھوں نے ایک نہ چلنے دی۔ حضرت علیؓ کی بیعت ابھی ادھوری ہی تھی نصف امت یا اس سے زیادہ نے بیعت نہیں کی تھی اور قریہ بہ قریہ مسلمانوں کے قلوب امام مظلوم کے اس طرح ذبح کر دئے جانے سے مجروح و متاثر تھے کہ انھوں نے بلوایوں سے مودودی صاحب کے مأخذ البدایہ کی روایت کے مطابق یہ فرما کر کہ قسم بخدا اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو میرے بعد نہ تم میں باہمی مودت رہے گی نہ کبھی تم سب اکٹھے نماز ادا کرو گے اور نہ سب اکٹھے ہو کر پھر کبھی دشمنوں سے مقابلہ کر سکو گے واللہ لئن قتلتونی لا تحابوا بعدی ولا تصلوا جمیعاً ابداً ولا تقا تلوا بعدی عدواً جمیعاً ابداً (ج ۷ ص ۱۸۰) اور اپنے عزیزوں و حامیوں کو عدم تشدد کا قطعی حکم

دے کر اسی مبارک ہاتھ میں جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ فرمایا تھا قرآن شریف  
تھام کر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ قاتل خبیثوں نے اسی ہاتھ کو مجروح کر کے پیشانی مبارک  
پر ضرب لگائی خون پاک کا فوارہ جھوٹ کر چند قطرے قرآن مجید کی سورہ البقرہ کی اس  
آیت پر پڑے فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ صحابہ کرام نے اس آیت کے  
مضمون کو منتقم حقیقی کا تقدیری اشارہ سمجھا یعنی خدا کی ذات تم کو کافی ہے اور وہ سننے والا  
اور جاننے والا ہے جلد ہی تمہارے قاتلوں اور دشمنوں سے نمٹ لیکر چنانچہ حضرت امیر معاویہ  
نے چُن چُن کر قاتلوں سے بدلہ لے لیا۔

مردودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ سوائے شام کے باقی تمام ممالک میں بیعت کی  
تکمیل ہو گئی تھی۔ اس تصور کی غلطی ہم پچھلے اوراق میں ثابت کر چکے کہ صحابہ کرام اور امت کی  
اکثریت اگر اس خلافت کی آئینی حیثیت تسلیم کر چکی ہوتی تو حضرت علیؑ کے تمام اقدامات میں  
ان کا ساتھ دیتی۔ مگر اس بھاری اکثریت نے ساتھ دینے نیز قتال و جدال سے احتراز کیا۔ یہ ان  
بزرگواروں کی امن کو شکی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ حالات معمول پر آجائیں اور قاتل کفر و دار کو نہیں۔  
صحابہ کرام کی یہ کسی امن پسندی تھی اور کس درجہ ان کی تعمیری ذہنیت تھی کہ جب  
مختلف عاملوں کو برطرفی کے فرمان پہنچے تو بے تاثر الگ ہو گئے۔ ورنہ ان کی یہ حیثیت تھی کہ ہر  
جگہ وہ علم بغاوت بلند کر سکتے تھے۔ صرف ایک حضرت معاویہ رضوان اللہ علیہ تھے جنہوں نے  
بیعت سے انکار کر دیا تھا مگر اس طرح کہ حضرت علیؑ کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا انہیں  
اطمینان تھا کہ حضرت ام المومنین جن کے ساتھ اکابر صحابہ کے علاوہ ہر طرف شدہ والی تھے ان  
کی مساعی کامیاب ہو جائیں گی اور امت خانہ جنگی سے بچ جائے گی۔

**جنگ حمل** حضرت ام المومنین عاتکہ صدیقہ صلوات اللہ علیہا نے بیعت الرضوان کے  
تحت اپنی ذمہ داری سمجھی اور امت کی ماں ہونے کا یہ تقاضا جانا کہ امت کی  
اصلاح کے لئے کھڑی ہوں۔ آپ کے گرد و حتام وہ صحابہ و دیگر حضرات جمع ہو گئے جنہیں صورت  
حال اندوہناک معلوم ہوتی تھی اور جو اپنی یہ حیثیت پہچانتے تھے کہ رائے عامہ کی وہ تنظیم  
کر کے امت کو اس نابکار ٹولی سے نجات دلا سکیں گے۔



اس تحریک کے لئے مکہ اب موزوں جگہ نہ تھی کیونکہ جاہلوں سے یہ شہر خالی ہو چکا تھا۔ اس لئے بصرہ تجویز کیا گیا۔ کیونکہ سبائیہ کا وہ بھی ایک مرکز تھا اور وہاں کی بھی ایک ٹولی قاتلوں میں شامل تھی۔ ان حضرات نے یہ سوچا اور بالکل صحیح کہ اگر وہاں کی رائے عامہ کو وہ استوار کر سکے تو سبائیہ کا ایک مرکز ٹوٹ جائیگا اور اس کے بعد کوفہ کی ٹولی کی نوبت آئے گی۔

تمام اہل سیر اس امر پر متفق ہیں کہ ام المومنین نے بصرے کے باہر قیام فرمایا کیونکہ آپ وہاں کے نظم و نسق میں اختلال پیدا کرنا نہیں چاہتی تھیں اور یوں جب آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے تقریروں کا سلسلہ شروع کیا تو ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ ہو گئی مودودی صاحب بھی اس سے متفق ہیں (جون ص ۲۶۴)

حضرت عبداللہ بن عامر کی جگہ اب حضرت علیؓ کی طرف سے بصرے کے والی عثمان بن حنیف تھے انھوں نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اس وقت کیا موقف اختیار کریں۔ عمران بن حصین اور ہشام بن عامر انصاری نے مشورہ دیا کہ بالکل خاموشی اختیار کی جائے۔ (طبری ۵: ۱۴، ۱۵) منقول از العواصم ص ۱۵۲) لیکن انھوں نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور ان کے خلاف عملی کارروائی کرنے پر تیار ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل بصرہ میں اختلاف پڑ گیا اور جو اختلاف اب تک نظری تھا وہ علی بن گیا۔ بہت سے لوگ حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور کچھ لوگوں نے عثمان بن حنیف کا ساتھ دیا۔ اب بھی بات بگڑی نہ تھی مگر عثمان بن حنیف نے اصحاب جبل پر حملہ کر دیا اور اس طرح تعمیری کام میں صورت خرابی کی پیدا ہو گئی (طبری ۵: ۱۵) منقول از العواصم ص ۱۵۵) اصحاب جبل اپنی مدافعت جنگ میں کامیاب ہوئے اور بصرے پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ خود بصریوں نے عثمان بن حنیف کو پکڑ کے ان کی دائرہ لوجیٰ لیکن اصحاب جبل نے انھیں چھڑا لیا اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے (طبری ۵: ۱۵، ۱۶) منقول از العواصم ص ۱۵۶)

بہر حال بصرے پر اصحاب جبل کا قبضہ ہو جانے کے باوجود سبائیوں کا سرغنہ حکیم بن جبہ خاموش نہیں ہوا بلکہ اپنی فساد انگیزی پر قائم رہا۔ چنانچہ اس نے علانیہ حضرت

ام المؤمنین کی اساعت ادب کا ارتکاب کیا جس پر ایک خاتون نے اسے ڈانٹا کہ گستاخانہ کلمات منہ سے نہ نکالے۔ اس نے برا فروختہ ہو کر اس عقیفہ کو قتل کر دیا۔ اس کی اس حرکت سے آگ لگ گئی۔ حکیم کے تین سو آدمی اس کی حمایت کو آگئے اور یوں دوبارہ جنگ پھری تا آنکہ یہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔ اب اصحابِ جمل کی طرف سے اعلان ہوا کہ جتنے لوگوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی ان میں سے جو شخص بھی یہاں ہوا اسے لایا جائے۔ بصرے کے لوگ ان لوگوں کی حرکتوں سے اتنے مشتعل تھے کہ ان میں سے ایک ایک آدمی کتوں کی طرح گھسیٹ کر لایا جاتا اور قصاصاً قتل کر دیا جاتا تھا (طبری ۵: ص ۱۸۰)۔

حضرت علیؑ مدینہ سے بصرے تشریف لے آئے تو سبائیہ کی بھی ایک بڑی تعداد انکے ساتھ آئی۔ یہاں آکر صحیح صورت حال معلوم ہوئی اور بجائے جنگ پھڑنے کے انہام و تفہیم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مجاہدِ کبیر حضرت قعقاع بن عمروؓ تیمی کی کوشش سے سب غلط فہمیاں رفع ہو گئیں اور فریقین اس پر متحد ہو گئے کہ قاتلانِ عثمانؓ کو صفوں سے نکال دیا جائے اور دونوں فریق مل کر ان کی سرکوبی کریں۔ اس اتفاق و اتحاد کی فضا کو مزید مستحکم کرنے کے لئے حضرت علیؑ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اصحابِ جمل کے پاس بھیجا اور حضرت طلحہؓ نے اپنے فرزند سید محمدؓ کو حضرت علیؑ کے پاس۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔

(۲۲۹: ۴) نیز طبری (۵: ۲۰۲-۲۰۳) و منهاج السنہ (۲: ۱۸۵-۱۸۶: ۳) ۲۲۵: ۲۲۱

سب کے دل مطمئن ہو گئے اور قرار آ گیا۔ اور دونوں فریق اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ جب رات ہوئی تو (حضرت) علیؑ نے (حضرت) عبداللہ بن عباسؓ کو اصحابِ جمل کے پاس بھیجا اور ان حضرات نے (حضرت) محمد بن طلحہؓ سجاد کو (حضرت) علیؑ کے پاس بھیجا اور سب کے سب صلح کی طرف جھک گئے اور رات کو ایسی چین کی غیز سوئے کہ ویسی تیزاب تک نصیب نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جنہوں نے (حضرت) عثمانؓ کے بارے میں

فاطمائتِ النفوس وسكنت  
واجتمع كل فريق باصحابه من  
النجشيين فلما امسوا بعث علي  
عبد الله بن العباس اليهم والعتوا  
محمد بن طلحة السجاد الى علي  
وعولوا جميعا على الصلح وباثوا  
بغير ليلة لم يبيتوا بمثلها للعافية  
وبات الذين اثاروا امر عثمان



بشر لیلۃ با تو اھا قطف قد شرفوا  
 علی الھلکۃ وجعلوا یتستارون  
 لیلۃم کلہا حتی اجتمعوا علی  
 الشاہد الحرب فی السیر واستتموا  
 بذلک خشیۃ ان یفطن بملأولہا  
 من الشرف غدا وامع الغلس وما  
 یشر بہم حیرانہم اسئلوا الی  
 ذلک الامر لسلوا لا۔

فستہ کمڑا کیا تھا ان کی نیند حرام ہو گئی اور موت سامنے  
 نظر آئی۔ ساری رات یہ لوگ مشورے کرتے رہے  
 تا آنکہ خفیہ طریقے پر جنگ چھیڑ دیے پراٹھوں نے اتفاق  
 کر لیا۔ اس چیز کو سب سے پوشیدہ رکھا کہ کہیں لوگوں  
 کو اس ناپاک گٹھ جوڑ کی ہوا نہ لگ جائے چنانچہ نہ اندھیر  
 یہ لوگ اٹھ گئے کہ ان کے پڑوسی انہیں پہچان نہ سکے اور  
 پھر انہیں جو کچھ کرنا تھا اسے کر گزرے (یعنی اصحاب جمل  
 پر حملہ کر دیا انھوں نے اسے (حضرت) علی کی طرف سے  
 عذر سمجھا اور حضرت علی نے اصحاب جمل کی طرف سے یوں  
 جنگ چھیڑ گئی۔

حضرت معاویہؓ اس تمام عرصے میں بالکل خاموش رہے۔ حضرت علیؓ کی مخالفت کا ادنیٰ  
 خیال بھی ہوتا تو ان کے لئے بہت آسان تھا کہ اپنی زبردست فوجیں لے آتے حضرت علیؓ کو  
 ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہ رہتا لیکن حضرت معاویہؓ اور اصحاب جمل کا مقصد فساد نہیں تھا  
 وہ تو تعمیری انداز میں امت کو اس تخریبی تحریک سے جو ہدائیوں نے سیدہ کی تھی نجات دلانا  
 چاہتے تھے۔

جنگ جمل سے پہلے جو فضا قائم ہو گئی تھی وہ اگر بار بار ہوتی یعنی دونوں لشکر الگ  
 الگ پڑے رہنے کے بجائے یکجا ہو گئے ہوتے تو سبائیوں کو غداری کا موقع نہ ملتا اور  
 اور امت کی تاریخ بدل جاتی مگر جو ہونا تھا ہو گیا۔

کاش مودودی صاحب تعصب سے بالا ہو کر ام المؤمنین اور کبار صحابہؓ کے موقف اور  
 علی اقدامات کی صحیح نوعیت معلوم کرتے اور دشمنان صحابہؓ کی وضعی روایتوں پر توجہ کرنے کے بجائے  
 درایت و دیانت سے واقعات کا تجزیہ کرتے تو کیوں اس معصیت میں مبتلا ہوتے کہ جس  
 ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے اسے ”ٹھیکہ جاہلیت کا پیر“ بتائیں اور بانیؐ کی  
 غداری سے لڑائی چھیڑ جانے کے نتیجے میں امت کی اس مان کو شکست خوردہ فریق کی اصل

قائد کبک روشی سے بغلیں بجائیں یہ تصور مودودی صاحب کا بہت سطحی ہے کہ مقصود محض قاتلوں سے قصاص لینا تھا یا حضرت علیؑ کی خلافت ناگوار تھی یا اپنی خلافت قائم کرنا چاہتے تھے۔ حافظ ابن جریر نے فتح الباری میں یہ قول محدث المہلب کا یہ صحیح نقل کیا ہے۔

ان احدى لم ينقل ان عائشة  
ومن معها نازعوا علياً في الخلافة  
ولا دعوا احدا منهم ليلووا  
الخلافه۔

کسی ایک محدث نے بھی یہ روایت نقل نہیں کی کہ  
(حضرت عائشہؓ نے اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے  
انہوں نے خلافت کے معاملہ میں علیؑ سے تنازعہ کیا اور  
نہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں سے کسی کو (مثلاً طلحہؓ  
وزبیر کو) خلافت پر قائم کیا جائے۔

(ج ۱۳ ص ۲۱)

یہ سب تصورات صحابہ کرام کے دشمنوں نے قائم کئے ہیں جن کا اعادہ مودودی صاحب نے ابو مخنف وغیرہ سبائی راویوں کے سہارے کیا ہے وہاں تو مقصود یہ تھا کہ قصاص لیکر  
آئندہ کے لئے سد باب کر دیا جائے کہ آفاقی لوگ نظام سیاسی پر اس طرح حاوی ہو سکیں۔  
اور اربابِ حل و عقد کے بجائے نظم مملکت میں اس طرح من مانی کرنے لگیں کہ خلافت اسلامیہ  
ان کے مقاصد سلفیہ کی تابع ہو جائے۔

**غلط تصور** مودودی صاحب نے ایک اور ناپاک تصور یہ قائم کیا ہے اور طبقات ابن  
سعد پر تکیہ کر کے اپنی ہوائے نفس کے تحت اسے صحیح باور کر لیا کہ جو اموی  
سادات حضرت ام المؤمنینؓ کے ساتھ تھے مثلاً حضرت سعید بن العاصؓ حضرت مروان بن الحکمؓ  
اور حضرت عبداللہ بن عامرؓ وہ منافقانہ اس گروہ باصفائیں شامل ہوئے تھے ان کا دل یہ  
چاہتا تھا کہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ اور دوسرے صحابہ کرام کو قتل کر دیں۔ چونکہ مودودی صاحب  
کے دل ان اموی صحابہ اور اموی سادات کرام کی طرف سے صاف نہیں ان کے متعلق ہر قسم کی  
روایت قبول کرنے پر تیار رہتے ہیں اس لئے انہوں نے یہ وہابی اور بے سرو پا روایت قبول  
کر لی جسے معمولی سمجھ کا آدمی بھی قبول نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عامر امویؓ جو عہد عثمانی کے آخر تک والی بصرہ تھے اور عثمان بن  
صفین کے آنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گئے تھے۔ انہوں نے ام المؤمنینؓ سے عرض کیا



تھا کہ مرکز بنانے کے لئے بصرہ موزوں ہے (العواصم ص ۱۴۸) اور واقعی وہ موزوں ثابت ہوا۔ اور وہاں کے ہزاروں لوگ ام المومنین کے ساتھ ہو گئے۔ اب مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ ”سعید بن العاص نے اپنے گروہ کے لوگوں سے کہا ”اگر تم قاتلین عثمان کا بدلہ لینا چاہتے ہو ان لوگوں کو قتل کر دو جو تمہارے ساتھ اس لشکر میں موجود ہیں“ پھر اس قول کی توضیح میں فرماتے ہیں (جون ص ۲۶۴)

”اس کا (یعنی حضرت سعیدؓ کا) اشارہ حضرت طلحہ و زبیر وغیرہ بزرگوں کی طرف تھا کیونکہ بنی امیہ کا عام خیال یہ تھا کہ قاتلین عثمان صرف وہی نہیں ہیں جنہوں نے ان کو قتل کیا بلکہ وہ سب لوگ جنہوں نے وقتاً فوقتاً حضرت عثمانؓ کی پالیسی پر اعتراضات کئے تھے اور وہ سب لوگ بھی قاتلین عثمانؓ ہی ہیں جو شورش کے وقت مدینہ میں موجود تھے مگر قتل عثمانؓ کے روکنے کے لئے نہ لڑے مروان نے کہا کہ نہیں ہم ان کو (یعنی طلحہ و زبیر اور علیؓ) کو ایک دوسرے سے لڑائیں گے۔ دونوں میں سے جس کو بھی شکست ہوگی وہ تو یوں ختم ہو جائیگا اور جو فتح یاب ہوگا وہ اتنا کم زور ہو جائیگا کہ ہم باسانی اس سے منٹ لیں گے۔ اس طرح ان عناصر کو لئے ہوئے یہ قافلہ بصرہ پہنچا اور اس نے عراق سے اپنے ہزار ہا حامیوں کی ایک فوج اکٹھی کر لی۔“

مودودی صاحب نے وضعی روایتوں سے یہ خیالی نقشہ تو مرتب فرمالیا اور دونوں بزرگوں کی خفیہ گفتگو بھی سن لی۔ مگر اتنا اندازہ تو ہر شخص لگا سکتا ہے کہ ان راویوں کو یہ خفیہ گفتگو جب معلوم ہو گئی تھی تو ام المومنینؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہا کو بھی ضرور معلوم ہو گئی ہوگی پھر انہوں نے اس کا کیا اثر لیا۔ اور بنو امیہ سے کیا معاملہ رکھا اور کیوں یہ حضرات ان کی غداری جانتے ہوئے ان کے کہنے میں آ گئے۔

مودودی صاحب نے یہ روایت لے کر اور اس کی توجیہ کر کے ثابت کر دیا کہ اموی سادات کا تذکرہ کرتے وقت وہ عدل اور عقل سے کام نہیں لے سکتے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ حضرت سعید بن العاصؓ حضرت مروان رضی اللہ عنہما خود مدینہ میں موجود تھے اور اس

گروہ میں شامل جو امیر المومنین عثمانؓ صلوات اللہ علیہ کی حفاظت کے لئے گھر کے اندر اور باہر موجود تھا۔ اسی گروہ میں حضرت محمد بن طلحہؓ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ دونوں بھی تھے۔ اس دن حضرت محمدؐ کا رجز تھا۔

انا ابن من حامی علیہ بلحد ورد احزاباً علی رغم معد  
میں اس کا بیٹا ہوں جس نے ان کی حفاظت احد کے دن کی تھی اور کافروں کے لشکروں کو  
معد کے علی الرغم بھگا دیا تھا۔ معد قریش کے جد اعلیٰ ہیں۔ اور علیہؓ میں ضمیر حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کی طرف ہے۔ گویا حضرت محمدؐ کے نزدیک حضرت عثمانؓ کی حفاظت ایسی ہی تھی جیسے خود  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ابن الزبیرؓ کو جو عقیدت امیر المومنین عثمانؓ سے تھی اس کا تو کہنا ہی کیا۔ ان کی یہ عقیدت  
اس وقت بھی قائم تھی جب انھوں نے امیر المومنین یزیدؓ کی بیعت سے انکار کیا اور امیر المومنین  
عبدالملکؓ سے ان کی لڑائیاں ہوئیں۔ نجدہ حروری کے سامنے حضرت عثمانؓ کے فضائل  
پر جو انھوں نے تقریر کی تھی وہ کتابوں میں موجود ہے۔ مودودی صاحب نے غالباً پڑھی ہوگی۔  
العواصم میں ہے (ص ۳۲)

وقد روی عبد اللہ بن عامر  
بن ربیعہ قال كنت مع عثمان في  
الدار فقال اعزم على كل من رى  
ان عليه سمعاً و فطاعة الا كف  
يداً و سلاحه شر قال قم يا ابن  
عمي و علي ابن عمر سيفه متقلداً  
فان خبر به الناس فخر ج ابن عمر  
والحسن بن علي  
عبداللہ بن عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں میں اس دن  
(حضرت عثمانؓ کے ساتھ گھر میں موجود تھا۔ آپ نے  
فرمایا جو شخص اپنے اوپر میری بات سننے اور اطاعت  
کرنی واجب سمجھتا ہے میں اس سے پوری قوت کے  
ساتھ کہتا ہوں کہ اپنا ہاتھ اور اپنا ہتھیار روک دے۔  
پھر آپ نے فرمایا "اے ابن عمر اٹھو اور لوگوں کو بتا دو۔  
(حضرت ابن عمرؓ اس وقت تلوار لگائے ہوئے تھے۔  
چنانچہ انھوں نے نکل کر لوگوں کو اطلاع دے دی۔ نتیجے میں  
ابن عمرؓ اور حسن بن علیؓ نکل آئے۔

سب سے آخر میں عبداللہ بن الزبیرؓ نکلے تھے کیونکہ امیر المومنین جب شہادت کے



لئے تیار ہو گئے تو آپ نے اپنی تحریری وصیت حضرت عبداللہؓ ہی کے ہاتھ حضرت زبیرؓ کو بھیجی تھی۔ گویا حضرت زبیرؓ امیر المومنین کے وصی تھے اور آپ نے ان کے مال اور اولاد کی حفاظت و پرورش اپنے ذمہ لی تھی اور آپ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ ان سب امور کے عینی شاہد حضرت مروانؓ و حضرت سعیدؓ تھے۔ تو ان امور کی موجودگی میں حضرت سعیدؓ اور حضرت مروانؓ کے مابین وہ ناپاک گفتگو کیسے ہو سکتی تھی جو مودودی صاحب نے نقل کی ہے اور تمام امور کا عینی شاہد ہونے والا کوئی شخص یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ اور جہاجرین و انصار نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے مدافعت کرنیکی ضرورت نہیں سمجھی اور ان بے دین و ملحد سبائیوں کی طرح آپ پر اعتراضات کرتے رہتے تھے۔ افسوس کہ اموی سادات کی عداوت میں مودودی صاحب کو یہ خیال نہیں رہتا کہ ان کی مزعومات کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے۔ ان کا یہ قول قطعاً باطل ہے کہ ام المومنینؓ کے ساتھیوں میں کچھ حضرات ایسے تھے جو اصحاب جبل اور حضرت علیؓ کو لڑانا چاہتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر وہ صلح ہی کیوں ہوتی۔ تمام تاریخیں متفق ہیں کہ صلح ہوئی مگر یہی سبائی تھے جنہوں نے اصحاب جبل پر اندھیرے میں حملہ کیا۔ اموی سادات جو طالبان قصاص تھے سب ام المومنین اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ رہے اور جان کی بازی لگاتے رہے۔

**قاتل طلحہؓ** | حضرت مروانؓ پر مودودی صاحب نے حضرت طلحہؓ کے قتل کا بہتان باندھا ہے (شمارہ جون ص ۲۶۶) اور اسی صفحہ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ:-

”علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ثقافت میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں

ہے کہ حضرت طلحہؓ کا قاتل مروانؓ ہے البدایہ میں علامہ ابن کثیر نے بھی

مشہور روایت اسی کو مانا ہے (ج ۲، ص ۲۴۷)“

ابن کثیر کے بارے میں مودودی صاحب کی یہ صریحاً غلط بیانی ہے کیونکہ

البدایہ کے ص ۲۴۱ پر انہوں نے پہلے تو یہ لکھا ہے کہ کسی انجان شخص کا پھیکا ہوا تیر-

”سہم غرب“ جنگ کے دوران حضرت طلحہؓ کے آکر لگا تھا پھر یہ کہہ کر کہ لوگ یہ بھی

کہتے ہیں کہ تیر مروان بن الحکم نے مارا تھا واللہ اعلم لکن شبہ کا اظہار بھی کر دیا ہے

لیکن مودودی صاحب نے جس صفحہ ۲۴۷ کا حوالہ دیا ہے اس پر تو قد قیل کے ساتھ صاف لکھ دیا ہے کہ ان الذی رماہ غیرہ وھذا عندی اقرب یعنی حضرت طلحہؓ جس نے تیرا ارادہ ان کے (حضرت مروانؓ) سوائے اور کوئی تھا اور یہ بات میرے نزدیک زیادہ قریب صحت ہے" اس درجہ صراحت کے بعد مشہور روایت پر باظہار شبہ واللہ اعلم بھی لکھ دیا ہے۔ مودودی صاحب کا یہ فرمانا کہ ابن کثیر نے مشہور روایت اسی کو مانا ہے، کیا اخفائے حق و غلط بیانی نہیں رہے ابن عبد البر کے ثقات تو الاستیعاب (ج ۱، ص ۲۰۷) پر جس کا حوالہ مودودی صاحب نے دیا ہے جن "ثقة راویوں" کی سند سے حضرت مروانؓ پر جنگ جمل میں حضرت طلحہؓ کے تیر مارنے کی وضعی روایتیں لکھی ہیں ان میں ایک صاحب تو عبد السلام بن صالح ہیں جنہیں امام ذہبی نے کٹر شیعہ (شیعی جلد) لکھا ہے العقیلی نے رافضی خبیث کہا ہے ابن عدی نے متہم بکذب نسائی نے غیر ثقة اور الدارقطنی نے فرمایا ہے کہ یہ خبیث رافضی حدیثیں وضع کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کلب للعلویۃ خیر من بنی امیۃ یعنی علوی لوگوں کے کتے بھی بنی امیہ سے اچھے ہوتے ہیں میزان الاعتدال ج ۲، ص ۱۳۰) اسی قماش کے اور بھی راوی ہیں تو ان "ثقات" کا کیا اعتبار۔ مودودی صاحب کو جب یہ اقرار ہے کہ جنگ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ کی فوج میں دہ قاتلین عثمانؓ موجود تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان کے درمیان مصالحت ہوگئی تو پھر ہماری خیر نہیں (شمارہ جون ص ۲۶۵) ساتھ ہی اس کا بھی اقرار ہے کہ حضرت طلحہؓ وزیر قصاص خون عثمانؓ کے طالب تھے ان حالات میں اموی سادات کے بغض و عناد سے وہ اگر بالآخر ہو کر غور فرما لیتے تو واضح ہو جاتا کہ جو لوگ قصاص عثمانؓ کے بارے میں مصالحت ہو جانے سے اپنی خیر نہیں سمجھتے تھے انہوں نے ہی ان دونوں طالبان قصاص طلحہؓ و زبیرؓ کو قتل کرنے میں اپنی عافیت سمجھی تھی۔ حضرت مروانؓ پر قتل طلحہؓ کا بہتان عائد کرنے سے بھی ثابت ہو گیا کہ مودودی صاحب اموی سادات کے بارے میں اپنے طبعی رجحان سے عدل و انصاف نہیں کر سکتے۔



## موقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب کے طنز و تعریض کا سب سے زیادہ نشانہ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی عدیم النظیر شخصیت ہے حالانکہ اصحاب کرام کے نزدیک وہ معیاری حکم ران اور ان کے متفق علیہ امام تھے ان کی امامت پر صحابہ نے بالکل اسی طرح اجماع کیا تھا جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اور ان کی خلافت کو آئینی حیثیت ہے۔ بالکل وہی درجہ دیتے تھے جو پہلے تینوں خلفاء کا تھا۔ مودودی صاحب یا کوئی دوسرا شخص صحیح اور مستند حوالوں سے کسی طرح یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام نے ان کی اور پہلے تینوں خلفاء کی خلافت میں کوئی فرق کیا ہو۔ اور کر بھی سکتے تھے کیسے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی فرما چکے تھے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بنو اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں تھی جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو ان کی جگہ دوسرا قائم ہو جاتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ البتہ خلفاء ہونگے اور بہت ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا پھر ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ فرمایا جو پہلے آتا جائے اس کی بیعت پوری کرو اور ان کے حقوق ادا کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ان کی رعایا کے بارے میں ان سے خود باز رہیں فرمایا ولا سے (متفق علیہ)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ  
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
قال کانت بنو اسرائیل تسوہم  
الانبیاء کلما ہلک نبی  
خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی  
فیکون خلفاء فیکثرون قالوا  
فما تاملنا قال فوا بیعتہ الاول  
فالاول اعطوہم حقہم فان  
اللہ سائلہم عما استرعاہم۔  
(متفق علیہ)

گویا خلفاء کی تعداد دو چار کی نہیں ہے جیسا کہ اپنے آپ کو صحابہ کرام سے زیادہ عقلمند اور ان سے زیادہ دین کی سمجھ کا زعم رکھنے والے پر خود غلط لوگوں کا خیال ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کا وعدہ کرتے وقت صرف تیس برس کے لئے وعدہ کیا تھا اور نہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ وضعی حدیث میں کہا گیا ہے جس کی نقلی ہماری پہلی کتاب میں کھول دی گئی ہے۔ بلکہ آپ نے صراحت فرمادی کہ جب فتنے پیدا ہوں اور امت کے اندر غلط عقائد و تصورات پھیلانے والے لوگ پیدا ہونے لگیں تو اس وقت اہل حق کی نجات صرف اس میں ہوگی کہ جماعت اور اس کے امام سے وابستہ رہیں۔ (بخاری و مسلم) جو شخص یا گروہ اس نظام خلافت سے ہٹ کر فرقہ بندی کی کوشش کریگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی جماعت کی راہ کے علاوہ کوئی راہ تلاش کرتا چاہے گا وہ سیدھا جہنم میں جائے گا (النساء ۱۷) اور جو شخص جماعت کا شیرازہ منتشر کرنے کے درپے ہوگا۔ وہ اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کر دے گا۔

(صحیح مسلم باب حکم فرق امر المسلمین وهو مجتمع من ۱۳ ج ۲ طبع مصر)

حضرت عرفہؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو شخص تمہارے سامنے آئے اور تمہارا سیاسی نظام کسی ایک شخص پر اجماع سے قائم ہو چکا ہو اور وہ چاہے کہ تمہاری حکومت میں اختلال پیدا کرے یا تمہاری جماعت میں تفرق ڈالنا چاہے تو اسے قتل کر دو۔

عن عروجة رضى الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله وسلم يقول من اتاكم وامرکم مجتمع علی رجل واحد یرید ان یشتق عصاکم اولی فرق جماعتکم فاقتلوا۔

ایسی کوئی ایک دو حدیثیں نہیں ہیں بلکہ بیسیوں ہیں جن سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی خلافت کا نظام صدیوں تک قائم رہے گا۔ اور یہ کہ وہ نظام حق ہوگا اس سلسلہ میں ہم ابتدائی اوراق میں کافی وثافی بحث کر چکے ہیں جس سے ثابت ہو گیا کہ مودودی صاحب نے خلافت و ملکیت کا فرق قائم کر کے اس نظام کو باطل کہا ہے جو امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے عہد مبارک سے امت میں رائج ہوا اور اجماع صحابہ کرام سے جس کی بنیاد رکھی گئی اس طرح وہ سمجھ لیں کہ کہاں کھڑے ہیں۔ اب ہم اس سے بڑے اعتراض پر آتے ہیں جو مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ سے سلسلے میں امیر المؤمنین عثمانؓ پر عائد کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی سعی کوشش



کی ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہؓ کو شام کا والی بنا کر دراصل اموی خلافت کی ڈول ڈالی تھی اور ان کا مقصد تھا کہ کسی طرح تمام دنیائے اسلام پر ان کے گھروالوں کا قبضہ ہو جائے۔  
 فرماتے ہیں [جون ص ۲۵۳]

انھوں نے حضرت معاویہؓ کو ایک ہی صوبہ کی گورنری پر مسلسل ۱۶-۱۷ سال مامور رکھا حالانکہ حضرت عمرؓ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی شخص کو ایک ہی صوبہ کی حکومت پر زیادہ مدت تک نہ رکھتے تھے بلکہ وقتاً فوقتاً اول بدل کرتے رہتے تھے اور یہی تدبیر کا تقاضا بھی تھا۔ مگر حضرت معاویہؓ کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ نے اسے ملحوظ نہ رکھا وہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ایلہ سے بحرہ روم تک اور الجزائرہ سے ساحل بحر اریض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت (۳۵ سال) میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علیؓ کو بھگتنا پڑا۔

شام کا یہ صوبہ اس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔ اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے اور دوسری طرف تمام مغربی صوبے یعنی وہ اس طرح حائل تھا کہ اگر اس کا گورنر مرکز سے منحرف ہو جائے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بالکل کاٹ سکتا تھا۔ حضرت معاویہؓ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدت رکھے گئے کہ انھوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور وہ مرکز کے قابلوں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہو گیا۔

مودودی صاحب نے یہاں ایسی تلبیس سے کام لیا ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے ان کے بیان کے مطابق حضرت معاویہؓ عہد قاروتی میں چار سال تک صرف دمشق کے والی رہے۔ گویا ان کے زیر تصرف علاقہ صرف دمشق ہی کا تھا۔ یہ منطق ایسی ہے جیسے خلیفہ بغداد اور شاہ دہلی کی مروجہ اصطلاحوں کا مطلب یہ نکالا جائے کہ ان کی حکومتیں اور

شہروں کے حدود میں تھی۔

حضرت معاویہؓ کے تحت شام کا سب علاقہ تھا اور اس علاقے کا پورا رقبہ خود حضرت فاروق اعظمؓ نے رفتہ رفتہ حضرت معاویہؓ کے تحت کر دیا تھا۔ ابھی پچھلے اوراق میں ہم حضرت عمیر بن سعد انصاری کا واقعہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے انھیں حمص کی ولایت سے معزول کر کے یہ علاقہ حضرت معاویہؓ کی تحویل میں دے دیا تھا۔ [ملاحظہ ہو جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۲۵ ابواب المناقب طبع دہلی] اس روایت کی سند نہایت قوی ہے۔ اور اس کے سب راوی اہل اللہ ہیں۔

عن ابی ادریس الخولانی قال لما عزل عمر بن الخطاب عمیر بن سعد عن حمص ولی معاویة فقال الناس عزل عمیر اولى معاویة فقال عمیر لا تذکروا معاویة الا بالخیر فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اللهم اهد به۔

حضرت ابو ادریس خولانیؒ فرماتے ہیں جب حضرت عمر بن الخطابؓ عمیر بن سعد کو حمص سے معزول کر کے معاویہؓ کو بدل کا حاکم بنایا تو لوگوں نے کہا عمیر کو معزول کر دیا اور معاویہ کو حاکم بنا دیا اس پر حضرت عمیرؓ نے فرمایا معاویہ کا جب ذکر کرو بھلائی کے ساتھ کرنا کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔

”خدا یا اس کو ہدایت کا ذریعہ بنا“

امام ابوبکر ابن العربیؒ نے صراحت کی ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ ہی نے شام کا پورا علاقہ حضرت معاویہؓ کے تحت کر دیا تھا (العواہم) اور ساتھ ہی فرماتے ہیں :-

بل انما ولاه ابو بکر الصديق رضى الله عنه لانه ولي اخا يزيد واستخلفه يزيد فاقوه عمر لعلقه بولاية ابی بکر اجل استخلاف واليه له فتعلق عثمان بعمر و اخره

بلکہ حقیقتاً تو انھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا۔ اس لئے کہ انھوں نے ان کے بھائی یزید کو مقرر کیا اور یزید نے انھیں اپنا جانشین بنایا اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کی طرف سے مقرر ہونے کا خیال کر کے انھیں ہر قرار رکھا کیونکہ ان کے (یعنی حضرت صدیقؓ کے) والی نے انھیں اپنا جانشین بنایا تھا حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی پیروی کی اور انہی کو ہر قرار رکھا۔



حضرت فاروقؓ نے عہد میں تمام شام کا علاقہ حضرت معاویہؓ کی ولایت میں ہونے کے بڑے قوی اور جہتی دلائل میں منجملہ ازاں البدایۃ والہایۃ میں ہے (۸: ۱۲۴-۱۲۵) منقول از العواصم ص ۲۰۹

جب حضرت عمرؓ شام تشریف لے گئے اور حضرت معاویہؓ ای سے استقبال کے لئے سواروں کے عظیم الشان جلوں کے ساتھ حاضر ہوئے عمرؓ نے اسے ناپسند فرمایا۔ حضرت معاویہؓ نے اس پر یہ عذر پیش کیا۔

"ہم ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بہت ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکومت کی ایسی شان و شوکت ظاہر کی جائے جو اسلام اور مسلمانوں کے شایان شان ہو۔ اس طرح ہم ان پر رعب ڈال سکیں گے۔"

اس پر حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا "ایرا المؤمنین دیکھئے کس خبری کے ساتھ یہ اپنے آپ کو اس الزام سے بچائے گئے جو آپ نے ان پر عائد کیا۔"

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "جبھی تو ہم نے ان پر ایسی ذمہ داری ڈالی ہے۔"

لما قدم عمر الشام و  
وتلقاه معاویہ فی موب عظیم  
فاستنکر عمر ذلك واعتذر  
له معاویہ بقوله:

"انا بارض جواسیس  
العدو فیھا کثیرۃ فیجب ان  
تظہر من عز السلطان ما یکون  
فیہ عز الاسلام واهله ورحمه  
فقال عبد الرحمن بن  
عوف لعمر: ما احسن ما  
صدر عما وردتہ فیہ یا  
امیر المؤمنین"

فقال عمر: من اجل ذلك  
جسمنا ما جثماننا"

صحیح ہے کہ حضرت فاروقؓ اعظمؓ اپنے والیوں کو جلد از جلد بدلتے تھے بلکہ بسا اوقات ایک ہی برس کے بعد بدل دیتے جیسے حضرت عمارؓ کو بدل دیا تھا لیکن یہ علاقہ شام کا تھا جو سیاسی حیثیت سے اہم علاقہ تھا اور یہ شخصیت حضرت معاویہؓ کی تھی کہ آپ نے انھیں مستقلاً وہاں رکھا۔ مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ وہ صرف پانچ برس رہے تھے اس کی دلیل نہیں کہ حضرت فاروقؓ اعظمؓ انھیں بعد میں نہ رکھتے کیونکہ آپ کو اچانک اسی گروہ کے ایک پیش رو شہید کر دیا تھا جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف اسلام کا لبادہ اوڑھ کر یہ جھگڑے بپا کئے۔

مودودی صاحب نے ایک اور بات پر غور نہیں فرمایا کہ حضرت معاویہؓ کا تقرر ان کے برادر بزرگوار حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بعد کیا گیا تھا گو یا مودودی صاحب کے تصور کے مطابق آل ابی سفیان کی ملوکیت کی بنیاد حضرت فاروق اعظمؓ رکھ گئے تھے۔ بلکہ ان سے بھی پہلے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے مرکزی سکرٹریٹ کے ساتھ عرب کے سب اہم مقامات پر امویوں کو فائز کیا تھا اور آخر وقت تک رکھا۔ اور آپ کے بعد خاص طور پر حضرت عتابؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ نے پھر یہ حضرت صدیق اکبرؓ ہی تھے جنہوں نے حضرت یزید بن ابی سفیانؓ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور حضرت ولید بن عقبہؓ کو اپنی خلافت کے اہم ترین کارپردازوں میں رکھا جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

گو یا مودودی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو جو آداب سیاست سکھانے چاہے ہیں اور روایوں کو بدل کرنے کا گرہ نہیں بتانا چاہا ہے وہ افسوس ہے کہ ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ اور ایسی غلطیاں کر گئے کہ امویوں کی "ملوکیت" قائم ہونے کی راہیں خود بخود صاف ہوتی چلی گئیں۔ مودودی صاحب نے دوسرے الفاظ میں وہی بات کہی ہے جو شیعہ مصنفین کہتے آئے ہیں چنانچہ مولف "مصابیح نظم" نے متعدد جگہ بتغیر الفاظ کہا ہے کہ:-

"خلافت راشدہ نے اس کی ضرورت دیکھی کہ بنی امیہ رضامند

رکھے جائیں اس لئے دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ کے قاعدہ پر ان کو شام کا

ملک دیدیا گیا۔"

مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کی غلطی اور خلافت کے لئے حضرت معاویہؓ کی منصوبہ بندی تو ظاہر فرمادی مگر یہ بتانے سے قاصر رہے کہ عہد عثمانی و فاروقی و صدیقی و عہد نبوی میں ان سے کون سی ایسی بات ظاہر ہوئی جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ مرکز کے تابع رہنے کی بجائے مرکز کو اپنا تابع رکھنا چاہتے تھے۔ مرکز کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی وفاداری اور مرکز پر ان کا انتہائی اعتماد تو دلیل اس کی ہے کہ حضرت معاویہؓ امت کے



عظیم ترین ائمہ میں ہیں اور جہان بینی و نظم و نسق میں مثالی کہ تینوں خلافتوں میں ایک جگہ رہے۔  
 رہا حضرت علیؑ سے بیعت نہ کرنا اور قصاص عثمانؓ کا مطالبہ نہ کر کھڑا ہونا تو یہ ان  
 کا فرض تھا۔ سیاسیات اسلامیہ کے ارتقا میں انہوں نے جو عظیم الشان خدمات انجام  
 دی تھیں وہ انہیں تباہ کیسے ہونے دیتے۔ اور کیوں اس کے روادار ہوتے کہ چند بے ننگ  
 و نام لوگ مرکز خلافت پر چڑھ دوڑیں امت کے متفق علیہ اور محبوب ترین امام کو شہید  
 کر دیں اور اپنی مرضی کی خلافت بپا کر کے تمام عالم اسلام کی سیاست پر قابض ہو جائیں۔  
 حضرت معاویہؓ بیٹھے تو شام میں تھے مگر ان کی نگاہوں میں پورے عالم اسلام کا  
 حال و استقبال تھا وہ دیکھ رہے تھے کہ حضرت علیؑ کی قیادت کا ان لوگوں کے ہاتھوں کیا  
 کیا حال ہے اور پھر انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ حضرت ام المومنین صلوات علیہا کی تعمیری  
 کوششیں اسی نابکار ٹولی نے کس طرح غارت کر دیں۔

مودودی صاحب کا یہ تصور کہ علوی خلافت آئینی تھی اور تمام بلاد اسلامیہ میں  
 ان کی بیعت کی تکمیل ہو گئی تھی اور جمہور صحابہ و تابعین نے انہیں اپنا امام تسلیم کر لیا تھا۔  
 صحیح نہیں اس کی حقیقت پر ہم پچھلے اوراق میں روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس لئے حضرت  
 معاویہؓ پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا اور نہ صحابہ کرامؓ نے کبھی کہا کہ انہوں نے امام جماعت سے  
 بغاوت کا ارتکاب کیا تھا۔

اگر صحابہ کرامؓ نے انہیں باغی اور خارجی سمجھا ہوتا تو وہ سب کے سب حضرت علیؑ  
 کے جھنڈے کے نیچے حضرت معاویہؓ کے مقابلے پر جمع ہو جاتے اور اس وقت تک صبر نہ لیتے  
 جب تک کہ وہ مغلوب نہ ہو جاتے۔ لیکن دیکھتے ہم یہ ہیں کہ جب صفین میں جنگ بند ہوئی تو  
 تو معاملہ مثالوں پر ڈال دیا گیا اور مثالوں نے فیصلہ حضرت علیؑ کے حق میں نہیں کیا اور پھر جب  
 ان کی شہادت ہو گئی تو حضرت معاویہؓ کے دست مبارک پر بیعت ہوئی اور ممالک اسلامیہ  
 میں سوائے خوارج کے باقی سب نے بیعت کر لی۔ اس سال کا نام علم الجماعۃ رکھا گیا  
 اور تمام صحابہ کرامؓ جو اس وقت زندہ تھے انہوں نے اپنا متفق علیہ امام تسلیم کر لیا۔  
 گویا۔ مودودی صاحب کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ پوری امت نے قرآن مجید کا حکم

پس پشت ڈال دیا اور جس شخص کا قتل واجب تھا اسی کی سپرد امت کی زمام کار کر دی۔  
**قتل عمارؓ** | مودودی صاحب نے بڑی تحدی سے حضرت علیؓ کو حق پر اور حضرت  
 معاویہؓ کو باطل پر قرار دیا ہے اور یہ وہ موقف ہے جو آج تک کسی ایسے  
 شخص نے اختیار نہ کیا جو دین کا علم رکھتا ہو اور سنت نبویہ اور جماعت صحابہ سے اپنے  
 کو وابستہ سمجھتا ہو۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ص ۳۲۴-۳۲۵)

”اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے نص صریح  
 سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔  
 وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے۔  
 حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمارؓ کے متعلق  
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہ میں مشہور و معروف تھا اور بہت  
 سے صحابیوں نے اس کو حضور کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ تَقَاتِلُوا النَّاسَ  
 الْبَاغِيَةَ رَتَمَ كَوَإِيَّكَمُ قَتْلُ الْبَاغِيَةِ قَتْلُ الْمُسْلِمِ (بخاری)  
 مسلم، ترمذی، نسائی، طبرانی، بیہقی، مسند ابوداؤد، طیالسی وغیرہ کتب حدیث  
 میں حضرات ابوسعید خدری، ابوقتاہ، انصاری، ام سلمہ، عبداللہ بن مسعود،  
 عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابوہریرہ، عثمان بن عفان، حذیفہ، ابوالیوب  
 انصاری، ابورافع خزیمہ بن ثابت، عمرو بن العاص، ابوالیسر، عمار بن یاسر  
 رضی اللہ عنہم اور متعدد دوسرے صحابہ سے اس مضمون کی روایات منقول  
 ہیں۔ ابن سعد نے بھی یہ حدیث کئی سندوں سے نقل کی ہے۔ متعدد صحابہ  
 و تابعین نے جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ میں مذہب تھے۔ حضرت  
 عمارؓ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لئے ایک علامت قرار دے لیا تھا۔  
 کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ علامہ ابن عبد البر  
 الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بتواتر آثار یہ بات  
 منقول ہے کہ عمار بن یاسر کو باغی گروہ قتل کرنے کا اور یہ صحیح ترین



احادیث میں ہے۔ یہی بات حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھی ہے۔ دوسری جگہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: "قتل عمار کے بعد یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا اور اہل السنۃ اس بات پر متفق ہو گئے درآنحالیکہ پہلے اس میں اختلاف تھا۔"

یہ طولانی بیان محض یہ ثابت کرنے کے لئے دیا گیا ہے کہ صفین میں حضرت علی کی طرف سے عمار کا قتل ہونا بتایا جاتا ہے اس لئے حضرت معاویہ باغی قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ نص قرآنی کے مطابق باغی گروہ سے قتال واجب ہے حتیٰ "تقی" الیٰ امر اللہ دہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے۔ یہود و دی صاحب نے قتل عمار کو "حق و باطل" کا معیار تو قرار دے دیا اور حدیث کو نص صریح بھی بتا دیا لیکن وہ اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ (۱) حضرت عمار کے قتل کے بعد حضرت علیؑ نے اپنا موقف بدل دیا اور جنگ سے ہاتھ روک لیا حالانکہ "باغی" گروہ سے جنگ کی ابتدا انہوں نے کی تھی۔ ایک روایت بھی ایسی پیش نہیں کی سکتی جس سے ادنیٰ ثبوت اس کا دیا جاسکے کہ جنگ کے لئے حضرت معاویہؓ کی طرف سے کوئی پیش قدمی ہوئی تھی۔

حب فرمان خداوندی حضرت علیؑ کا فرض تھا کہ بہر طور جنگ جاری رکھتے اور تمام صحابہ کا یہ فرض تھا کہ وہ اس بارے میں حضرت علیؑ کا ساتھ دیتے۔

(۲) صحابہ کرام کے جو مواقف حضرت عمار کے قتل سے پہلے تھے ان میں جو غیر جانب دار تھے مثلاً حضرت سعد اور حضرت ابن عمر وغیرہما وہ اپنی غیر جانب داری پر قائم رہے۔ جو حضرات حضرت علیؑ کے مخالف تھے جیسے حضرت عقیل بن ابی طالب۔ حضرت عمرو بن العاص وغیرہما وہ بدستور حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے۔

(۳) جو حضرات حضرت علیؑ کے ساتھ تھے انہوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا۔ علاوہ انہوں نے یہ نص صریح "اور حق و باطل کی بات کرنے والے اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ۔"

(الف) حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ جنگ چل تک حضرت علیؑ کے ساتھ

تھے لیکن صفین میں شریک نہیں ہوئے اور مدینہ جا بیٹھے۔ (الاصحابہ بذیل عنوان خالد زید)

(ب) اور حضرت جریر بن عبد اللہ جنگ جمل کے بعد تک حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ پھر آپ کو حضرت معاویہؓ کے پاس بیعت لینے کے لئے شام بھی گیا وہاں کے احوال دیکھنے کے لئے انھیں حضرت معاویہؓ نے روک لیا۔ یہاں اشر نے ان کے خلاف محاذ بنالیا کہ معاویہؓ سے مل گئے۔ آپ نے آکر وہاں کے احوال بیان کئے اور یہ بھی سنا کہ آپ کے متعلق کیا کیا باتیں کہی گئیں لہذا آپ بد دل ہو کر مدینہ چلے گئے اور پھر وہاں سے شام۔ آپ صورت حال اچھی طرح سمجھ گئے تھے اور امت کی نجات حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے میں سمجھ لی۔

(ج) حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہما کو حضرت علیؑ نے مصر کا والی بنایا اور آپ نے وہاں کا نظم نسق خوبی کے ساتھ سنبھال لیا۔ حضرت معاویہؓ بن خدیج وغیرہ اکابر کی قیادت میں وہاں بھی ایک بڑی جماعت جن کی تعداد دس ہزار بنائی جاتی ہے۔ بیعت علی سے منحرف تھی اور ان کا موقف تھا کہ اگر اس خلافت پر اجماع اُمت ہو گیا تو ہم بھی بیعت کر لیں گے۔ ورنہ نہیں۔ حضرت قیسؓ نے ان سے فرمایا کہ لگ کر آپ امن سے رہیں تو ہمیں آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی اور آپ کے سب حقوق وہی ہوں گے جو اور مسلمانوں کے ہیں۔ اس طرح وہاں کی فضا نہایت پر امن تھی مگر یہاں ان کے خلاف بھی محاذ بنالیا گیا کہ معاویہؓ سے مل گئے۔ ہیں جو بیعت نہ کرنے والوں سے جنگ نہیں کرتے۔ حضرت قیسؓ نے بار بار لکھا کہ میرا عمل تعمیری ہے اور صحیح سیاست پر مبنی اس طرز عمل کو بدلنا نہیں چاہیے۔ مگر اشر وغیرہ نہ مانے اور انھیں معزولی کا حکم بھیج دیا گیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر والی بنائے گئے جنھوں نے جا کے جنگ چھیڑ دی اور پھر ان حضرات نے حضرت معاویہؓ سے مدد مانگی چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہاں جا کر حالات پر قابو پا لیا اور یوں مصر حضرت علیؑ کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ حضرت قیسؓ اس صورت حال سے بد دل ہو کر مدینہ جا بیٹھے۔ یہ روایات نہیں ہیں تاریخی حقائق ہیں تو اب سوال ہے کہ ان سب نے اللہ کا کلام پس پشت ڈال دیا اور اس حدیث کو بھی اہمیت نہیں دی۔ صحابہ کرام میں سے اس حدیث کو کو جتنے راویوں کے نام مودودی صاحب نے دیئے ہیں ان کے موقف حسب ذیل ہیں۔



(۱) حضرت عثمانؓ حضرت خذیفہؓ اور حضرت ابورافعؓ حضرت ابن مسعودؓ تو اس وقت وفات پا چکے تھے۔ لہذا ان کے مواقع کا کیا ذکر۔ اور حضرت عمارؓ کا تو خود یہ قصہ ہی ہے حضرت خزیمہ بن ثابتؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور مقتول ہو گئے۔

(۲) حضرت ابوسعید خدریؓ جن سے صحیح بخاری کی روایت ہے نیز حضرت ابو ہریرہؓ اپنی غیر جانب داری پر قائم رہے۔ حضرت ابوقتاۃؓ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور قیطعی ہے کہ ان سب نے حضرت معاویہؓ سے بعد میں بیعت کر لی اور سب نے ابیریزید کی ولایت عہد کی بھی بیعت کی۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مودودی صاحب کی خیالی باتوں کے باوجود حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے اور پھر بعد میں ان کی طرف سے والی بھی رہے حضرت عمرؓ بن العاص بدستور حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے۔ ان کی طرف سے ثالث بنے اور حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ دیا۔

اب تین ہی صورتیں رہ جاتی ہیں (۱) تمام صحابہ مع حضرت علیؓ کے خدا و رسول کے احکام سے بے پروا تھے۔ (۲) یہ حدیث غلط ہے اور ایسی کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی (۳) حضرت معاویہؓ باغی نہیں تھے اور حضرت عمارؓ کے قتل کا وہ مفہوم نہ تھا جو لیا جاتا ہے۔ ان کا جنگ صفین میں شریک ہو کر مقتول ہونا بہت مشتبہ ہے۔ پہلی بات کسی مومن کے ذہن میں بھی نہیں آسکتی۔ دوسری بات کوئی علم حدیث رکھنے والا نہیں کہہ سکتا۔ لہذا سوائے تیسری بات کہنے اور سمجھنے کے کوئی چارہ نہیں رہتا یعنی یہ کہ حضرت عمارؓ کے قتل کی ذمہ داری حضرت معاویہؓ پر نہیں بلکہ اسی نابکار گروہ پر ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ بپا کر کے اُمت میں اختلاف کا دروازہ کھولا۔ حضرت عمارؓ کے قتل کی بنیاد تو اسی گروہ نے اسی وقت رکھ دی تھی جب مصر میں انھیں مدینہ کو واپسی سے روک لیا تھا پہلی بیان کیا جا چکا ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے ایک وفد تمام مملکت اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں صورت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ حضرت عمارؓ کے سپرد مصر کے احوال معلوم کرنے تھے۔ وفد کے سب ارکان اپنا

دورہ پورا کر کے مستقر کو لوٹ گئے اور گواہی دی کہ کسی جگہ امت میں بے چینی یا وابہوں کے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ صرف حضرت عمار لوٹ کر نہ آئے۔ طبری (ج ۵ ص ۹۹) تیسرے ابن خلدون (کتاب ثانی ج ۴) میں صراحتاً بیان ہے کہ مصر میں حضرت عمار کا ہول ابن سبا (عبداللہ بن السوداء) و خالد بن ولید و سودانی حمران و کنانہ بشر سے ہو گیا تھا۔ خود وہاں رک گئے تھے یا بقول مورخین طبری و ابن خلدون لوگوں نے انہیں روک لیا تھا حتیٰ کہ یہ گمان کیا گیا کہ وہ قتل کر دئے گئے و استیطاء الناس عمار و حتی ظنوا انه قد اغتیل (ایضاً طبری) یہ بھی کہا گیا ہے کہ عامل مصر حضرت عبداللہ بن ابی سرح نے سبائی گروہ سے ان کے میل جول کی اطلاع امیر المومنین کو بھیج دی تھی لیکن کسی نے یہ بتایا کہ حضرت عمار مصر سے مدینہ واپس آئے یا نہیں آئے تو کب اور جس خدمت پر مامور ہو کر نیچے گئے تھے اس کی انجام دہی کی کیا رپورٹ پیش کی۔

جنگ جمل میں انہیں موجود بتایا جاتا ہے اور مودودی صاحب کا ردِ عمرے ہے کہ انہی کی وجہ سے حضرت زبیرؓ مذہب ہو گئے تھے۔ لیکن مودودی صاحب نے یہ نہ سوچا کہ حضرت زبیرؓ حضرت ام المومنین کے ساتھ تھے جو تمام اہل ایمان کی ماں ہیں اور حق اور صبر ہی تھا جدھر وہ تھیں اور محبت وہی ہے جو ان کا اجتہاد تھا۔ ان کا یہ منصب نص قرانی سے ثابت ہے۔ چنانچہ تمام صحابہ مع پہلے تینوں خلفاء کے ہر معاملے میں ان سے مشورہ لیتے اور ان کی ہدایتوں پر عمل کرتے تھے۔ لہذا حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کی طرف ہوتے بھی تو یہ فیصلہ کن بات نہ تھی اور اگر ہوتی تو پھر مذہب کا کوئی سوال نہ تھا حضرت زبیرؓ ان کی موجودگی کو اپنی "غلط روی" کے لئے دلیل قاطع سمجھتے۔

وہاں دراصل صورت یہ تھی کہ فریقین کے درمیان اختلاف مٹ چکا تھا اور باہمی صلح ہو گئی تھی صرف صبح کو رسمی کارروائی مکمل ہونے کا انتظار تھا۔ اب جو جنگ چھڑ گئی تو حضرت زبیرؓ کا تذہب بجا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی طرف سے نہیں چھڑی اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے بھی نہیں چھڑ سکتی تھی۔ اس لئے وہ اس وقت اندازہ نہ لگا سکے کہ صلح ہو چکے کے بعد جنگ پھر دینے کی ذمہ داری کس پر ہے۔



چنانچہ صحیح بخاری میں ان کا اپنا ارشاد موجود ہے (ج ۲، ص ۱۹۳ باب بركة الغازی فی مالہ طبع مصر)

عبداللہ بن الزبیر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں جب حضرت زبیرؓ کے دن کھڑے ہوئے مجھے بلایا اور میں ان کے پہلو میں جا کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا بیٹا آج تو قتل ہوگا وہ یا ظالم ہوگا یا مظلوم اور میں اپنے متعلق دیکھتا ہوں کہ آج مظلوم قتل ہونگا۔ (آج کے ذکر مال کے متعلق وصیت کا ہے۔ م)

عن عبد اللہ بن الزبیر قال لما وقف الزبیر یوم الجمل دعانی فقلت الی جنبہ فقال یا بئی انه لا یقتل الیوم الا ظالم او مظلوم وانی لا را فی الالسا قتل الیوم مظلوماً.....

اس بیان میں نہ حضرت عمار کی موجودگی کا ذکر ہے نہ جھیں مودودی صاحب نے حضرت ام المومنین کے مقابلے میں حق و باطل کا معیار قرار دے دیا ہے اور نہ اس واہی اور بے اصل اور قطعی و ضعیف روایت کا ذکر ہے جسے مودودی صاحب نے طبقات ابن سعد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کو بلا کر انھیں وہ بات یاد دلائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمائی تھی کہ تم دونوں ناحق علی سے لڑو گے۔ اس لئے یہ دونوں صاحب انگ ہو گئے۔ حضرت علیؓ اگر ایسی کوئی بات فرماتے تو اس کا موقع وہ تھا جب فریقین پہلی دفعہ ایک دوسرے سے ملے تھے۔ اسی طرح جنگ کا امکان پہلے ہی ختم ہو جاتا اور صلح کی بات چیت کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ سب ان کی بیعت میں داخل ہو جاتے۔ پھر سوال ہے کہ اگر واقعی حضرت علیؓ نے ایسی کوئی بات کہی تھی تو یہ بزرگوار اکیلے ہی اکیلے کیوں چپ کے سے انگ ہو گئے۔ انھیں حضرت ام المومنینؓ سے عرض کرنا چاہئے تھا۔ اور اپنے ساتھیوں میں اعلان کرنا چاہئے تھا تا کہ مسلمانوں کی جانیں ضائع نہ ہوں۔ کون تھا جو ان کے بیان میں شک کرتا۔

غرض یہی واہی روایتیں ہیں جن کے ذریعہ عوام کو بے چین اور گمراہ کیا جاتا ہے۔ حضرت ام المومنینؓ وہاں پر امن مقاصد کے لئے تشریف لے گئی تھیں۔ اگر عثمان بن حنیف اپنے بزرگ ساتھیوں کی رائے مان لیتے اور حکیم بن حبلہ وغیرہ سہائیوں کی شرانگیز رائے

میں نہ آتے تو بصرے میں کوئی ہنگامہ نہ ہوتا اور رائے عامہ حضرت ام المومنین کے حق میں مستوار ہو جاتی  
یعنی سبائیوں کے خلاف وہاں ایک طاقتور جماعت کی تنظیم کر کے ان کا ایک مرکز توڑ دیا جاتا۔  
یہی بات حکیم بن جبہ کو نظر آرہی تھی اس لئے اس نے جنگ چھڑ دی اور یہی بات تھی جس کی بنا پر فریقین  
میں مصالحت اور یکجہتی پیدا ہونے کو سبائیوں نے اپنی موت جاتا اور جنگ چھڑ دی۔

**الفئة الباغية** | حضرت عمارؓ کے مقتول ہونے کے بارے میں وضعی روایتوں پر  
جو موردی صاحب کی کتب مآخذ میں ہیں واقعات کی روشنی میں

نظر ڈالنے اور درایتاً غور کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ ان کی ہلاکت کی ذمہ دار  
بھی وہی باغی ٹولی سبائیوں کی تھی جس نے حضرت عثمان غنیؓ کے مظلومانہ قتل کا از نکاب کیا تھا  
ان ہی سبائی باغیوں کے زرخے میں آکر جنھیں ملعونون علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
(طبری ج ۵ ص ۱۰) ایک ارشاد نبوی میں ملعون فرمایا گیا تھا حضرت عمارؓ جنگ صفین سے دو سال  
قبل اور حضرت عثمانؓ کی شہادت سے چند ماہ پہلے ۳۵ھ میں ہی جب وہ تھقیق حال کے لئے مصر  
بھیجے گئے تھے۔ ہلاک ہو گئے تھے۔ جنگ جمل وصفین میں ان کی موجودگی کی روایتیں تو صرف  
اس غرض سے وضع کی گئیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے جو یہ ارشاد فرمایا  
تھا کہ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ تھقلت الفئة الباغية وہ حضرت معاویہؓ اور ان  
کے ساتھیوں پر چسپاں کر کے انھیں باغی جماعت قرار دیا جائے دلائل ملاحظہ ہوں:-

(۱) ۳۵ھ میں امیر المومنین عثمانؓ اور ان کے عمال پر مختلف شہروں میں طعن و تشنیع  
کا شیوع جب زیادہ ہونے لگا۔ اس کی خبریں اہل مدینہ کو پھیں بقول مورخین (طبری  
ج ۹۹ و ابن خلدون کتاب ثانی ج ۲) صحابہ کی ایک جماعت نے امیر المومنین کے پاس  
آکر ان حالات سے مطلع کیا اور طلب مشورہ پر۔

قالوا نشیر علیک ان تبعث رجالا  
من تنشق بهم الی الامصار حتی  
یرجعوا الیک باخبارهم  
(طبری و ابن خلدون)

ان حضرات نے کہا کہ مشورہ ہمارا یہ ہے کہ معتبر  
و معتمد آدمیوں کو مختلف شہروں میں بھیجے تاکہ وہاں  
کے حالات کی خبریں آپ کو لا کر دیں۔



(۲) امیر المومنین نے چنانچہ اکابر صحابہ میں سے مندرجہ ذیل حضرات کو جو ان کے معتد علیہ تھے مختلف مقامات کے حالات معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔

(الف) حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو کوذہ بھیجا گیا۔ یہ ہدیری صحابی تھے خیر کام حرب یہودی ان ہی کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ فضلاء صحابہ میں سے تھے۔ بتوک کے غزوہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر نائب مقرر کیا تھا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کی خانہ جنگیوں سے علیحدہ رہے۔ حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔

(ب) حضرت اسامہ بن زیدؓ بصرے کے حالات معلوم کرنے بھیجے گئے وہ حب رسول اللہ کہلاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحلت سے قبل ان ہی کو حبش کا سردار مقرر کیا تھا جس میں اکابر و اجلہ صحابہ شامل تھے۔ یہ بھی ایام فتنہ میں علیحدہ رہے۔ حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔

(ج) حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ ملک شام بھیجے گئے۔ بدر و احد کے علاوہ سب غزوات میں شریک ہو کر بیعت الرمناء میں سب سے پہلے انھوں نے ہی بیعت کی تھی۔ خانہ جنگیوں سے قطعاً علیحدہ رہے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے انھیں "رجل صالح" فرمایا تھا نہایت درجہ نیک و عابد و زاہد تھے۔

(د) حضرت عمار بن یاسرؓ سابقون الاولون میں سے تھے انھوں نے اور ان کی والدہ ماجدہ نے جو بنو مخزوم میں سے ابو حذیفہ بن مغیرہ کی لونڈی تھیں اسلام کی خاطر بڑے غداہ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے خلافت میں ان کو کوفے پر عامل مقرر کیا تھا مگر ملحد ہی معزول کر دیا تھا کیونکہ بروایت طبری (ج ۴ ص ۲۶۱) اہل کوذہ نے حضرت عمارؓ سے بارے میں یہ شکایت کی کہ جس منصب پر وہ ہیں اس کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اہل کوذہ ان پر جھپٹ پڑے ہیں حضرت عمرؓ نے ان کو واپس بلا بھیجا تو وہ کوفے سے ایک وفد اپنے ساتھ لے کر چلے اور ایسے لوگوں کو ساتھ لیا جن کو وہ اپنا موافق سمجھتے تھے لیکن وہ ثابت ہوئے ان سے بھی سخت جن کو وہ چھوڑ کر آئے تھے۔ عمارؓ

اس پر جزع و فزع کرنے لگے کسی نے پوچھا کیوں جزع و فزع کرتے ہو کہا میں اپنی ذات کو مدوح نہیں سمجھتا ہوں مگر اس واقعہ کے ذریعہ آزمائش میں ڈال دیا گیا ہوں۔ مختار ثقفی کا چچا سعد بن مسعود ثقفی اور جریر بن عبداللہ جو ان کے ساتھ آئے تھے انھوں نے ان کے متعلق کچھ لکایا، بکھایا اور حضرت عمرؓ کو ان کی بعض ناپسندیدہ باتوں کی خبر دی تو حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا اور پھر کوئی منصب ان کو نہ دیا۔ حضرت عمارؓ جب ۳۵ھ میں مصر بھیجے گئے تھے اس وقت ان کی عمر نوے برس کے لگ بھگ تھی۔ ان حضرات کے علاوہ بعض اور اصحاب بھی دوسرے مقامات کو روانہ کئے گئے تھے۔

(۳) یہ سب اکابر صحابہ جو حالات کی تحقیق و تفتیش پر متعین ہوئے تھے ظاہر ہے کہ امیر المومنین کے معتمد علیہ تھے۔ ان میں سے کسی کو نہ پہلے سے امیر المومنین کی ذات سے کوئی شکایت تھی اور نہ بعد میں شکایت و ناراضی کی کوئی وجہ پیدا ہوئی۔ حضرت عمارؓ کے سوائے سب حضرات نے واپس لوٹ کر بیان کیا کہ ہم نے نہ تو عمال اور والیان صوبہ کی کوئی برائی دیکھی اور نہ عوام و خواص کو ان کی شکایت کرتے ہوئے پایا (طبری ج ۵ ص ۹۹ و ابن خلدون کتاب ثانی)

(۴) حضرت عمارؓ کے مصر بھیجے جانے سے پہلے امیر المومنین کو ان پر بھی ویسا ہی اعتماد و اعتبار تھا جیسے اپنے دوسرے نمایندہ حضرات پر تھا وہ جس وقت مدینہ سے بھیجے جا رہے تھے۔ اگر حضرت عثمانؓ سے ان کو پہلے سے خود اپنے متعلق یا امیر المومنین کی سیاست کے متعلق کچھ شکائتیں ہوتیں یا امیر المومنین کو ان سے ہوتیں تو نہ امیر المومنین ان کو بھیجتے اور نہ وہ اپنا بھیجا جانا پسند کرتے۔ امیر المومنین کا ان کو تحقیق حالات کے لئے مصر بھیجنا اور ان کا اس خدمت کی انجام دہی قبول کر کے مصر جانا دلیل اس امر کی ہے مصر جانے سے پہلے نہ امیر المومنین کو ان سے کوئی شکایت تھی اور نہ انھیں امیر المومنین سے کوئی گلا شکوہ تھا۔

اب دیکھئے مودودی صاحب کے مآخذ (الامامة والسياسة ج ۱ ص ۳۲)

والاستيعاب ج ۲ ص ۷۲۲) وغیرہ میں جو یہ روایتیں ہیں کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسی شکایتوں کا ایک بڑا طور مار لکہ کہ سنت رسول اللہ سنت شیخین کے خلاف تم نے عمل کیا "حق اللہ و رسولہ" اور ذوالقربی ویتامی و مساکن کے حقوق تلف کر کے خمس



افریقہ مروان کو بخش دیا۔ اور اپنے عزیز و رشتہ داروں کو بے تحاشا روپیہ دے دیا اپنی  
 زوجہ سیدہ نائلہ اور اپنی دختر عائشہ اور اپنے بیٹوں کے لئے محلات بنوا دئے نیز ان تمام  
 اتہامات کا ذکر تھا جو مودودی صاحب کی حضرت عثمانؓ پر عاید کردہ فرد جرم میں شامل ہیں۔  
 حضرت عمارؓ مع دس آدمیوں کے جن میں حضرت مقدادؓ بن الاسود بھی شامل بتائے گئے  
 ہیں یہ تحریر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں دینے کے لئے گئے راستہ میں ایک ایک کر کے سب ساتھی  
 ان کے مع مقدادؓ کے تو کھسک گئے۔ یہ تنہا رہ گئے جس وقت مکان میں اجازت لے کر  
 داخل ہوئے روایت میں بیان ہے کہ مروان اور بنی امیہ کے لوگ حضرت عثمانؓ کے پاس  
 بیٹھے تھے حضرت عثمانؓ نے وہ تحریر پیش کی پوچھنے پر اقرار کیا کہ یہ تحریر میں نے لکھی ہے لیکن  
 اپنے ساتھیوں کے نام بتانے سے انکار کیا اس پر حضرت عثمانؓ نے انھیں خوب پٹوایا  
 اور خود بھی زد و کوب کیا و ضربہ عثمانؓ معہم حتی فتقوا بطنہ (امامہ ج ۱ ص ۳۲)  
 والا (استعیاب) اور عثمانؓ نے اوروں کے ساتھ انھیں مارا یہاں تک کہ ان کا پیٹ  
 پھٹ گیا (بیہوشی کے عالم میں عمارؓ کو دروازے کے باہر حضرت عثمانؓ نے پھنکوا دیا۔  
 یہ سارا واقعہ مصر جانے سے پہلے کا گھڑا گیا ہے مصر جانے کے بعد کا تو ہو نہیں سکتا کیونکہ  
 اس میں حضرت ولید بن عقبہ کے شرب خمر کی سزا نہ دینے کا ذکر ہے جو پانچ سال پہلے زندہ کا  
 واقعہ ہے اور پچھلے صفحات میں جس کا آچکا ہے۔ غرضیکہ اسی قسم کے اور بھی قصے گھڑے گئے ہیں  
 ان میں سے بعض کو ڈاکٹر طہ حسین نے اپنی کتاب "عثمان" میں بھی لکھ مارا ہے اور کہا ہے  
 کہ حضرت عثمانؓ ہی نے حضرت عمارؓ کو لونڈی بچہ کہہ کر خود اس قدر مارا تھا کہ بیہوش ہو گئے  
 تھے اور "ام سلمہ" اور عائشہؓ نے آنحضرتؐ کے کچھ بال کپڑا اور جوتہ نکالا اور فرمایا یہ اللہ  
 کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بال اُن کا کپڑا اور جوتہ ہے ابھی یہ پرانا نہیں ہوا اور تم ان کی سنت  
 پھوڑ رہے ہو لوگ چلا آئے اور حضرت عثمانؓ آپ سے باہر ہو گئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ  
 کیا کہیں (ص ۲۲) کچھ بھی حقیقت ان روایتوں کے وضعی قصوں کی ہوتی تو جس وقت حضرت  
 عثمانؓ نے ان سے اہل مصر کی شکایتوں کی تحقیق کے لئے کہا تھا تو حضرت عثمانؓ صاف کہتے کہ  
 ہم دوسروں کی شکایتوں کی تحقیق کر لے کیا جائیں ہیں تو خود ہی تم سے بہت سی شکایتیں ہیں

اور اگر ان شکایتوں کا اظہار نہ کیا تھا تو کیوں دل میں کینہ و بغض ایسی حالت میں لئے  
 رہے جبکہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مخلص سمجھ کر شکایات کی تحقیقات کے لئے بھیجا۔ حضرت  
 عثمانؓ کو اس کا علم ہوتا کہ ان کو مجھ سے شکائتیں ہیں اور ان کا دل میری طرف سے صاف  
 نہیں ہے تو وہ ان کو مصر کیوں بھیجے کسی اور کو بھیجتے۔ یقیناً حضرت عثمانؓ کو ان پر پورا اعتماد  
 تھا اور ان کو مدینہ سے مصر جانے کے قبل تک حضرت عثمانؓ سے کوئی شکایت کسی قسم  
 کی نہ تھی۔ کچھ بھی شکایت ہوتی تو یہ نہ خود جاتے اور نہ حضرت عثمانؓ ان کو بھیجتے اور حضرت  
 عثمانؓ کے مخلص و مشیر دوسرے صحابہ بھی ایسی صورت میں حضرت عمارؓ کا مصر یا کسی جگہ بھی تحقیقات  
 کے لئے بھیجا جانا مناسب نہ سمجھتے اس لئے ماننا پڑے گا کہ مصر جانے سے پہلے عمارؓ کا دل حضرت  
 عثمانؓ کی طرف سے بالکل صاف تھا۔ وہ دیگر صحابہ کی طرح امیر المومنین عثمانؓ کے مخلص تھے اور  
 بطیب خاطر ان کی بیعت میں داخل ہوئے تھے وہ کم بیش چالیس سال سے حضرت عثمانؓ حالات  
 و خصائل سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کیسے منکسر المزاج، حلیم الطبع  
 اور سخی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے چہیتے ہیں کہ یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں  
 ان کی زوجیت میں دیں اور جب دوسری صاحبزادی کا بھی ان کی زوجیت میں انتقال ہو گیا تو فرمایا  
 ہمارے پاس کوئی اور لڑکی ہوتی تو ہم عثمانؓ ہی سے اس کا عقد کر دیتے۔ حضرت عمارؓ کے تو آنکھوں دیکھے  
 یہ واقعات تھے کہ آنحضرتؐ اپنے صحابہ سے تو بے تکلف ملتے تھے جب آپ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ عثمانؓ  
 آ رہے ہیں تو پھر اہتمام فرماتے اور ارشاد کرتے ایسے شخص سے ہم کیوں نہ شرم کریں جس سے خود ملائکہ  
 شرماتے ہیں عثمانؓ کی وہ خوش بختانہ فضیلت دیکھی تھی جو کسی صحابہ کو حاصل نہ ہوئی تھی آنحضرتؐ نے اپنے  
 ایک دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی جانب سے بھی بیعت کی تھی اور  
 جیش العسرت کے لئے جو گراں بہا مال اور سامان کی امداد حضرت عثمانؓ نے پیش کی تھی اور ایسے  
 مقدور مالی جہاد پر آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے بار بار سننی ہونے کی بشارتیں حضرت عمارؓ نے اپنے  
 کانوں سے سنی تھیں اور غزوہ بؤگ میں ان ہی کی امداد سے حضرت عمارؓ کو شریک ہونا نصیب ہوا تو ان  
 جیسے بہت سے حالات و واقعات کے شاہد عینی ہونے کے باوجود حضرت عمارؓ کو حضرت عثمانؓ سے  
 کیوں ایسی کوئی شکایت ہوتی جو سبائی راہبوں نے وضع کی ہیں وہ دیگر صحابہ کی طرح حضرت عثمانؓ کے  
 مخلص تھے اور معتد علیہ نمایندے کی حیثیت سے مصر گئے تھے۔



(۵) حضرت عمارؓ جو امیر المومنین کے معتمد علیہ نمایندے تھے ان کو دوران قیام مصر اگر کوئی شکایت پیدا بھی ہوئی ہوگی تو وہاں کے عمال حکومت سے ہو سکتی تھی نہ کہ امیر المومنین سے اور یہ تو بالکل عیاں ہے کہ مصر جانے سے پہلے نہ انھیں امیر المومنین سے کوئی شکایت تھی اور نہ امیر المومنین کو ان سے ورنہ بصورت دیگر نہ انھیں مصر بھیجا جاتا اور نہ وہ اپنا بھیجا جانا پسند کرتے پھر آخر کیا وجہ تھی جیسا مورخین کا بیان ہے کہ عمارؓ وہاں جا کر بیٹھ رہے اور مدینہ آکر اپنی تحقیقاتی رپورٹ بھی امیر المومنین کو پیش نہ کی۔

(۶) جو دوسرے صحابہ حضرت عمارؓ کی طرح دوسرے علاقوں کو بھیجے گئے تھے انھوں نے تو واپسی پر نتائج تحقیقات سے امیر المومنین اور اہل مدینہ کو مطلع کر دیا تھا پس اگر عمارؓ مصر سے مدینہ واپس آئے ہوتے تو وہ بھی اسی طرح اپنے نتائج تحقیقات سے مطلع کرتے۔ امیر المومنین کی خدمت میں حاضری کا موقع کسی وجہ سے نہ مل سکا تھا تو دوسروں کو تو حالات سے آگاہ کرتے بطور خود نہ بیان کرتے تو ان کے دوست احباب خصوصاً حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ و اسامہ بن زیدؓ و عبداللہ بن عمرؓ تو ضرور پوچھتا رہتے کہ ہم نے اپنے علاقوں میں عمال حکومت و خلیفہ وقت کے خلاف کوئی شکایت نہیں سنی تم تو بتاؤ تم نے مصر میں کیا حال دیکھا مگر کسی مورخ نے یہ نہیں بتایا کہ عمارؓ نے مدینہ آکر اپنے نتائج تحقیقات سے امیر المومنین یا کسی دوسرے شخص کو مطلع کیا۔ وہ اگر مدینہ واپس آئے تو آخر کیوں چپ سادہ گئے اور خاموشی سے گھر میں بیٹھ رہے۔

(۷) کوئی عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ خلیفہ وقت کے محمد و مخلص نمایندے کی حیثیت میں حضرت عمارؓ مصر ایک معینہ عرصہ کے لئے بغرض تحقیقات جائیں اور جیسا طبری کی روایت میں ہے وہاں جا کر رک جائیں یا روک لئے جائیں خلیفہ وقت کے حکم کی تعمیل میں تو جائیں مگر اپنے رک جانے کا سبب سے یہ جانتے ہوئے بھی خلیفہ کو مطلع نہ کریں کہ وہ اور سب صحابہ میرے منتظر ہوں گے اور معینہ وقت سے زیادہ رک جانے سے مضطر و پریشان رہیں گے۔

(۸) طبری ہی کی روایت میں حضرت عمارؓ کے مصر میں رک جانے کی وجہ سیف

بن عمر الاسدی الکوفی مصنف کتاب الفتح والردۃ کے حوالہ سے یہ بتائی گئی ہے اور  
طبری ہی سے دوسروں نے نقل کر کے مشہر کی ہے کہ (طبری ج ۵ ص ۹۹ و ترجمہ ابن خلدون  
جزو ثانی ص ۲۱۹)

”مصر میں ایک گروہ نے جن میں عبداللہ بن السوداء (جو ابن سبا  
کہلاتا تھا۔ م) و خالد بن ملجم و سودان بن حمران و کنانہ بن بشر شامل تھے  
عمار کو اپنی جانب مائل کر کے روک لیا اور اپنا ہمنوا و ہم صیقر بنا لیا۔“  
ابن خلدون مزید لکھتے ہیں کہ ابن سبا و۔

”امیر المومنین عثمانؓ پر اکثر طعن و تشنیع کرتا اور خفیہ اہل بیت کی  
دعوت دیتا اور کہتا کہ محمد (صلعم) پھر واپس آئیں گے جیسے عیسیٰ واپس  
آئیں گے۔ علیؓ بن ابی طالب و صی رسول اللہؐ میں عثمانؓ اور ان کے پیشرو  
ابوبکرؓ و عمرؓ نے جبراً و غصباً بغیر کسی استحقاق کے خلافت لے لی۔ غرض  
لوگوں کو اس قسم کی تعلیم دیتا اور امیر المومنین عثمانؓ اور ان کے عمال کے  
خلافت برا ٹیگھتے کرتا اور ان کو طعن و تشنیع سے یاد کرتا تا آنکہ بعض بعض شہروں  
میں عوام الناس ان باتوں کی طرف مائل ہو گئے اور ایک دوسرے سے  
خط و کتابت کرنے لگے اسی گروہ کے ساتھ خالد بن ملجم، سودان بن حمران  
اور کنانہ بن بشر و غیر ہم تھے۔ پس ان لوگوں نے عمارؓ کو مدینے جانے سے  
روک لیا (ترجمہ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۸)

حضرت عمارؓ کے متعلق یہ تصور کس قدر باطل ہے کہ ابن سبا اور اس کے  
چیلوں چانٹوں کے بہکائے میں آکر وہ ان کے ہمنوا و ہم صیقر بن گئے۔ مصر جانے تک تو امیر المومنین  
کے مخلص و معتمد علیہ تھے برسوں سے ان کی بیعت اطاعت میں داخل تھے ایک یہودی کے  
کہنے سے جو منافقانہ اسلام میں داخل ہوا تھا سابقین الاولون کے زمرے کے ان صحابی  
نے خلیفہ وقت کی بیعت اطاعت کا جو ایک ایک اپنے گلے سے اتار پھینکا اور ان کے  
جانی دشمن بن گئے حالانکہ تقریباً پالیس برس سے حضرت عثمانؓ کے خصائل حمیدہ شاندار



اسلامی خدمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی دوہری قرابت کے حالات سے کما حقہ واقف تھے۔

(۹) طبری میں مندرجہ بالا روایت نیز اسی قماش کی متعدد روایتیں سیف بن عمر الاسدی الکوفی کے حوالے سے ہیں اس راوی کا زمانہ بھی اس عہد سے جس کے واقعات بیان کر رہا ہے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد کا ہے۔ امیر المومنین ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوا تھا۔ امیر رجال نے اسے ضعیف و متروک و غیر ثقہ و زندقہ کہا ہے اور لکھا ہے کہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا اور زندقیت سے بھی متہم تھا کان سیف یضع الحدیث و اتهم بالزندقة (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۸) پھر جعفر الجعفی جیسے غالی رافضی و دیگر مجہولین سے روایت کرتا ہے اس اعتبار سے بھی حضرت عمارؓ کی مسابیت زدگی کی روایت وضعی و باطل ہے خصوصاً ان کی صحابیت و سابقیت کے لحاظ سے کیونکہ ممکن تھا کہ وہ حضرت علیؓ کو وحی رسول اللہ اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو غاصب خلافت جان کر سیابیوں کی اس باغی جماعت میں شامل ہو جائے جنہوں نے بعد میں حضرت عثمانؓ کو قتل کیا۔ انہیں اگر مصر میں اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں سیابیوں کے عزائم کا سراغ چل گیا تھا یہی لئے ان سے رابطہ پیدا کر کے ان کے راز معلوم کرنے کی غرض سے انہیں رکن پڑا تھا۔ تو سیابیوں کی اسی باغی ٹولی نے اپنے راز کے افشا ہو جانے کے خوف سے جیسا کہ اسی راوی کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے حضرت عمارؓ کو مدینے پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیا راوی کے الفاظ ہیں (طبری ج ۵ ص ۹۹) واستبطاع الناس عماراً حق ظنوا | اور عمارؓ کو لوگوں نے روک لیا نہی کہ لوگوں نے گمان اذہ قد اغتیل | کر لیا کہ وہ دھوکہ سے مار ڈالے گئے۔

مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں حضرت عمارؓ والی حدیث تستلک الفئۃ الباغیۃ میں الفئۃ الباغیۃ سے مراد اسی باغی گروہ سے جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی ملعون فرمایا گیا تھا حضرت علیؓ نے اس گروہ کو حب وہ نواح مدینہ کے ذی المردۃ و ذی خشب میں آکر ٹھہرے ملعون فرمایا تھا۔ اور کہا تھا۔ لقد علم الصالحون ان حیث

ذی المراءۃ وذی ختب ملعونین علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم (طبری ج ۵ ص ۱۰۴)  
 اسی ملعون باغی گروہ نے امیر المومنین عثمانؓ کے مخلص و معتمد علیہ نمایندے حضرت عمارؓ کو  
 افشائے راز کے خوف سے مصر سے مدینہ آتے ہوئے دھوکہ سے ہلاک کر دیا پھر امیر المومنین  
 کو محصور کر کے بحالت تلادت قرآن مجید شہید کیا۔

(۱۰) اس حدیث کو حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر چسپاں کرنے کی غرض  
 سے حضرت عمارؓ کے مدینہ میں بوقت شہادت عثمانؓ غنی موجود ہونے اور اس کے بعد  
 جنگ جمل وصفین میں ان کی شرکت کے قصے اسی طرح گھڑائے گئے جس طرح ہیشمار وائتیں  
 بنی امیہ اور حضرت معاویہؓ کی منقصدت میں وضع کی گئیں روایت پرستی کے سبب مورخین  
 و مصنفین نے درایتاً غور کئے بغیر اپنی تالیفات میں درج کیا۔

مدینہ میں حضرت عمارؓ کی موجودگی کی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ مصری سبائی حضرت  
 علیؓ و طلحہؓ و عمارؓ سے سلسلہ مراسلت رکھتے تھے مدینہ پہنچ کر اپنا پیغام میر بھی رات کے وقت  
 ان تینوں حضرات کے پاس بھیجتا تھا حضرت عثمانؓ کو جب اطلاع ہوئی دوڑے دوڑے  
 حضرت علیؓ کے گھر گئے اور کہا یہ بلوائی تمہاری بات سنتے ہیں تم ان کے پاس جاؤ کہہ سنکر  
 لوٹا دو پھر عمارؓ کو علیؓ کے ساتھ جانے کو بلوایا انہوں نے انکار کیا پھر سعد بن ابی وقاصؓ کو  
 بلا کر عمارؓ کے پاس بھیجا کہ علیؓ کے ساتھ جانے پر آمادہ کریں۔ سعدؓ تو اصرار عمارؓ کے پاس  
 یہ کہنے پہنچے ہذا علیؓ بخروج فاخرج معہ وارو ہولاء القوم عن امامک (طبری ج ۵  
 ص ۱۱۰) کہ علیؓ تو جا رہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ جا کر اپنے امام یعنی امیر المومنین عثمانؓ کا  
 پیچھا ان لوگوں سے چھڑاؤ۔ راوی کی یہ لغو بیانی ملاحظہ ہو کہتا ہے کہ سعدؓ کے پیچھے پیچھے ہی حضرت  
 عثمانؓ نے کثیر بن الصلت ایک اور شخص کو بھی یہ کہہ کر دوڑا دیا جاؤ سنکر آؤ سعدؓ عمارؓ سے  
 کیا کہتے ہیں۔ کثیر نے جا کر جیسے ہی دروازے کے سوراخ سے ایک آنکھ لگا کر جھانکنا چاہا عمارؓ  
 کی نظر پڑ گئی وہ چاقو اٹھا اس کی آنکھ پھوڑنے کو دوڑ پڑے۔ کثیر اٹے پاؤں بھاگ آیا سعدؓ  
 نے ہر چند عمارؓ سے کہا جاؤ علیؓ کے ساتھ چلے جاؤ اور بلوائیوں کو دفع کرو مگر وہ کسی طرح نہ  
 مانے صاف کہہ دیا کہ میں قیامت تک بھی عثمانؓ کو ان لوگوں سے نہ بچاؤں گا۔ سعدؓ ناکام لوٹ



آئے اور یہ سب ماجرا کہہ سنایا حضرت عثمانؓ ان ہی کی کوتاہی بتاتے رہے کہ عمارؓ سے بات ٹھیک طور سے نہ کی ہوگی۔

غرض یہ ہے وہ صغی داستان جس سے بوقت یورش بلوایان حضرت عمارؓ کے مدینے میں موجود ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے۔ داستان کے گھڑنے والے نے جہاں اس وقت کی دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور حکمران امیر المومنین عثمانؓ صلی اللہ علیہ کی عاجزی و بیچارگی و بے بسی کا جن کا حکم افریقہ سے ترکستان و خراسان تک اور اورشام سے یمن تک چلتا تھا یوں مضحکہ اڑایا ہے وہیں صحابہ کرام کی خلیفہ وقت سے بیعت بمع و طاعت کا بھی کیسا بھونڈا نقش کھینچا ہے۔

شیعہ مورخ ابن جریر طبری کی روایتوں میں تو جیسا آپ ملاحظہ کر چکے ہیں بتایا گیا ہے کہ حضرت عمارؓ کا دوران قیام مصر میں سبائی بلوایوں سے رابطہ قائم ہو گیا تھا اور وہ ان کے ہمواہن گئے تھے سنی مورخ ابن کثیر نے ایک صحابی کا سہائیوں کا ہمنوا ہو جانا لغو و باطل جلنا اس لئے انھوں نے ان کے مصر بھیجے جانیکا ذکر ہی سرے سے حذف کر دیا اور حضرت عثمانؓ سے ان کی دشمنی و عناد کا سبب یہ بتایا کہ عباس بن عتبہ بن ابولہب کو عمارؓ کسی وقت گالی دے بیٹھے تھے جس پر امیر المومنین نے تادیباً زبرد توخ اور ملامت کی تھی اس لئے انھوں نے بلوایوں کے معاملے میں حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کا ساتھ دینا پسند نہ کیا حالانکہ اہل مدینہ صحابہ و غیر صحابہ سب ہی شریعت مطہرہ کے واضح احکام کی متابعت میں اپنے امام اور امیر المومنین کی تعمیل حکم اپنے اوپر لازم سمجھے ہوئے تھے ابن کثیر ہی نے بلوایوں کے قرب مدینہ میں پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ :-

بلوای جب مدینہ کے قریب میں پہنچے (حضرت عثمانؓ نے (حضرت علیؓ) کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے پاس جائیں اور قبل اس کے کہ وہ شہر مدینہ میں داخل ہوں انھیں ان ہی کے شہروں کی جانب واپس لوٹا دیں۔

فلما اقترابوا من المدینة امر عثمان بن ابی طالب ان یخرج الیہم لیردہم الی بلادہم قبل ان یدخلوا المدینة۔

(البدایہ ج ۱، ص ۱۷۰)

پھر طبری کی روایت سے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ عمارؓ کو ساتھ لے جانے کی بھی ہدایت کر دی گئی تھی و امروا ان یاخذ معہ عمار بن یاسر (البدا یہ ج ۷ ص ۱۷۱) نیز لکھا ہے کہ حضرت عمارؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھ جانے سے قطعی انکار کیا اور سختی کے ساتھ منع کر دیا فابی عمار کل الابیاء و امتنع اشدا الامتناع (ایضاً) اب یہاں پھر وہی سوال حل طلب رہتا ہے کہ حضرت علیؓ اور دیگر اکابر صحابہ کے ہوتے ہوئے جو حضرت عمارؓ سے ہر حیثیت میں ہر اتب بلند تر صاحب اثر و رسوخ تھے راوی نے ایسی اہمیت اور خصوصیت اس معاملہ میں حضرت عمارؓ کی کیوں اور کس مقصد سے بیان کی ہے کہ بغیر ان کے جانے بلوائی نہ ہٹتے حالانکہ بلوایوں سے افہام و تفہیم کا کام حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ عمارؓ کی بہ نسبت کہیں زیادہ خفی و خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے تھے اور انھوں نے انجام بھی دیا تھا۔ خود مودودی صاحب فرماتے ہیں (شمارہ جولائی ص ۲۵۵) کہ بلوایوں کے جھگڑے "جب مدینے کے باہر پہنچے تو حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ کو انھوں نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر تینوں بزرگوں نے جھڑک دیا اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی۔ مدینے کے مہاجرین اور انصار بھی جو دراصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل حل و عقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہمنوا بننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔"

حضرت علیؓ نے جب بقول مودودی صاحب بلوایوں کے الزامات کی تردید کر کے حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کر دی تھی تو حضرت عمارؓ کی نظروں میں بھی جنھیں حضرت علیؓ کا بڑا وقار و عقیدت مند بتایا جاتا ہے۔ وہ بدرجہ اولیٰ حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کر کے خلیفہ وقت کی اطاعت کے لئے انھیں ہموار کر سکتے تھے خصوصاً جبکہ بقول مودودی صاحب مدینے کے سب مہاجرین و انصار بلوایوں سے الگ تہلک رہے۔ ان ہی مورخین نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ مدنی صحابہ کی جماعت جن کی تعداد تیسٹر نفوس تھی بلوایوں کو دور کرنے اور مہٹا دینے میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھی ان میں ایسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے جو سابقیت و علوئے منزلت اور اسلامی خدمات



اور اثر و رسوخ کے اعتبار سے حضرت عمارؓ سے کہیں بلند مرتبہ و برتر تھے مثلاً حضرت سعید بن زید جو عشرہ مبشرہ کے بزرگ تھے، حضرت زید بن ثابتؓ جو کاتبان وحی میں سے تھے، حضرت کعب بن مالکؓ جو بیعت عقبہ ثانیہ اور تمام غزوات کے شریک تھے، حضرت حسان بن ثابتؓ مشہور شاعر و مداح رسولؐ حضرت جبیر بن مطعمؓ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوقت واپسی سفر طائف کفار قرین کے علی الرغم اپنے جوار میں لیا تھا، حضرت حذیفہ بن حزامؓ جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے اور زمانہ نبوت کے قبل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خلوص و محبت کا رکھتے تھے دولتمند تھے۔ حضرت زید بن حارثہؓ ان ہی کے ذریعہ خدمت میں پہنچے تھے اسی طرح دیگر صحابہ تو پھر ایسے ممتاز و با اثر اصحاب کی موجودگی میں حضرت عمارؓ کو بلانے کے لئے جو ان حضرات سے کم حیثیت کے تھے ہر بار لوگوں کو دوڑانے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی صاف ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں راویوں نے اسی مقصد سے تراشی ہیں کہ حضرت عمارؓ کو اس زمانے میں مدینے میں موجود بتائیں تاکہ بعد میں اولاً جنگ جمل پھر جنگ صفین میں ان کے موجود اور شامیوں کے ہاتھ سے قتل ہو جانے سے حضرت معاویہؓ و اہل شام کو باغی ٹولی (الفئۃ الباغیۃ) کہنے کی دلیل مل سکے ورنہ جو حقیقت ہے وہ خود طبری کی روایت سے منکشف ہو جاتی ہے کہ حضرت عمارؓ کو بلوایوں کی ٹولی نے اپنا راز فاش ہو جانے کے خوف سے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی دھوکہ سے ہلاک کر دیا۔ وقد اغتیل۔

(۱۱) پچھلے اوراق میں ذکر اس وضعی روایت کا آچکا ہے کہ حضرت عمارؓ کو علوی لشکر میں دیکھ کر حضرت زبیرؓ لڑائی سے کنارہ کش ہو گئے تھے گویا راوی یہ بتانا چاہتا ہے کہ (الفئۃ الباغیۃ) والی حدیث کو ذہن میں رکھ کر یہ تو یلحدہ ہو گئے تھے۔ اگر یہ بات ہوتی تو جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں وہ اکیلے اکیلے کیوں الگ ہو جاتے۔ انھیں لازم تھا اپنے ساتھیوں خصوصاً حضرت ام المومنینؓ کو متوجہ کر کے لڑائی بند کر دیتے کم از کم اپنے لخت جگر حضرت عبداللہؓ کو سختی سے ہدایت کہتے۔ روایت گھڑنے والے نے ان باتوں کا لحاظ نہ کیا۔

جنگِ جبل ہی کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوفہ سے فوجی امداد حاصل کرنے کی غرض سے جو وہ فوج بھیجے گئے تھے ایک کے ساتھ حضرت عمارؓ کو بھی بھیجا گیا تھا حالانکہ روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ ان سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور الاشترؓ اسی غرض سے بھیجے گئے تھے۔ والی کوفہ اس وقت حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ تھے جنہوں نے بالاعلان کہہ دیا تھا کہ خلیفہ شہید عثمانؓ کی بیعت میری گردن میں بھی ہے اور علیؓ کی گردن میں بھی ہے پہلے تو قاتلوں سے قصاص لیا جائیگا اور بعد میں اور امور طے ہوں گے وہ رشتہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بیٹیج داماد بھی تھے اور الاشترؓ کا وطن کوفہ تھا جہاں اس کا قبیلہ آباد تھا۔ ان دونوں کا کوفہ بھیجا جانا تو مفید مطلب ہو سکتا تھا مگر عمارؓ سے تو کوفہ کے لوگ جیسا کہ طبریؒ ہی کی روایت سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس وقت سے ناراض تھے جب کوفہ کے والی مقرر ہو کر گئے تھے اور اہل کوفہ ہی کی شکایتوں پر انھیں برطرف کر دیا گیا تھا اس کے بعد انھیں کوئی منصب بھی نہ دیا گیا ایسے شخص کا فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے جانا الٹا موجب ناکامی کا ہوتا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ روایت محض وضعی ہے۔

(۱۲) جنگِ صفین میں حضرت عمارؓ کی نبرد آزمائی اور مقتول ہونے کی داستان جس طرح بیان کی گئی ہے اس کا لہجہ اور عبارت کے فقرات ہی ساختگی کی غمازی کرتے ہیں۔ ابن جریر طبریؒ نے قال ابو مخنف کی تکرار کے ساتھ یہ روایتیں درج کی ہیں ابو مخنف کے آبا و اجداد عراقی لشکر میں اپنے قبیلہ و خاندان کے ساتھ موجود تھے اس کی روایتیں عراقیوں کی طرفداری اور شامیوں کی مذمت کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ ابو مخنف ہی "مقتلِ حسین" کا مؤلف بھی ہے کہ بلا میں اس نے عراق کے ممتاز لوگوں میں سے ثمر بن ذی الجوشن کو جو حضرت علیؓ کے رشتے میں سارے ہوتے تھے نیز ثابت بن ربیع کو ایسا قبی القلب ظاہر کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے سینے پر چڑھ کر ذبح کرنے اور سراتارنے سے فعلِ شیعہ کا ارتکاب کیا تھا جنگِ صفین میں اسی راوی ابو مخنف نے ان دونوں کو حضرت علیؓ کا ایسا پر جوش حامی ظاہر کیا ہے کہ دورانِ جنگ حضرت معاویہؓ سے مثلاً ثابت بن ربیع کی یہ گفتگو ہونا بیان کی ہے۔



ثبث بن ربیعہ معاویہ! خدا تجھے ہدایت دے! کیا تو عمارؓ قتل کر دے گا۔  
**معا** یہ۔ مجھ کو کون چیز اس کے قتل سے مانع ہوگی۔ واللہ اگر مجھے موقع ملا  
 تو میں عثمانؓ کے غلاموں کے بدلے اس کو مار ڈالوں گا۔

ابو مخنف اس گفتگو سے یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ صفین کے معرکے میں حضرت  
 عمارؓ نہ صرف بذاتہ شریک تھے بلکہ علوی لشکر میں ان کی موجودگی عام لشکریوں  
 یا کم از کم سردارانِ لشکر کے نزدیک دلیل اس بات کی تھی کہ اگر عمارؓ شامی لشکر کے  
 ہاتھ سے قتل ہوں تو وہ الفتنۃ الباغیۃ تزار پائے گا۔ عمر بھی ان کی باتوں سے ترالو سے  
 برس کی بیان کی گئی ہے لکھا ہے کہ جسمانی طور سے وہ اس قدر کمزور تھے کہ ہتھیار اٹھاتے  
 ہاتھ لرزنے لگتے تھے لیکن گھسان کی لڑائی کے وقت اسی مشہور کذاب راوی کا بیان  
 کے مطابق وہ یہ کہتے ہوئے ہر د آزمائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے (طبری ج ۶ ص ۲۱)  
 "لے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ تیری مرضی

اسی میں ہے کہ میں اپنے کو اس دریا میں پھینک دوں تو میں بیشک ایسا ہی  
 کرتا اور اگر تیری خوشنودی اس میں جانتا کہ تلوار کی نوک اپنے پیٹ پر رکھ لوں  
 اور اس کو اس زور سے دباؤں کہ پشت سے نکل جائے تو میں بلاشبہ  
 ایسا ہی کرتا۔ لے اللہ! آج کے دن میں ایسا کام کیا چاہتا ہوں کہ تو  
 ان فاسقین سے جہاد کرنے سے زیادہ اس سے راضی ہوگا وافی  
 لا اعلم الیوم حملاً ہوا رضی لک من الجہاد ہولاء الفاسقین"

اس عراقی شیعہ اخباری ابو مخنف نے حضرت عمارؓ کی زبان سے شامی  
 "فاسقین" سے جہاد کرنے سے زیادہ جس کام کو رضائے الہی کا مستوجب بتایا ہے  
 وہ شامیوں کے ہاتھ سے ان کا مقتول ہو جانا۔ کہ الفتنۃ الباغیۃ کا لیبل بل شام  
 پر لگانا ہے چنانچہ عمارؓ کا لوگوں کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دیتے اور یہ کہتے  
 ہوئے لشکر شام کی طرف چلنے کی راستان گھڑی ہے۔ وقد فتحت ابواب الجنة  
 وترینت الحور العین ہو دروازے جنت سے کھل گئے یہ چشم حوریں بناؤں گھار

سے ہیں۔ پھر کہتا ہے کہ صفین کی وادیوں میں سے کسی وادی پر سے وہ نہ گزرتے مگر صحابہ رسول اللہ ان کے ساتھ ہوتے جاتے تھے کہ حضرت ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاصؓ تک پہنچ گئے جو علوی لشکر کے علم بردار تھے ان کو بھی ساتھ لیا حضرت عمرو بن العاصؓ کا مقابلہ ہوا تو عمارؓ کے منہ سے یہ صریحاً غلط بات کہلوائی کہ ”تو آج ہی اس لشکر کے علم بردار سے نہیں لڑتا تین بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس علم بردار سے لڑ چکا ہے اور آج یہ چوتھا مرتبہ ہے۔ کیا تجھے یاد نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”عمار کو گروہ باغی مارے گا۔“

ترجمہ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ۲ ص ۳۶۴ نیز طبری ۶ ص ۲۲۱

ابو مخنف کو جسے سب ہی ایسے رجال نے کذاب کہا ہے صحابہ کے حالات سے صحیح واقفیت نہ تھی ذرا دیکھئے یہاں کیسی غلط بات کہہ گیا۔ حضرت ہاشم بن عتبہؓ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے اور حضرت عمرو بن العاصؓ فتح مکہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ حضرت ہاشمؓ سے عہد رسالت میں ان کی ہر د آزمائی لغو و باطل ہے۔ پھر ان کے ہی منہ سے ان کے مقتول ہو جانے اور فتنہ باغیہ کا لیل ان پر اور ان کے ساتھیوں پر چسپاں کرنا بیان کیا ہے گویا وہ ”فاسقین“ کا مقابلہ کرنے اسی لئے چلے تھے اور دوسرے صحابہ بھی اپنی جانیں ان کے ساتھ دینے پر اسی لئے مستعد ہوئے تھے کہ یہ لیبیل حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر چسپاں کر سکیں۔ غرضیکہ اس قماش کی وضعی اور بے پایہ روایتوں سے حضرت عمارؓ کا صفین کے معرکہ میں شریک ہو کر مقتول ہو جانا تو اہل شام کو باغی گردہ قرار دینے ہی کے لئے گھڑا ہے۔ کوفے کی ٹکسالوں میں ضد ہا روایتیں گھڑی گئیں حتیٰ کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کی اپنے والد سے گفتگو بھی وضع کی گئی اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے بھی جواب تصنیف کیا گیا کہ جو لوگ عمارؓ کو ہماری تلوار کے نیچے ڈال گئے وہی ان کے قاتل اور وہی فتنہ باغیہ ہیں پھر کسی نے اپنی ذہانت سے یہ تاویل بھی کر ڈالی کہ باغیہ سے مراد بغاوت



ہی نہیں بلکہ باغیہ یعنی طالبہ ہے اور مہلوگ قصاص عثمانؓ کے طالب ہیں اس لئے فہم  
 باغیہ نہیں۔ یہ سب سوال و جواب واقعہ سے تقریباً دوسری بعد خود ہی تصنیف کر کے  
 مشہر کر دئے گئے جو روایت پرستی کی وجہ سے کتب تاریخ کے علاوہ دوسری کتابوں میں  
 بھی مندرج ہیں ان سب موضوعات کی تردید و تکذیب ایک ایسی مستند تاریخی دستاویز  
 سے ہو جاتی ہے جو اسی زمانے یعنی ۳۳ھ میں قلیندر کی گئی تھی یعنی خود حضرت علیؓ کا گشتی  
 مراسلہ جو اس درجہ مستند ہے کہ کتب تاریخ و تذکرہ کے علاوہ پنج البلاغہ کے مصنفین نے  
 بھی اسے درج کیا ہے اسی سے یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

یہ گشتی مراسلہ ہے جناب (علی) علیہ السلام کا  
 جو تمام شہروں کے لوگوں کو ابھیجا گیا جس میں اس  
 واقعہ کو بیان کیا ہے جو ان کے اور اہل شام کے  
 درمیان پیش آیا۔

من کتاب علیہ  
 گشتی مراسلہ | السلام الی الامصار  
 یقتض فیہ ماجری بینہ و بین  
 اهل الشام۔

اور ہمارے معاملہ کی ابتداء یہ ہوتی کہ ہم میں اور  
 اہل شام سے مقابلہ ہوا اور یہ ظاہر ہے کہ ہمارا اور  
 ان کا خدا ایک ہے ہمارا اور ان کا نبی ایک ہے ہماری اور  
 ان کی دعوت اسلام ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس  
 کے رسول کی تقریق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ اور  
 نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے  
 کہ ہم اور ان میں خون عثمان کی بابت اختلاف ہوا حالانکہ  
 ہم اس سے بری تھے۔

وکان بداء امرنا لتقینا والقوم  
 من اهل الشام وظاهر ان ریتنا  
 واحد ونبینا واحد ودعوتنا  
 فی الاسلام وہم یختلنا نستمدیم  
 ولا یترید وینا الامر واحد الا  
 اختلافنا فیہ من دم عثمان و  
 نحن منه براء۔

(فہم البلاغہ جزو ثانی ص ۱۵۹)

حضرت عمارؓ اگر جنگ صفین میں علوی شکر کی جانب سے لڑتے ہوئے اہل شام کے  
 ہاتھوں مقتول ہو جاتے تو حضرت علیؓ کے اس گشتی مراسلہ کا جو صفین سے واپسی کے  
 بعد لکھا گیا تھا نہ یہ لہجہ ہوتا اور نہ حضرت علیؓ لڑائی بند کر کے نزاعی معاملہ کے تصفیہ کے

لئے ثالثی منظور کرتے بلکہ حسب فرمان خداوندی اس وقت تک لڑائی جاری رکھتے کہ اہل شام جو تقتل الفتنۃ الباغیۃ کے اعتبار سے باغی قرار پائے ہوئے اللہ کے حکم سامنے بھٹک نہ جاتے حتیٰ ثقیٰ الی امر اللہ کیا مودودی صاحب اور ان کے ہجیال یہ کہنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اس معاملہ میں حکم الہی کا لحاظ نہ کیا اور باغی جماعت کو زیر کرنے کے بجائے ان سے صلح مصالحت کرنے کیلئے ثالثی کی تجویز قبول کر لی۔ اور اپنے اس کشتی مراسلہ میں اشارتاً بھی اس بات کا اظہار نہ کیا کہ عمارؓ شامیوں ہی کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عمارؓ کا قاتل گروہ ہی باغی ہے برخلاف اس کے حضرت علیؑ نے کس وضاحت کے ساتھ ان ہی شامیوں کو اپنا جیسا مومن بتا کر ان سے اپنے اختلاف کی وجہ قصاص خون عثمانؓ کا معاملہ بیان کیا ہے۔ حضرت علیؑ نے گشتی مراسلہ کی تحریر و تشہیر اور جنگ بندی کرنے سے بالفاظ دیگر قولاً اور فعلاً ثابت کر دیا کہ اہل شام کو وہ باغی گروہ نہیں سمجھتے تھے کہ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عمارؓ اہل شام کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوئے۔ مقتول ہوتے تو حضرت علیؑ اہل شام کو باغی گروہ قرار دے کر ان سے لڑائی جاری رکھتے نہ لڑائی بند کرتے اور نہ ثالثی قبول کرتے۔ ان کے قول فعل دونوں سے ثابت ہے کہ عمارؓ جنگ صفین میں ہرگز مقتول نہیں ہوئے جیسا ہم تفصیلاً بیان کر چکے وہ سبائی باغی ٹولی کے ہاتھوں پہلے ہی مقتول ہو چکے تھے نہ مصر سے جہاں امیر المومنین عثمانؓ کے معتمد علیہ نمایندے کی حیثیت سے بغرض تحقیقات گئے تھے مدینہ واپس آئے کہ نہ جنگ جمل و صفین میں موجود تھے اور نہ شامیوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے تھے۔

جنگ صفین تو جیسا خود حضرت علیؑ کا قول نقل ہو چکا ہے قصاص خون عثمانؓ کے نزاعی معاملہ کی وجہ سے ہوئی تھی دونوں فریق کی دعوت ایک ہی تھی۔ بغاوت کا اس سے کیا تعلق۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ابن کثیرؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

|  |   |
|--|---|
| <p>رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ دو عظیم گروہ آپس میں بڑی خونریزی کریں گے اور دعوت ان دونوں کی ایک ہی ہوگی۔</p> | <p>انہ قال لا تقوم الساعة حتی تقتل فتنان عظیمتان یقتل بینہما مقتلة عظیمہ ودعواہما</p> |
|--|---|



واحدۃ۔

(البدایہ ج ۷ ص ۲۷۴)

”فستان عظیمتان“ سے صاف ظاہر ہے کہ عراقی و شامی افواج ہی مراد ہو سکتی ہیں جن میں ”مقتلۃ عظیمۃ“ واقع ہوا۔ اگر حضرت عمارؓ قتل ہوئے ہوتے تو ضرور اشارہ ان کا اس میں ہوتا۔

تثالثی | صفین میں فریقین کے لشکروں کی تعداد دو لاکھ بیان کی گئی ہے سو لاکھ عراقی لشکر کے اور ساٹھ ہزار حضرت معاویہؓ کی شامی افواج کے یہ کثیر التعداد جنگ جو کم و بیش تین ہفتے تک ایک دوسرے کے مقابل صف آرا رہے درمیان میں چھوٹی بڑی جھڑپیں بھی ہوئیں جو شماریں ستتر سے ایک سو دس بتائی جاتی ہیں۔

مودودی صاحب نے اپنے مآخذ البدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۱۱۹) میں اس واقعہ کا حال ضرور پڑھا ہوگا کہ عیسائی بادشاہ۔ قیصر روم نے جس کی افواج کو حضرت معاویہؓ متدد معرکوں میں شکست دے چکے تھے مملکت اسلامی کی سرحدات کے قریب اپنے فوجی دستے اس مقصد سے جمع کرنے شروع کر دئے تھے کہ عراقی اور شامی افواج خانہ جنگی کے نتیجے میں گھٹ گھٹا کر جب کمزور و در ماند ہو جائیں تو یکایک حملہ کر کے مسلمانوں کی حربی قوت قوت کا خاتمہ کر دے اس خطرے کا احساس سب سے پہلے حضرت معاویہؓ کو ہوا چنانچہ انھوں نے قیصر کو تہدید پر اسلہ بھیجا کہ تیری فوجوں نے اگر اس طرف کا رخ کیا تو میں اور میرے چچا کے بیٹے (علی بن ابی طالب) تیرے مقابلے میں فوراً صلح کر لیں گے۔ لاصطحن انا و ابن عمی پھر ہر دونوں کی متحدہ افواج تیرے ملک پر چڑھائی کر کے تجھے نکال باہر کر دیں گی۔ کہتے ہیں کہ قیصر نے اسی سے متاثر ہو کر ہی اپنے فوجی دستے ہٹائے تھے عیسائی مورخین نے البتہ یہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قیصر کے حملے کے پیش نظر امن و امان قائم رکھے جانے کا معاہدہ اس شرط پر اس سے کیا کہ ایک معینہ رقم اسے سالانہ پیش کر دی جائے گی۔ واقعہ کی نوعیت بہر حال کچھ ہو حضرت معاویہؓ اس خطرہ کو ضرور محسوس کر رہے تھے کہ اس لڑائی میں اسلامی لشکروں کی حربی قوت اگر کمزور پڑ گئی تو

دشمن اسلام قوتوں کا مقابلہ کون کر سکے گا۔ مورخین کا بیان ہے کہ دونوں لشکروں میں ایسے لوگ بھی تھے جو یہ سوچنے لگے تھے کہ اپنے ہی دینی بھائیوں کی گردنیں کاٹنے اور اپنی کٹوانے کے بجائے اس تنازعہ کا کوئی پرامن معقول حل تلاش کیا جائے۔ سبائی پارٹی کے کچھ ایسے لوگ بھی علوی لشکر میں شامل تھے جنہوں نے پہلے بھی اصحاب جہل اور حضرت علیؑ کے مابین صلح و مصالحت کو ناکام بنا کر جنگ پھیر دی تھی وہ صفین میں اشتعال انگیزی سے کب چوکنے والے تھے۔ چنانچہ خونریز جھڑپوں کے درمیان ہی یکایک گھسان کا ایسارن پڑ گیا کہ تمام دن اور ساری رات انتہائی خونریز لڑائی جاری رہی کلمہ گو یوں کے سر کا جرمولی کی طرح کٹ کٹ کر گرتے رہے۔

واستمر القتال فی هذه الليلة  
كلها وهي من اعظم الليالي شراً  
بين المسلمين وفسى هذه الليلة  
ليلة الهرير۔ (البدایہ و النہایہ ج ۱ ص ۲۷۱)

اور اس رات میں یہ لڑائی پوری رات جاری رہی۔  
اس رات کا شمار مسلمانوں کے درمیان انتہائی  
پر فرق راتوں میں ہے اور اس رات کو لیلۃ الهریر سے  
موسوم کیا گیا ہے۔

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۷۲ میں بیہقی کی روایت سے لکھا ہے کہ  
فریقین کے ساٹھ ہزار سپاہی اس لڑائی میں فنا ہو گئے تھے۔

وكان اهل الشام ستين الفا  
فقتل منهم عشرون الفا وكان  
اهل العراق مائة وعشرين الفا  
فقتل منهم اربعون الفا (ايضاً)

اہل شام کی ساٹھ ہزار فوج میں سے بیس ہزار قتل  
ہوئے اور اہل عراق کے ایک لاکھ بیس ہزار میں سے  
چالیس ہزار مقتول ہوئے۔

عراقی فوج کو تعداد میں شامیوں کی بہ نسبت تقریباً دو گنی تھی لیکن پچھلے اوراق میں  
خود حضرت علیؑ ہی کا قول نقل ہو چکا ہے معینہ وظیفے کے علاوہ عطیات کے لالچ میں بہت سے  
سپاہی ایسے بھرتی ہو کر آئے تھے جو آز مودہ کا رسپاہی پیشہ نہ تھے بلکہ خلافت ان کے شامی  
افواج میں اکثر وہی دستے شامل تھے جو بارہا قیصر روم کی باقاعدہ تربیت یافتہ فوجوں کو  
شکست پر شکست دے چکے تھے اور اس لڑائی میں تو ایک ایک شامی مسلمان نہرواز مارنے



خليفة شهيد مظلوم کے قصاص کا حملہ آوروں سے بدلہ لینے کے لئے جو اس کے وطن عزیز پر چڑھ آئے تھے بیتاب تھا۔ اس لئے اس خونریز معرکے میں شامی فوج کا پلہ بھاری رہتا کوئی تعجب کی بات نہ تھی مگر کلہر گویوں کی اس کثیر تعداد کا یوں فنا ہو جانا ایک المیہ تھا اس بھیانک خونریزی کا منظر سخت سے سخت دل کو بھی خون کے آنسو رلا دیے کو کافی تھا اور حضرت معاویہؓ کی تو سرشت ہی میں زافت بالرعیۃ وشفقت علی المسلمین کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا نیز انھیں تو عیسائیوں کے خلاف جہادی جہموں میں آزمودہ کار مجاہدین کی شدید ضرورت تھی وہ اس بھیانک خونریزی کے خیال سے تڑپ اٹھے اور صبح ہوتے ہی یہ کہتے ہوئے کہ لوگ جب یوں فنا ہو گئے تو حفاظت سرحدوں کی کون کرے گا اور کون مشرکین اور کفار سے جہاد کرے گا قد فنی الناس فمن للتغور ومن للجهاد المشرکین والکفار (البدایہ ج ۲، ص ۲۷۲) انھوں نے قرآن شریف بلند کر کے اعلان کرایا۔

هَذَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (یہ ہمارے تمہارے درمیان حکم ہے) مودودی صاحب نے جو ظاہر ہے حضرت معاویہؓ اور دیگر عظماء و خلفائے بنی امیہ کی تحقیر و تضحیک میں ہر وضعی روایت قبول کر لیتے ہیں۔ مشہور کذاب اخباری ابو محنف کی اس روایت پر اعتماد کر لیا کہ شامی فوج کو منہزم ہوتے دیکھ کر حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کو یہ ترکیب سو جھادی کہ نیزوں پر قرآن شریف آویزاں کر کے جنگ بندی کی اپیل کر دو مخالف فوج میں تفرقہ پڑ جانے سے ہمیں موقع مل جائے گا۔ چنانچہ اس بارے میں فرماتے ہیں (شمارہ جولائی ۱۹۷۷ء)

”یہ محض ایک جنگی چال تھی قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا“

حضرت معاویہؓ کی ان کے نزدیک یہ اگر ایک جنگی چال تھی تو حضرت علیؓ کی ایسی ہی کارروائی کو وہ پھر کیا کہیں گے۔ کیا انھوں نے اپنے مآخذ طبری (ج ۵ ص ۱۱۹) میں ایک شیعہ ثقہ راوی عمار الدھنی کی یہ روایت نہیں ملاحظہ کی کہ جنگ جمل میں خود حضرت علیؓ نے قرآن شریف بلند کر کے اسے حکم بنانے کی دعوت دی تھی۔ ان دونوں بزرگ صحابیوں اور کاتبان وحی کے یکساں طرز عمل کے بارے میں جو مزید خونریزی روکنے کے مقصد سے تھا یہ فرق امتیاز پیدا کرنا کہ حضرت علیؓ کا قرآن اٹھوانا تو خلوص نیت سے تھا اور حضرت معاویہؓ

کی ”یہ محض ایک جنگی چال تھی قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا“ کیا مودودی صاحب کے ”بغض معاویہ“ کا کھلا ہوا ثبوت نہیں۔

مودودی صاحب نے ابو مخنف کی وضعی روایت کے چند لفظ نقل کر کے حضرت معاویہؓ پر جنگی چال چلنے کا فتویٰ تو صادر فرما دیا لیکن اسی سلسلے میں اس کذاب راوی کے دوسرے فقرے جن سے اس کی کذب بیانی کا راز فاش ہوتا تھا۔ مودودی صاحب پنا گئے۔ صرف اتنا لکھ دیا کہ حضرت علیؓ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ بجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو۔ حالانکہ طبری کی روایت میں جس کا حوالہ مودودی صاحب نے دیا ہے ابو مخنف نے حضرت علیؓ سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ تم لوگ لڑائی برابر جاری رکھو کیونکہ یہ لوگ یعنی وہ۔

”معاویہؓ و عمرو بن العاص و ابن ابی معیط و حبیب بن مسلمہ و ابن ابی سرح و ضحاک ابن قیس یہ لوگ نہ دین والے ہیں نہ قرآن والے (لیسوا باصحاب دین ولا قرآن) میں تو ان لوگوں کو تم سے کہیں زیادہ جانتا ہوں کیونکہ بچپن میں بھی ان کی سنگت میں رہا ہوں اور بڑے ہو کر بھی رقت صحبتہم اطفالا و صحبتہم رجالات یہ بچپن میں بھی بڑے شریر تھے اور بڑے ہو کر بھی رہے انھوں نے جو قرآن بلند کئے وہ اسے جانتے ہی نہیں جو اس میں ہے (لا یعلمون بما فیہا) انھوں نے تو محض دھوکہ و فریب و مکر سے اٹھایا ہے“ (طبری ج ۶ ص ۲۷)

اب دیکھئے حضرت علیؓ نے اپنے گشتی مراسلہ میں جس کا مضمون اوپر نقل ہو چکا ان ہی اہل شام کو جن سے صفین میں ان کا مقابلہ ہوا اپنا ہی جیسا مومن بتایا ہے مگر یہ کذاب راوی ابو مخنف جس کی روایت سے مودودی صاحب چند لفظ نقل کر رہے ہیں۔ ان ہی مومنین کو جو سب کے سب صحابی ہیں اور اسلامی خدمات و اشاعت دین میں جن کے عظیم الشان کارنامے ہیں حضرت علیؓ کی زبان سے بے دین اور ہر گز کلموار ہا ہے اس پر ستر اذیہ کہ حضرت ضحاک بن قیسؓ و حضرت ولید بن ابی معیطؓ کو جو حضرت علیؓ سے سن و سال میں ہیں برس چھوٹے تھے ان ہی کی زبان سے بچپن اور جوانی کا ساتھی و ہم حلیم



بھی کہلوار رہا ہے۔ حیرت ہے کہ مودودی صاحب نے اس کذاب راوی کی ایسی غور وایت کے چند لفظ تو ان دونوں جلیل القدر صحابیوں حضرت معاویہؓ و حضرت عمرو بن العاصؓ پر چوٹ کرنے کے لئے لے لے باقی فقرات کا شاید اس خوف سے اخفا کر دینا مناسب جانا کہ ”ترجمان القرآن“ پڑھنے والے اُن صحابہ کو ”یسوا باصحاب دین ولا قرآن“ بالفاظ دیگر بے دین اور کافر قرار دیا جانا قبول کرنے کو تیار نہ ہو سکیں گے ابو مخنف کی ان اکاذیب کے باوجود یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت معاویہؓ کے قرآن کو حکم بنائے جانے کی دعوت کو سب نے قبول و منظور کر لیا بر خلاف حضرت علیؓ کے قرآن بلند کرا کے حکم بنانے کی دعوت کو اصحاب جہل نے ان کی ”جنگی چال“ سمجھ کر مسترد کر دیا تھا کیونکہ صلح مصالحت ہو جانے کے بعد بھی سبائیوں نے جیسا کہ مودودی صاحب کو تسلیم ہے اپنی خیر منانے کے لئے شیخوں مار کر جنگ کی آگ بھڑکادی تھی۔ صفین میں تو ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا حضرت علیؓ اور عراقیوں کی اکثریت نے جو ہنرمند جنگ لڑ رہے تھے اس دعوت کو بلا تذیب قبول کر لیا صرف وہ قلیل جماعت معترض رہی جو بعد میں خوارج کہلائی۔

**تقریر حکمین** ثالث مقرر کرنے کے بارے میں شامی کیمپ میں تو دیگر امور کی طرح کامل اتفاق رہا حضرت علیؓ کے کیمپ میں اور باتوں کی طرح اس میں بھی اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت علیؓ نے پہلے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث مقرر کرنا چاہا مودودی صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے لوگوں نے کہا یہ تو تمہارے بھائی تمہاری ذات کے مثل ہیں ہم تو آزادویے لاگ شخص چاہتے ہیں جس کا تمہارے اور معاویہ کے ساتھ برابر کا تعلق ہو۔ ہو منک ومن معاویہ سوائے حضرت علیؓ نے پھر الاشتر کا نام پیش کیا اور کہا یہ تو میرا عزیز نہیں ہے لوگوں نے اس کے نام پر بھی اعتراض کیا کہ ساری آگ تو اسی کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ مودودی صاحب اس کو پی گئے شاید اس وجہ سے کہ حضرت علیؓ کا اپنے فاس آدمیوں سے کسی کو اپنی جانب سے ثالث مقرر کرنا تو اسی سبب سے تھا کہ قصاص خون عثمانؓ نہ لے سکے میں وہ اپنا پہلو خود ہی کمزور سمجھ رہے تھے۔ لوگوں نے

یہ کہہ کر الاشترؓ تو صحابی بھی نہیں حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا اسم گرامی پیش کیا بالآخر حضرت علیؓ نے بھی مان لیا اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حضرت ابو موسیٰ کا نام لیکر یہاں تک کہ وہ فیصلہ صادر کر دیں خواہ میری گردن کاٹ دے جانے کے بارے میں کیوں نہ ہو۔ یہ قول ان کا مشہور کوئی راوی ابو محمد سلیمان بن ہرآن انکا اصلی الکوفی کی سند سے نقل ہوا ہے جو مودودی صاحب کے یہاں خاصاً مقبول ہے۔ پوری عبارت یہ ہے۔

قال حدثني من سمع علياً يوم صفين  
وهو عاصم علي شفته لو علمت ان  
الامر يكون هكذا ما خرجت اذ هب  
يا موسى فاحكم ولو عجز عني۔  
(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۳۸ طبع اول)

سلیمان بن ہرآن نے کہا کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے صفین کے دن (حضرت) علیؓ کے منہ سے سنا تھا وہ اپنا ہونٹ چباتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اگر میں یہ جانتا کہ معاملہ کی یہ صورت ہو جائیگی تو خروج ہی نہ کرتا چلو ابو موسیٰ فیصلہ صادر کر دو خواہ میری گردن ہی کاٹنے کے بارے میں ہو۔

ثالثی نامے کے دو پرت لکھے گئے جس پر فریقین کے علاوہ ان کے معتمد علیہ  
ثالثی نامہ | اشخاص میں سے تیس تیس افراد کے دستخط بطور گواہ و شاہد ثبت ہوئے۔  
اکثر مورخین نے ثالثی نامے کے مضمون کو پورا نقل نہیں کیا صرف ابتدائی چند فقرے  
درج کر دئے ہیں اخبار الطول کے مولف ابو صفیہ احمد بن داؤد الدینوری نے جو اپنے  
مشہور ہم وطن مورخ ابن قتیبہ کے ہم عصر تھے ثالثی کی اس اہم دستاویز کو بہتمام و کمال  
درج کیا ہے ابن جریر طبری نے ابو مخنف کی سند سے ثالثی نامہ کا جو مضمون نقل کیا ہے  
اس میں سے یہ اہم فقرہ جس سے ثالثوں نے فریقین سے اللہ کے نام پر فیصلے کی پابندی  
و اتباع کا موثق عہد لیا تھا حذف کر دیا گیا ہے وہ مضمون یہ تھا۔

واخذ عبد الله بن قيس وعمر و  
بن العاص علي و معاوية عهد  
الله وميثاقه بالرضا بما حكما به

عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ الاشعری) اور عمرو بن العاص  
نے علیؓ و معاویہؓ سے اللہ کے نام پر موثق عہد و اقراء  
لیا ہے کہ یہ دونوں ثالثوں کے فیصلے پر راضی ہوں گے



فی کتاب اللہ وسنتہ نبیہ ولین  
لہما ان ینقضا ذلک ولا یخالفاه  
الی غیرہ۔

(اخبار الطوال وینوری)

ہوں۔

جو کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت کی بنیاد پر کیا جائے  
علیٰ ومعاویہ کو اس کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ ٹالٹوں کے  
فیصلے کو توڑ دیں اور اس کے برخلاف کئی اور طرف مائل

ابو مخنف کا ثالثی نامے کے اس اہم فقرے کو ترک و حذف کر دینا صاف ظاہر ہے اسی  
کذب بیانی کی غرض سے تھا کہ حضرت علیؑ نے ٹالٹوں کا فیصلہ ٹھکرا دیا تھا اس بارے میں گفتگو  
آگے آرہی ہے۔

ثالثی نامے کی عبارت یوں شروع ہوتی ہے :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہذا ما تقاضی علیہ  
علی بن ابی طالب ومعاویہ بن ابی سفیان  
قاضی علی علی اہل الکوفۃ ومن معہم من  
شیعہم من المومنین والمسلمین وقاضی  
معاویہ علی اہل الشام ومن کان معہم  
من المومنین والمسلمین (الی آخرہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ عہد نامہ ہے  
جس پر علیؑ ومعاویہؓ نے عہد کیا ہے، علیؑ نے  
اہل کوفہ اور ان لوگوں کی جانب جو مومنین  
ومسلمین میں سے ان کے ساتھ اور ان کے طرفدار  
ہیں اور معاویہؓ نے اہل شام اور ان لوگوں کی  
طرف جو مومنین اور مسلمین میں سے ان کے ساتھ  
ہیں۔

(طبری ج ۶ ص ۲۹)

مندرجہ بالا عبارت کے الفاظ سے یہ حقیقت نکھر کے سامنے آجاتی ہے کہ ثالثی کی  
تجویز نے حضرت علیؑ کی وہ حیثیت ختم کر دی جو بیعت خلافت سے انھیں حاصل ہو گئی تھی۔  
ثالثی نامے کی رو سے حضرت علیؑ اہل عراق کے امیر رہے اور حضرت معاویہؓ اہل شام کے امیر  
تسلیم کر لئے گئے اور یوں دونوں ایک سطح پر آ گئے۔

ثالثی نامے میں ٹالٹوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ امر متنازعہ کے بارے میں لوگوں کی شہادت  
لیں اور بیانات شہادت کو قلمبند کرتے جائیں ثم یکتبان شہادتها (طبری ج ۶ ص ۳۰)  
ٹالٹوں کو تحقیقات کرنے کے لئے چار ماہ کی مہلت دی گئی  
اجتماع حکمین اور فیصلہ | تھی ساتھ یہ ہدایت بھی تھی کہ بضرورت اس مدت میں اور

اضافہ کیا جاسکتا ہے ثالثی نامہ ۱۳۱۱ ماہ صفر ۳۷۰ھ کو لکھا گیا تھا اور شعبان ۳۷۰ھ میں  
 یعنی چھ ماہ بعد ثالثوں کا اجتماع ہوا۔ گویا تقریباً چھ مہینے تحقیقات میں صرف ہوئے۔ جب  
 قرار دفریقین کو ثالثوں کا فیصلہ مستے کے لئے اپنے ساتھ چار چار سواشخاص کے اس اجتماع  
 میں لے آئے کی اجازت تھی اور خود ثالثوں نے بھی اپنی جانب سے عظمائے امت کو مدعو  
 کیا تھا۔ حضرت معاویہؓ مع اپنے چار سوسا بیہوں کے موقع پر موجود تھے حضرت علیؓ نے  
 بذات خود حاضری سے گریز کیا شاید اس لئے کہ فیصلہ کے اپنی موافقت میں ہونے کا انھیں  
 یقین نہ تھا اس لئے اپنی جانب سے اپنے چھ بھائی حضرت عبداللہ بن عباس کو بھیجا تھا۔  
 جیسا ہم بتا چکے ہیں مورخین نے ثالثی نامے کا مضمون نقل کیا ہے اکثر نے خلاصہ اور  
 ایک نے پورا مضمون درج کیا ہے لیکن تقریباً چھ ماہ تک تحقیقات کرنے اور گواہوں کے  
 بیانات قلمبند کرنے کے بعد جو عدالتی تجویز ثالثوں نے تحریر کی تھی وہ روایات کے انبار  
 میں گم ہے۔ اس کا متن کہیں نہیں ملتا۔ مسعودی جیسے شیعہ مورخ کا بھی یہ بیان ہے کہ  
 ثالثوں میں سے کسی نے زبانی تقریر نہیں کی (مروج الذهب ج ۲ ص ۴۱۱) چونکہ ثالثوں  
 کا فیصلہ حضرت علیؓ کے خلاف تھا ابو مخنف نے اس کے متن کا اخفا کر کے روایتیں وضع کر ڈالیں  
 اور یہ ظاہر ہے کہ واقعہ صفین اور حکیم (ثالثی) کی روایتیں ابن جریر طبری نے ابو مخنف ہی سے  
 لی ہیں اور قال ابی مخنف کی تکرار سے درج کر ڈالی ہیں۔ بعد کے مورخین نے طبری سے نقل  
 کیا ہے مودودی صاحب نے ابن اثیر و البدایہ والنہایہ وغیرہ کے حوالے تو دئے ہیں مگر  
 یہ نہ سوچا کہ ان سب نے ایک دوسرے سے ہی نقل کیا ہے لہذا بعد کے لوگوں کے بہت  
 سے نام دینے سے بات معتبر نہیں بن جاتی مودودی صاحب نے ابو مخنف کی وضعی روایت  
 کے حوالے سے فرمادیا کہ حضرت علیؓ کے ثالث حضرت ابو موسیٰؓ نے کھڑے ہو کر کہہ دیا کہ میں  
 اور میرے دوست عمرو بن العاصؓ اس بات پر متفق ہو گئے ہیں ہم علیؓ اور معاویہؓ کو الگ  
 کر دیں لہذا میں علیؓ اور معاویہؓ کو معزول کرتا ہوں آپ لوگ جسے اہل سمجھیں اپنا امیر  
 بنالیں اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے اٹھ کر کہا ان صاحب نے اپنے آدمی (حضرت علیؓ)  
 کو معزول کر دیا ہے میں بھی انھیں معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (حضرت معاویہؓ) کو



قائم کرتا ہوں کیونکہ عثمانؓ کے ولی اور ان کے خون کے دعوے دار اور ان کی ہالشیہ کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

یہ روایت خالص سبائی ٹکسال کی ہے۔ مودودی صاحب اسے مستند سمجھنے سے پہلے چند باتوں پر غور کر لیتے تو نہ خود گم راہ ہوتے اور نہ دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بنتے۔ انہیں اعتراف ہے اور سب کے نزدیک مسلم کو اس اجتماع میں فریقین کے چار چار سو نمائندے شریک تھے اور غیر جانب دار حضرات کی بھی ایک جمعیت موجود تھی جن میں اس عہد کی اعلیٰ منزلت ہستیاں شامل تھیں گویا کم بیش ایک ہزار چیدہ مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ اس وقت کے بہت سے صحابہ و تابعین شریک تھے جو دور دراز مقامات میں و حجاز و مصر و شام و عراق سے طویل مسافتیں طے کر کے آئے تھے اور ثالثوں کی شش ماہہ تحقیقات کے نتائج کی روشنی میں ان کی عدالتی تجویز سننے کے جو کتاب اللہ اور سنت عادلہ جامعہ غیر مختلف فیہا کی رو سے بدلائل و براہین قلبیہ کی گئی تھی مشتاق تھے اگر واقعہ اسی طرح کا ہو تا جس کا نقشہ کذاب راوی نے ڈرامائی انداز کا کھینچا ہے تو وہیں جنگ پھڑپھڑاتی اور نہ چھڑتی تو غیر جانب دار حضرات کھرے ہو جاتے اور کہتے کہ کیسی بددیانتی کا مظاہرہ کیا گیا ہے نزاعی معاملہ قصاص خون عثمانؓ کا تھا شش ماہہ تحقیقات سے ثالثوں نے کیا نتائج اخذ کئے ہیں ان کی بنا پر کون فریق تصور وار ہے تجویز پڑھ کر کیوں نہیں سنائی جاتی۔ خلیفہ منتخب کرنے نہ کرنے کا ثالثوں کو کیا اختیار ہے لیکن تاریخ میں کسی جگہ کسی واپسی روایت میں اس کا اشارہ نہیں ملتا کہ اس اجتماع میں امن شکنی کی کوئی واردات ہوئی ہو قطعی اور حتمی ثبوت ہے کہ ثالثوں نے کوئی غلط اور فتنہ انگیز بات نہیں کہی اور اجلاس پر امن طریقے سے برخواست ہو گیا۔

ترک عبارت بہ مصلحت | مودودی صاحب نے الخلف کی من گھڑت روایت سے پہلے تو یہ لکھ دیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

کے یہ اعلان کر دینے کے بعد کہ میں علیؓ و معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں کہا تھا کہ میں بھی ان کے آدمی رعلیٰ کو تو معزول کرتا ہوں اور "اپنے آدمی (معاویہؓ) کو قائم کرتا ہوں کیونکہ

وہ عثمان بن عفان کے ولی اور ان کے خون کے دغویدار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں (ستارہ جولائی) پھر یہ فقرہ نقل کیا ہے۔

”حضرت ابو موسیٰ نے یہ بات سنتے ہی کہا۔ مالک لا وفقك الله غدرت وفجرت (یہ تم نے کیا کیا۔ خدا تمہیں توفیق نہ دے تم نے دھوکا دیا اور عہد کے خلاف درزی کی“

مندرجہ بالا عبارت سے پیوستہ ہی جو چند اور جملے سبائی ٹکسال کی گھڑی ہوئی اس روایت کے ہیں وہ مودودی صاحب نے بہ مصلحت ترک و حذف کر دئے یعنی عربی کے یہ لفظ ”مالک لا وفقك الله غدرت وفجرت تو نقل کر دئے مگر اسی جملے سے پیوستہ لفظ ”انما“ کے ساتھ جو چند جملے اس کذاب راوی نے ان دونوں بلند پایہ صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے ہیں جنہوں نے اپنی تحقیقات کے نتیجے میں حضرت علیؑ کے خلاف فیصلہ صادر کیا تھا مودودی صاحب نے ترک و حذف کر دئے۔ روایت میں یہ پوری عبارت جس کے خط کشیدہ جملے مودودی صاحب نے بہ مصلحت حذف کر دئے یوں ہے:-

فقال ابو موسى مالک لا وفقك الله غدرت وفجرت انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلہث او تترکہ یلہث قال عمرو انما مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا (طبری ج ۶ ص ۴۱)

(حضرت) ابو موسیٰ نے کہا یہ تو نے کیا کیا۔ اللہ تجھے ہدایت نہ دے تو نے بد عہدی کی اور جھوٹ بکا تیری مثال یقیناً اس گتے کی ہے جو ایک بار کسی چیز کو پکڑ لیتا ہے پھر دوبارہ اس کو چھوڑ دیتا ہے (حضرت) عمرو نے کہا تیری مثال اس گدھے کی ہے جو بوجھ اٹھاتا پھرتا ہے۔

حوالہ دینے کے بعد بھی مندرجہ بالا عبارت کے ان جملوں کو مودودی صاحب کا ترک و حذف کر دینا ظاہر ہے اسی خوف سے ہو سکتا ہے کہ صحیح العقیدہ مسلمان اس روایت کو جس میں اکابر صحابہ کی تحقیر و تنقیص کی غرض سے گالم گلوچ کے یہودہ کلمات ان سے منسوب کئے گئے ہوں قبول و تسلیم نہ کر سکیں گے اور اس طرح مودودی صاحب کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکے گی۔ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو وہ سادہ لوح و بیوقوف اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو منافق



وچالبا ز ثابت کر کے ثالثی رحیم کی ساری کارروائی ہی کو ایک گورکھ دھندہ ظاہر کریں۔ اگر کالم گلوچ کے ان وہی کلمات کو وہ اکابر صحابہ کی زبان سے ادا ہونا غلط جانتے تو اس سبائی روایت ہی کو باطل قرار دے دیتے مگر ان کو تو اپنے مقصد کے پیش نظر ان اصحاب کو صدق و دیانت تہذیب و اخلاق متانت و سنجیدگی کے اعتبار سے بازاری آدمیوں سے بھی گرا ہوا محض اس وجہ سے ثابت کرتا تھا کہ انہوں نے کافی عرصہ تک تحقیقات کرنے کے بعد حضرت علیؑ کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا تھا۔

شاید اسی خوف سے کہ لوگ یقین نہ کریں گے مودودی صاحب نے وہ سین بھی اپنے الفاظ میں کھینچنا مناسب نہ جانا جو ان کے مقبول سبائی راوی نے یہ کہہ کر کھینچ دیا ہے کہ ابو موسیٰؓ اور عمرو بن العاصؓ کی کالم گلوچ کے ساتھ ہی حضرت علیؑ کے نمایندے شریح بن ہانی نے حضرت معاویہؓ کے عالی منزلت ثالث حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر پر صحابہ و تابعین کے اس مجمع عام میں کوڑے برسائے شروع کر دئے جس کے جواب میں حضرت عمرو کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے جو خود بھی پڑے پایہ کے عالم و فاضل صحابی تھے شریح کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا کہ اتنے میں لوگ بیچ بچاؤ کو دوڑ پڑے مگر بقول اس کذاب راوی کے شریح بن ہانی کو افسوس رہا کہ کوڑے مارنے پر کیوں اکتفا کیا حضرت عمروؓ کو تہہ تیغ کیوں نہ کر دیا۔ اس من گھڑت روایت کا ٹیپ کا بند بھی سن لیجئے جس کا اخفا کر دینا بھی مودودی صاحب نے مناسب جانا۔ ابو مخنف کہتا ہے کہ ثالث صاحبان کے اس فیصلے کی روئداد جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور شریح بن ہانی نے کوئے پہنچ کر حضرت علیؑ کے گوش گزار کی تو انہیں یہ سن کر اس درجہ قلق ہوا کہ ہر نماز فجر میں وہ ان اکابر و سادات اہل شام یعنی حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ و حضرت ابوالاعور اسلمیؓ حضرت حبیب بن مسلمہؓ حضرت عبدالرحمن بن حضرت خالد سیف اللہؓ حضرت ضحاک بن قیسؓ اور حضرت ولید بن عقبہؓ پر جو سب کے سب صحابی غازی و مجاہد نامور فاتح اور عظیم تھے لعنت بھیجا کرتے تھے۔ ابو مخنف نے مزید لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو

انہوں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مالک بن الاشتر اور حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ پر لعنت بھیجی شروع کر دی۔

سنی مورخ ابن کثیر نے اگرچہ روایت پرستی کی بنا پر ابو مخنف کی یہ من گھڑت روایتیں طبری سے نقل تو کر دی ہیں لیکن اکابر صحابہ سے بد کلامی کے وہ الفاظ بھی جو مودودی صاحب نے لکھ رکھے ہیں منسوب کرنا پسند نہیں کئے صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ ابو موسیٰ کے کلام میں ”غلطت تھی تو عمرو بن العاصؓ نے الٹ کے دیا یہی جواب دیا اللہ بہا تھا پانی اور مار گٹائی کا تذکرہ ”وذاکرا بن جریر“ کہہ کر دیا اور حضرت علیؓ نماز فجر میں قنوت پڑھتے ہوئے سادات اہل شام پر لعنت کے ڈونگرے برسانے اور حضرت معاویہؓ کی جانب سے ویسا ہی جواب دے جانے کو غلط جان کر لکھ دیا ”ان هذا لم یصنع والله اعلم“

الغرض یہ ہے کوفے کی نکالی کا ترتیب دادہ وہ تاریخی مواد جس کا سہارا لیکر مودودی صاحب نے اکابر صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طنز و تشنیع کے تیر و نشتر اپنے ان مضامین میں چلانے مناسب سمجھے ہیں۔

یہ بھی دیکھئے کہ جن مصنوعی ”واقعات“ کا اوپر ذکر ہوا اس کے بارے

اکابر صحابہ پر اتہام | میں مودودی صاحب نے اسی ابو مخنف کی روایت سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منسوب کئے ہوئے بعض کلمات جو مثالوں پر طعن و تشنیع کے میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:-

”در حقیقت کسی شخص کو بھی وہاں اس امر میں شک نہ تھا کہ دونوں کے

درمیان اسی بات پر اتفاق ہوا تھا جو حضرت ابو موسیٰ نے اپنی تقریر میں کہی تھی اور

حضرت عمرو بن العاصؓ نے جو کچھ کیا وہ طے شدہ بات کے بالکل خلاف تھا۔

(شمارہ جولائی ۱۹۶۵ء)

حضرت ابو موسیٰ سے تو راوی نے یہ تقریر منسوب کی ہے کہ میں علیؓ و معاویہؓ کو معزول

کرتا ہوں“ تو سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کو انہوں نے کس چیز سے معزول کیا تھا؟ کیا

خلافت سے؟ تو کیا کسی طرح ثابت کیا جاسکتا ہے کہ وہ خلافت کے مدعی تھے مودودی



صاحب نے خود ہی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ خلافت کے مدعی نہ تھے (شمارہ جولائی ص ۱۳۱) جب وہ خلافت کے مدعی ہی نہیں تھے تو انھیں امارت شام ہی سے معزول کیا جاسکتا تھا لیکن اس کا نال کار کیا ہوتا۔ زیر تصفیہ مسئلہ صرف یہ تھا کہ سبائی باغیوں نے امت کے متفق علیہ امام کو ظلماً شہید کیا اور وہ حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہیں ان سے قصاص کس طرح لیا جائے اسی ذیل میں یہ مسئلہ بھی تھا کہ نئی خلافت انہی باغیوں نے اپنے اثرات سے قائم کی ہے جس سے سب امت میں ایسا تفرقہ پڑ گیا کہ شمشیر کشی تک نہایت پہنچ گئی ہے۔ ثالثوں نے تمام واقعات کی مکمل تحقیقات سے یہ فیصلہ کیا کہ باغیوں اور قاتلوں کے ثمنوں اور اثرات سے حضرت علیؓ کا انتخاب غیر آئینی ہے وہ منسوخ ہو کر کل امت کے نمائندہ اصحاب کے مشورے سے از سر نو انتخاب ہوا اور جب تک ایسا ہو فریقین اپنے اپنے زیر اقتدار علاقوں کا نظم و نسق چلاتے رہیں اور باہم امن رکھیں۔ اس عا دلانہ و مدبرانہ اعلان کا یہ نتیجہ تھا کہ اجلاس پُر امن طریقے پر برخواست ہو گیا اور حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان پھر جنگ نہیں ہوئی اب یہ الگ بات ہے کہ ایسا اجلاس طلب نہ کیا جاسکا اور اس سے پہلے ہی حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک خارجی کے ہاتھ سے مقتول ہو گئے اس میں ثالثوں کا کیا قصور!

رہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور دیگر صحابہ کے فقرات جو موردی صاحب نے ابو مخنف کے من گھڑت نقل کئے ہیں تو کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ ان اکابر صحابہ حضرت سعدؓ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی ”اس چالبازی“ کو آئینی حیثیت دے کر کیا حضرت معاویہؓ سے بیعت خلافت کر لی تھی؟ اگر نہیں کی تو ظاہر ہے کہ راوی کی یہ ساری کذب بیانی عیاں ہو کر ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے نہ حضرت معاویہؓ کو خلافت پر قائم کیا نہ ان کو خلافت کی بشارت دی بلکہ اطلاع دی کہ ثالثوں نے متفقہ فیصلے سے حضرت علیؓ کے انتخاب کو منسوخ کر کے قرار دیا کہ امت کے نمائندہ اجلاس میں از سر نو انتخاب ہو۔

موردی صاحب نے جو صورت حال سبائی راوی کے سہارے سے بیان کی

ہو وہ اگر ادنیٰ ترین درجے میں بھی صحیح مان لی جائے تو اس کا مطلب صرف ایک ہے کہ یہ سب اکابر صحابہ جلیل القدر رفیق و مجاہد و مدبر جن میں سے بعض کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمہ دار مناصب پر فائز کیا تھا۔ محض حق و بے حیثیت تھے جن پر تعلیمات نبویہ کا کچھ بھی اثر نہ تھا نہ انھیں نصوص صریحہ کی پروا تھی نہ حق و باطل کی تمیز اور نہ یہ سمجھنے کا سلیقہ تھا کہ اگر نا انصافی اور ظلم ہو تو اس کا مداوی کیا کرنا چاہیے جن ہزار گواروں کی تمام زندگیاں حق کی علم برداری اور باطل کی سرکوبی میں صرف ہوئیں ان کے متعلق ہم اس قسم کی خرافات کو کیسے باور کر سکتے ہیں جو مودودی صاحب یعنی امیہ دشمنی میں باور کرانا چاہتے ہیں۔

سبائی مفروضہ | مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ص ۳۳۰)

”اس بحث سے قطع نظر کہ دونوں حکموں میں سے ایک نے کیا گیا اور

دوسرے نے کیا، بجائے خود یہ پوری کارروائی جو دوسرا الجھل میں ہوئی

معاہدہ تحکیم کے بالکل خلاف اور اس کے حدود سے قطعی متجاوز تھی۔ ان حضرات

نے غلط طور پر یہ فرض کر لیا کہ وہ حضرت علی کو معزول کرنے کے مجاز میں حالانکہ

وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد باقاعدہ آئینی طریقے پر خلیفہ منتخب ہوئے

تھے اور معاہدہ تحکیم کے کسی لفظ سے یہ اختیار ان دونوں حضرات کو نہیں سونپا گیا

تھا کہ وہ انھیں معزول کر دیں۔ پھر انھوں نے یہ بھی غلط فرض کر لیا کہ

حضرت معاویہ ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ کر اٹھے ہیں حالانکہ

اس وقت تک وہ صرف خون عثمانؓ کے مدعی تھے نہ کہ منصب خلافت کے۔

مزید برآں ان کا یہ مفروضہ بھی غلط تھا کہ وہ خلافت کے مسئلے کا فیصلہ کرنے کے

لئے ”حکم بنائے گئے ہیں۔ معاہدہ تحکیم میں اس مفروضے کی بنیاد موجود نہ تھی۔“

مودودی صاحب کی مندرجہ بالا تحریر ابوحنیف کی وضعی روایت کے اسی

مفروضہ پر مبنی ہے کہ صحابہ و تابعین کے اس عظیم الشان اجتماع میں فیصلہ ثالثی سنائے وقت

حضرت ابو موسیٰؓ نے یہ فرمایا اور حضرت عمرؓ نے یہ کہا۔ یہ عقلزدی مودودی صاحب کی ہے کہ

انھوں نے سبائی مفروضہ پر تکیہ کر کے ان دونوں جلیل القدر صحابیوں کو جو دنیائے



عظیم مذہبوں میں سے تھے اتنا نا سمجھ ہاؤز کر لیا کہ وہ معاہدہ حکیم کی حدود سے نکل کر قصاص خون عثمانؓ کے نژادی مسئلے کے سلسلہ میں اپنی تحقیقات سے یہ طے کرنے کے بجائے کہ علیؓ و معاویہؓ ان دو فریقوں میں کون خطا وار ہے جس سے امت خونریز جنگوں میں مبتلا ہے اس مسئلہ کو انتخاب خلافت کا معاملہ بنا کر امت کو تے فتنے میں مبتلا کر دیں گے۔

ہماری گذشتہ تحریر سے قارئین نے معلوم کر لیا ہوگا کہ ثالثوں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی جو مودودی صاحب نے ان سبہ منسوب کی ہے ثالثوں کے سامنے گواہ شاہدوں کے بیانات سے جو انھوں نے ثالثی نامے کی رو سے قلمبند کئے تھے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آچکی تھی کہ جن سبائی لیڈروں نے خلیفہ شہید مظلوم کے قتل کا ارتکاب کیا تھا وہ اور ان کے دوسرے ساتھی حضرت علیؓ کے نہ صرف مشر و معتد علیہ بنے ہوئے ہیں بلکہ انعقاد خلافت اور سیاست وقتی میں بھی اثر انداز رہے ہیں لہذا اس خلافت کو آئینی حیثیت حاصل نہیں ہے امت کو خانہ جنگی سے نکالنے کے لئے انتخاب کا مسئلہ از سر نو امت کی نمائندہ مجلس شوریٰ کے سپرد کیا جائے۔ ایک محقق مشرق نے مقالہ بعنوان ”خلافت“ میں اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

”ثالثوں نے شام میں اپنا اجلاس اذرح مقام پر منعقد کیا تھا جو ملک شام کے جنوب مشرق میں اس جگہ واقع ہے جہاں رومی کا ستر کے آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں جیسا کہ برناؤ اور دومیزوکی نے اپنی کتاب ”صوبہ عرب“ میں بتایا ہے۔ مورخین نے اس مقام کے بجائے بالعموم دومتہ الجندل بتایا ہے یعنی عہد عتیق کا دومہ جواب خوف کہلاتا ہے۔“

ثالثوں کے اس اجلاس میں کیا واقعات اور حالات پیش آئے اس بارے میں مختلف روایتیں بیان کی گئی ہیں جو قطعاً غیر معتبر ہیں۔ ویلیہاؤزن نے اپنی عمدہ تالیف ”عرب اسٹیٹ“ میں اس بات کو بہت زیادہ قرین صحت بتایا ہے کہ فیصلہ ثالثوں نے یہ صادر کیا تھا کہ علیؓ کا خلیفہ منتخب کیا جانا منسوخ ہو اور عثمانؓ کے ہالشیین کی نامزدگی اس مجلس شوریٰ کے سپرد ہو۔ جو

کل امت کی نمایندگی کرتی ہو (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، گیارھواں ایڈیشن)

معادہ حکیم میں دونوں تلامذوں کو اس کی اجازت تھی کہ صحیح فیصلے تک پہنچے ہیں جسے چاہیں مشورے میں شریک کریں چنانچہ انھوں نے یہی کہا کہ جمہور صحابہ و تابعین کو دعوت دی کہ باہم مشورے سے جو مناسب سمجھیں از سر نو انتخاب کا فیصلہ کریں۔ اس سے ان دونوں بزرگواروں کی للہیت خلوص اور انتہائی تدبیر کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ ایک کی چالبازی اور دوسرے کی بے عقلی کا۔ صحابہ کرام میں یہ دونوں وہ بزرگ تھے جنہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظامی معاملات سپرد کئے تھے ذمہ دار عہدوں پر ان کا تقرر کیا تھا فتوحات اور اشاعت اسلام میں ان کی نمایاں خدمات ہیں۔ ہم عصرا بت نے بھی ان دونوں بزرگوں کو امت کے اختلال اور فتنہ و فساد کا نجات دہندہ سمجھا تھا چنانچہ شاعر ذوالرئہ نے حضرت ابو موسیٰؓ کے پوتے بلال بن ابی بردہؓ کی شان میں جو قصیدہ کہا ہے اس کے یہ شعر بھی ہیں:-

ابو ثلثی الدین والناس بعد ما تشاء واو بیت الدین منقطع الکسر  
وہ آپ ہی کے باپ تھے جنہوں نے دین کی اس وقت شیرازہ بندی کی جب لوگوں میں پراگندگی تھی اور قصردین مہدم ہو چکا تھا۔

فتنۃ اصنام الدین ایام اذرح وردۃ حروباً قد لحن الی عقر  
انھوں نے اذرح کے دنوں میں خیر دین کی طنائیں کیں دین اور ان جنگوں کو روک دیا جو اسلام کی نسل منقطع کرنے کا سبب بن رہی تھیں۔

مورودی صاحب نے ان کے ہم خیال لوگ حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ جیسے حبیل القدر صحابی اور تدبیر کو کم زور اور سادہ لوح کہتے رہیں لیکن ہم عصرا مت نے ان کی سیاست و تدبیر کا لوہا مانا اور انھیں ملت اسلامیہ کے عظیم ترین محسنوں میں شمار کیا۔ رضوان اللہ علیہ وجزاہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

اب اگر صحابہ کرام کا یہ اعلان منعقد ہونے سے پہلے ہی سیاسیوں نے اور ایرانیوں نے حضرت علیؓ کے زیر تصرف علاقوں میں فساد پھیلانے اور اس صورت حال سے بدلہ دل ہو کر



مصریوں نے یمنیوں اور حجازیوں نے عافیت اسی میں دیکھی کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہو جائیں اور یوں رفتہ رفتہ علاقے کے علاقے بغیر کسی جنگ اور خون خرابے کے حضرت علیؓ کے تسلط سے نکلنے چلے گئے تو اس کی ذمہ داری نہ تالوثوں پر ہے اور نہ حضرت معاویہؓ پر رضی اللہ عنہم اس کی ذمہ داری بلو کی ٹولی پر ہے جس نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تو بنا دیا لیکن پھر ان کی خلافت کو نامقبول بنانے کی کسی صورت سے دریغ نہ کیا اور قدم قدم پر فساد انگیزیاں کیں تا آنکہ ایک بد بخت خارجی کے ہاتھ سے حضرت علیؓ مقتول ہو گئے۔

اسی صورت حال کا نتیجہ تھا کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کر لی اور یوں تمام امت پھر ایک جھڑے کے نیچے جمع ہو گئی اور امت نے اس خوشی میں اس کا نام عام الجماعۃ رکھا۔ یوں دنیا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی مقبولیت عملاً دیکھ لی کہ اہل ایمان کو حضرت معاویہؓ کی امامت میں وہ ہدایت ملی جس سے پانچ برس کا اختلال رفع ہوا اور کاروان ملت پھر شاہ راہ ارتقاء پر رواں دواں ہو گیا۔

حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ سبائی مفسدوں اور گمراہوں کے سوائے انھیں بہترین کارکن نہ مل سکے تھے مودودی صاحب اس کے معترف ہیں۔ حضرت قیس بن سعدؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زیاد بن ابی سفیانؓ کے علاوہ اور سب کارکن نا تجربہ کار تھے اور خود حضرت علیؓ کی ذات میں تقویٰ و طہارت کے عمدہ صفات ہونے کے باوجود سیاسی امور میں تدبیر و آمرانہ قوت کا فقدان انہیں تو نمایاں نقصان ضرور تھا ایک آزادو بے لاگ محقق دے خوئے کے الفاظ ہیں ”علیؓ بہادر شخص تو ضرور تھے مگر حکمران ہونے کی ان میں صلاحیتیں نہ تھیں (ص ۱۷۱) انسائیکلو پیڈیا بٹانیکا گیارہواں ایڈیشن“

ALI WAS A VALIANT PERSON, BUT HAD NO GREAT TALENT AS A RULER

بر خلاف اس کے حضرت معاویہؓ کے پاس اس وقت کے بہترین مدبر و منظم جمع تھے۔ ان کے زیر نگیں علاقے میں کسی قسم کی شورش کبھی بپا نہیں ہوئی۔ یہ وجہ تھی کہ رائے عامہ ان کی طرف ڈھلتی چلی گئی۔

مودودی صاحب کو شکوہ ہے کہ حضرت معاویہؓ عرصہ دراز تک شام کے اہم علاقے پر حکمران رہے اور یہ حیثیت بنالی کہ مرکز کا تابع رہنے کے بجائے مرکز کو تابع بنالیں تو یہ ناراضگی مودودی صاحب یا ان کے ہنجیال سبائیوں کو ہوا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش تھے آپ کو دکھا دیا گیا تھا کہ جس بزرگ امتی کی قیادت میں پہلا بحری جہاد ہوگا اور عیسویت کے مرکز قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ہوگا وہ حضرت معاویہؓ ہی میں اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان جس سے خوش ہوں اس سے مودودی صاحب اور ان کے سبائیت زدہ ہنجیال ناراض ہوتے رہیں گے اس کا اثر امت مسلمہ کے اس مدبر اعظم پر کیا ہو سکتا ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

## موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ص ۳۳۱)  
حضرت علیؓ نے ان کے (ثالثوں کے) فیصلے کو روک کر دیا اور اپنی جماعت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

”سنو، یہ دونوں صاحب جہنیں تم لوگوں نے حکم مقرر کیا تھا انھوں نے قرآن کے حکم کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح محبت اور سنت ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلے میں دونوں نے اختلاف کیا ہے اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچے ہیں۔ (طبری)

اس بیان کا ایک حرف بھی حضرت علیؓ کے منہ سے نکلا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ ثالثوں نے اگر وہ کیا ہوتا جو ان کی طرف اس بیان میں منسوب کیا گیا ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو لغو ذبا لہ من ذلک حضرت علیؓ کو غلط گو سمجھا جائے کہ فیصلہ روک کر دینے کے بعد بھی ”قرآن کے حکم کو“ جسے بقول ان کے دونوں ثالثوں نے ”پیٹھ پیچھے ڈال دیا تھا“ نافذ کرانے کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا یا پھر جمہور صحابہ اور افراد امت کو معاذ اللہ بزدل و باطل پرست سمجھ لیا جائے جنھوں نے دونوں ثالثوں کی یا ان میں سے ایک کی چالبازی و بددیانتی خاموشی



سے برداشت کر لی اور اس غداری کا سر کچلنے کے لئے حضرت علیؑ کے جھنڈے کے نیچے جمع نہیں ہوئے اور ان کی بیعت تک نہ کی۔

لہذا صریح اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی اور نہ ثالثی نامہ میں ثالثوں کے فیصلہ کی پابندی کا موقوعہ ہند کر لینے کے بعد ایسی کوئی بات کہہ سکتے تھے اور نہ ثالثوں نے کوئی بددیانتی کی اور نہ شش ماہہ تحقیق و تفتیش کے دوران شہادتیں ظہنہ کرنے اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو جانچنے کے بعد کر سکتے تھے۔ حکیم کے بعد حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ میں پھر نہ کوئی جنگ ہوئی اور نہ لشکر کشی جو کچھ فساد ہوا وہ صرف حضرت علیؑ کے اپنے علاقے میں ہوا۔ اگر حضرت معاویہؓ ایسے ہوتے جیسے مودودی صاحب نے انھیں بتانے کی کوشش کی ہے تو وہ دنیا پرست لوگوں کی طرح ایک ہی جہے میں حضرت علیؑ کا علاقہ فتح کر کے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دے سکتے تھے۔

ایک علاقہ جو شام اور مصر شپٹل تھا جہاں ہر طرف امن و امان تھا تمام رعایا اپنے امیر کی مطیع تھی اور فوجی طاقت ایسی زبردست اور قوی کہ بازنطینی سلطنت کے لشکروں کا علیہ بگاڑ رہا کرتی تھی اسے اس حکومت کا ختم کر دینا کیا دشوار تھا جہاں آکے دن فساد ہوتے رہتے تھے اور قریہ بقریہ اختلاف تھا اور آخر میں سوائے کوڈہ اور اس کے متصل ایرانی علاقے کے کہیں اس حکومت کا اثر و اقتدار باقی نہ رہا تھا۔ فیصلہ ثالثی میں چونکہ صریحاً قرار دے دیا گیا تھا کہ جب تک امت کی نمایندہ مجلس شوریٰ از سر نو انتخاب کی کارروائی نہ کرے دونوں فریق اپنے اپنے علاقے کا نظم و نسق چلاتے رہیں ان کی پابندی دونوں فریق کرتے رہے تھے اسی وجہ سے پھر کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

ان دونوں ثالثوں اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین صحبت یافتہ لوگوں کی بابت جو غلط باتیں دشمنانِ ملت نے منسوب کی ہیں ان پر تکیہ دی ہی شخص کر سکتا ہے جو قصداً و عمدہ روایت سبائیہ کا مہنوا ہو کر اسلامی تاریخ پر خط لے کر کھینچ دیتے پرتلا ہو اور اس طرح دنیا کو یہ باور کرانا چاہیے گویا آنحضرت صلی اللہ وسلم اس دنیا سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ناکام گئے اور اپنے اصحاب کی اتنی بھی تربیت

نہ کر سکے کہ شریف آدمیوں کی طرح معاملات طے کریں۔ اور عدالتی فیصلہ کی خواہ موافق ہو یا مخالف پابندی دیانت سے کر سکیں۔ سبائی راویوں کے بیانات میں بتایا گیا ہے کہ حضرت علیؑ کی حکومت کو فیوں و عراقیوں کے بل پر چل رہی تھی صفین کی عبرتناک شکست کے بعد حضرت علیؑ نے دوبارہ جنگ کرنے پر ان کو ابھارا مگر وہ چلنے پر آمادہ نہ ہوئے حیلے بہانے ہی کرتے رہے۔ مودودی صاحب کے نزدیک علوی خلافت کی بیچارگی کا ہی عالم تھا تو پھر اسے اپنی خلافت کیسے کہا جاسکتا ہے وہ اسے خلافت کہتے اور حکومت جانتے ہیں تو انھیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت علیؑ نے ثالثوں کا فیصلہ تسلیم کر لیا تھا کیونکہ حضرت معاویہؓ سے انھوں نے یہ دوبارہ جنگ کرنی چاہی اور نہ فی الواقع کوئی لڑائی صفین کے بعد ان سے ہوئی انھوں نے اپنی ناکامی اور شکست کو ایک صادق القول مرد شجاع کی طرح تسلیم کر لیا تھا۔

**ناکامی کا اعتراف** | ابن کثیر نے اپنی اسی تالیف البدایہ والنہایہ میں (ج ۲، ص ۳۲۳) جو مودودی صاحب کا مآخذ بھی ہے حضرت علیؑ کی سیاسی ناکامی اور بے بسی کی حالت کا اظہار کرتے ہوئے خصوصاً فیصلہ ثالثی کے بعد سے کہا ہے کہ حضرت موصوف اگرچہ اپنے زمانے کے بہترین اشخاص میں سے بڑے عابد و زاہد شخص تھے۔ یا سہمہ لوگ ان سے ایسے برگشتہ اور کنارہ کش ہو گئے تھے کہ آخر کار وہ بد دل ہو کر اپنی زندگی سے اتنے تنگ آ گئے تھے کہ موت کی تمنا کرنے لگے تھے (خذ لواءہ و تخلوا عنہ حتی کمرہ الحیاة و تمتی الموت) یہ افسوسناک صورت حال سیاسی مناقشات کے نتائج کی پیداوار تھی کیونکہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین اور ان کے دوسرے سبائی ساتھی حضرت علیؑ کے ساتھ ہو گئے تھے اور بقول مودودی صاحب "ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے تھے" چنانچہ فرماتے ہیں (شمارہ جولائی ص ۳۳۳)

"بندرتج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انھیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دیے درآغا لیکہ قتل عثمان نہیں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے"



مہودودی صاحب ذرا اور تحقیق سے کام لیتے تو "ان دونوں صاحبوں" کے علاوہ  
 اور "صاحبوں" مثلاً کسانہ بن بشر نجیبی مصری کے بطور مشترک و نہ مصر مقرر کئے جانے کا بھی ذکر  
 کرتے اور آٹھ لکھ بیسویں وہ خبیث شخص تھا جس نے خلیفہ شہید کے سر اور پہلو پر ہلک ضربیں لگا کر  
 قتل کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ کی تو اپنی آنکھوں دیکھا یہ سارا سانحہ  
 تھا اپنے محبوب شوہر کے مرثیے کے اشعار میں ان کا یہ شعر اسی نجیبی کے بارے میں ہے۔  
 (الافغانی ج ۱ ص ۶۸)

الا ان خیر الناس بعد ثلاثہ قتیل التجیبی الذی جاء من مصر  
 یہ اور اسی طرح کے دیگر حالات و واقعات جو سبائیوں کے سلسلے میں ثالثوں نے  
 دوران تحقیقات معلوم کئے تھے ان ہی کی روشنی میں فیصلہ صادر کیا تھا لیکن صدور فیصلے  
 سے بہت پہلے تقریر ثالثی ہی کے وقت سے حضرت علیؓ کو احساس اس امر کا ہو گیا تھا کہ  
 خلافت پر اب ان کا فایم رہنا دشوار ہو گا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا  
 میں ضمن تذکرہ حضرت علیؓ (ج ۲ ص ۲۸۳) شعبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صفین سے  
 لوٹتے وقت ہی انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ کبھی حکمرانی نہ کر سکیں گے (سارجم علی من صفین  
 علم انہ لا یصلک ایداً) راوی کا بیان ہے کہ اس وقت ایسے کلمات ان کی زبان سے  
 ادا ہوئے جو پہلے کبھی نہیں کہے تھے اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے فرما دیا تھا کہ۔

|  |                                |
|--|--------------------------------|
| لے لوگو! معاویہ کی امارت سے (ایمر المؤمنین ہونے سے)              | کیہا الناس الا تکرہوا امارۃ    |
| تم کراہت ہرگز نہ کرنا کیونکہ قسم بخدا اگر تم نے ان کو بی گنا دیا | معاویۃ فواللہ لو فقد تمورۃ لقد |
| تو دیکھو مے کہ مونڈھوں پر سے سرکٹ کٹ کر دھڑا دھڑا اس طرح         | مرا یم البردس تنزوحن کو اہلہا  |
| کریں گے جیسے خنظل (اندراپن کے پھل) گرتے ہیں۔                     | سکا لحنظل۔                     |

مہودودی صاحب ہی کی کتب مآخذ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید والبدایۃ النہایۃ  
 میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنے والد ماجد کا یہ ارشاد اپنی تقریر میں اس وقت  
 بیان کر دیا تھا جب حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے سے پہلے عراقیوں کے سامنے تقریر کی تھی۔  
 الامامۃ والسیاسۃ کے غالبی مؤلف نے بھی (ج ۱ ص ۱۲، طبع اولی) حضرت حسنؓ کی تقریر

کا یہ فقرہ لکھا ہے جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ :-

ان ابی کان یحدثنی ان معاویۃ | میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہؓ خلافت پر ضرور  
سیلی الامر (الی آخرہ) | فائز ہو جائیں گے۔

ان واقعات سے مودودی صاحب کے اس بیان کی تائید ہو جاتی ہے جو انھوں نے  
حضرت معاویہؓ کے برسرِ اقتدار آنے کے بارے میں فرمایا ہے اس کے متعلق آگے بھی گفتگو آ رہی ہے ایک  
شیعہ مجتہد و مورخ کے بیان سے بھی مودودی صاحب کا بیان باطل ٹھہرتا ہے۔ لکھتے ہیں :-

لما صام الحسن بن علی بن ابی طالب | جب حسن بن علی بن ابی طالب نے معاویہؓ بن ابی سفیان  
معاویہ بن ابی سفیان دخل علیہما | سے صلح کر لی تو لوگ ان کے پاس گئے اور بعض لوگوں نے  
فلانہ بعضہم علی بیعة فقال حکم | ان کو (معاویہؓ سے) بیعت کر لینے پر ملامت کی تو انہوں نے کہا  
ما تدرون وما علمت والله للذی | تمہاری خرابی ہو تم کیا جانو میں نے کیا کام کیا خدا کی قسم  
عملت خیر لشیعتی مما طلعت علیہ | جو کام میں نے کیا ہے وہ میرے طرفداروں کے لئے تمام دنیا  
الشمس او غربت (الی ان قال) | کی چیزوں سے بہتر ہے کیا تم نہیں جانتے کہ ہم میں سے کوئی  
اما علمت انه مامنا الا ویقع فی | نہیں جس کی گردن میں اپنے زلمے کے کسی گمراہ (طاغیہ)  
عنقه بیعة لطاغیة زمانه الا | کی بیعت نہ ہو سوا کے قائم (یعنی ہمدی) کے جن سے پیچھے  
القائم الذی یصلی خلفه روح الله | روح اللہ علی بن مریم نماز پڑھیں گی۔  
علی بن مریم۔ (احتجاج طبری)

یہ تو غالی طرز کا قول ہے تاہم اس سے بھی ان حالات پر روشنی پڑتی ہے جو حضرت علیؓ کی سیاسی  
ناکامی کے نتیجے میں پیدا ہوئے اور حضرت معاویہؓ پر تمام امت نے اجماع کر کے اس سال کا نام  
عام الجماعة رکھا۔ تقریباً بیس برس تک امت مسلمہ کی سربراہی کے سلسلے میں جو خدمات  
انھوں نے انجام دیں اس کا بیان کرنا یہاں مقصود نہیں۔ حضرت علیؓ کے مختصر سے ایام میں  
جو حالات پیدا ہو گئے تھے اور سیاسی مناقشات سے جو اند و بناک جو ابتری پڑ گئی تھی اس کے  
پیش نظر آئندہ کے لئے ان کا سدباب کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ ایک جلیل القدر صحابی کی تحریک  
اور دیگر صحابہ و تابعین اور کل امت کے اتفاق رائے سے ولعہدی کی بیعت عامہ کی گئی۔



## امیر یزید کی ولایت عہد

مودودی صاحب نے امیر یزید کے ولی عہد بنائے جانے سے سلسلے میں مسباہوں کی وضع کردہ جتنی لغو اور لچر اور بے پایہ روایتیں بیان کی ہیں انھیں پڑھ کر کوئی شخص جسے شریعت اور سیاسیات اسلامیہ سے کچھ بھی مناسبت ہو اور صحابہ کرام نیز حضرات اہل بیت کی کچھ بھی عظمت دل میں رکھتا ہو، وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ ان کے پیش نظر واقعات ثابتہ کا بیان کرنا نہیں ہے بلکہ چلتے ہوئے بازاری قصے بیان کرنا مقصود ہے۔ کس قدر سطحی اور گستاخانہ ہے مودودی صاحب کا بیان (جولائی ص ۳۳۵)۔

”اس تجویز کی ابتدا حضرت مغیرہ بن شعبہ کی طرف سے ہوئی۔ حضرت معاویہ انھیں کوفے کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انھیں اس کی خبر مل گئی۔ فوراً کوفہ سے دمشق پہنچے اور یزید سے مل کر کہا کہ ”صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المومنین تمہارے لئے بیعت لینے میں شامل کیوں کر رہے ہیں۔ یزید نے اس بات کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا انھوں نے حضرت مغیرہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو تم نے یزید سے کہی۔ حضرت مغیرہ نے جواب دیا ”امیر المومنین آپ دیکھ چکے ہیں کہ قتل عثمان کے بعد کیسے کیسے اختلافات اور خون خرابے ہوئے اب بہتر یہ ہے کہ آپ یزید کو اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کر کے بیعت لے لیں تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف برپا نہ ہو“ حضرت معاویہ نے پوچھا ”اس کام کو پورا کر دینے کی ذمہ داری کون لے گا؟“ انھوں نے کہا اہل کوفہ کیسے سنبھال لوں گا اور نصیرہ کو زیادہ پھر اور کوئی مخالفت کرنے والا نہیں۔ یہ بات کر کے حضرت مغیرہ کوفہ آئے اور دمشق آدمیوں کو تین ہزار درہم

دے کر اس بات پر راضی کر لیا کہ ایک وفد کی صورت میں حضرت معاویہ کے پاس جائیں اور یزید کی ولی عہدی کے لئے ان سے کہیں۔ یہ وفد حضرت مغیرہ کے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا کام پورا کر دیا۔ بعد میں حضرت معاویہ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پوچھا ”تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے ہیں ان کا دین خریدا ہے“ انہوں نے کہاتیں ہزار دینار میں۔ حضرت معاویہ نے کہا ”تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے“

اللہ اکبر! یہ صحابہ رسول اللہ صلعم کی باتیں سو رہی ہیں اور ذکر اس قوم کا ہے جس کی ٹھوکروں میں اس وقت دنیا کے خزانے تھے! ان دس آدمیوں نے رشتہ بھی لی تو کتنی کہ اس عہد کے معیار زندگی کے مطابق بہت معمولی سی رقم تھی۔ اس روایت کی تفصیلات اگر دسویں جماعت کا طالب علم بھی پڑھے تو سوچے گا کہ جو امت و بزرگ عظموں میں بھیلی ہوئی تھی اور جس کا امام دنیا کا عظیم ترین حکم راں تھا۔ اس کے ولی عہد کے انتخاب کے لئے ایسے آفاقی لوگ تحریک کرنے بھیجے گئے تھے جو تین تین ہزار درہم یا دینار میں اپنی رائے فروخت کر دیتے تھے۔

پھر دیکھنا ہے کہ حضرت مغیرہؓ امیر یزیدؓ سے یہ کیسے فرما سکتے تھے کہ ”صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے“ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت سعید بن زیدؓ (دونوں عشرہ مبشرہ میں ہیں) حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے سیکڑوں بڑے اور چھوٹے صحابہ اس وقت موجود تھے جن میں حضرت عبداللہ بن عامرؓ اور سعید بن العاصؓ بھی ہیں جو اپنی فائمانہ اور

لے مودودی صاحب نے رشتہ کی رقم کی ادائیگی میں ایک جگہ تو تیس ہزار درہم دس آدمیوں کے دینے کا ذکر کیا ہے اور چند سطر بعد تیس ہزار دینار دیتے کا۔ درہم تو چوبیس رتی چاندی کا سکہ تھا۔ یعنی چھ دانگ کے برابر اور دینار ڈیڑھ درہم کے مساوی گویا ہمارے زمانہ کے الگشوں کے دو ٹوں کی قیمت سے بھی بہت کم رشتہ صحابہؓ رسول اکرمؐ نے (معاذ اللہ) لوگوں کو دلائی تھی۔



مذہب انہ شان کا سگہ بٹھا چکے تھے۔ رضو اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اس امت کے عظیم ترین بزرگوں میں ہیں اپنے علاقے کے مثالی حکم ران تھے۔ آپ کی محبوبیت مقبولیت اور عظمت ایسی تھی اور آپ کی اصابت رائے اور تدبیر کا یہ عالم تھا کہ آپ کی رعایا آپ پر پورا اعتماد رکھتی تھی اور آپ کے مشوروں کو حق و صداقت پر مبنی سمجھتی تھی اور وہ ان کے نزدیک نہایت محترم تھے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۷)

حضرت زیاد بن علاقہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت

جریر بن عبد اللہؓ کو مغیرہ بن شعبہؓ کی وفات کے دن

سنا۔ آپ کھڑے ہوئے اللہ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا

تم پر لازم ہے اللہ سے ڈرنا جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی

شریک نہیں۔ اور وقار اور سکون سے رہنا تا آنکہ تمہارا

(نیا) امیر آئے اور وہ عنقریب آنے والا ہے۔ پھر فرمایا

اپنے (مرحوم) امیر کے لئے خدا تعالیٰ سے معافی

مانگو کیونکہ وہ معاف کرنے کو درست رکھتے تھے۔ پھر فرمایا

اب سنو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

اور عرض کیا کہ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرتا ہوں

تو آپ نے شرم لگائی کہ ہر مسلمان کو نصیحت کرنے پر

بھی۔ چنانچہ میں نے اس پر بیعت کی۔ اور اس مسجد کے

رب کی قسم میں تمہارا بھی ناصح ہوں پھر آپ نے استغفار

کیا اور منبر سے اتر آئے۔

عن زیاد بن علاقہ قال

سمعت جریر بن عبد اللہ یقول

یوم مات المغیرہ بن شعبہ قام

فحمد اللہ واشتفی علیہ وقال

علیکم بالقاء اللہ وحد لا شریک

لہ والوقار والسکینۃ حتی

یا یتکم امیر فانما یا یتکم الان

ثم قال استعنوا لامیرکم فادھ

کان یحب العز ثم قال اما بعد

فانی واثیت الذی صلی اللہ علیہ

وسلم قالت ابایعک علی الاسلام

فشرط علی والنصح لکل مسلم

فبایعته علی هذا ورت هذا

المسجد فانی لکم لکم ثم استغفر

ونزل

یہ ایک جلیل القدر صحابی کی حضرت مغیرہؓ کے بارے میں شہادت ہے کہ وہ لوگوں

کی غلط روی پر چشم پوشی فرماتے تھے اور ان کی خطائیں بخش دیتے تھے تو پھر وہ جتنے بھی

محبوب ہوں کم ہے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ نئے والی کے آنے تک پوری طرح امن رہا

اور آپ کی تجہیز و تکفین کی گئی۔ آثار و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ مزار مبارک وہ ہے جسے آج حضرت علیؑ کا مدفن بتایا جاتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ کوفہ جو ہمیشہ اپنے والیوں کے لئے درد سبز بنا رہا اور جہاں کبھی ان والیوں کی عظمت شخصی اور تعمیر و ترقی کی کوششوں کو نہ سراہا یا گیا وہاں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی ہستی ایسی محترم تھی کہ ان کا احترام ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہا تو انہیں اس کی کیا ضرورت تھی کہ لوگوں کو رشوتیں دے کر اپنا ہمنوا بنالیں۔ کوفہ سے جو وفد گیا تھا، وہ آفاقی اور بے حیثیت لوگوں کا نہ تھا بلکہ عربی النسل اکابر کا تھا۔

سیدھی اور صاف بات ہے جسے سب نے تسلیم کیا ہے کہ امیر یزید کو دلی عہد بنانے کی تحریک حضرت مغیرہؓ نے کی تھی اس کی وجہ یہ تھی جو انہوں نے حضرت معاویہؓ سے بیان کی یعنی خلافت کے بارے میں جو فسادات سیدنا عثمانؓ کے بعد ہوئے ان کا تقاضا یہی تھا کہ دلی عہد المسلمین کا تقرر حضرت معاویہؓ اپنی زندگی میں کر جائیں اور وہ دلی عہد ہوں فرزند امیر المومنین جو اپنی صلاحیت و قابلیت، آداب و ہائے انسانی سے واقفیت اور دین کے لئے قربانی کا جذبہ رکھنے کا پورا ثبوت جہادوں میں دے چکے تھے پھر تمام بنو امیہ اور قریش ان کی حمایت پر تھے اور قبیلہ بنو کلب کی پوری طاقت ان کی پشت پر تھی۔ صحابہ کرام میں وہ مقبول تھے اور ان کی قدر سب کو معلوم تھی۔ چنانچہ جمہور صحابہ و اہل بیت المومنین اور اکابر اُمت نے اس تحریک کی تائید کی اور ارباب حل و عقد کے اتفاق سے یہ مسئلہ طے کیا گیا جسے ہم آئندہ بیان کریں گے۔

مودودی صاحب نے یہ تصور قائم کیا ہے کہ وفد صرف کوفہ کے ان پشت و دوں فطرت لوگوں کا تھا اور یہ کہ امیر یزید کی زندگی تک حضرت معاویہؓ کو یہ مسئلہ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی کیونکہ وہ امیر یزید کو دلی عہد بنانے کے خلاف تھے۔

(جولائی ص ۳۳۶)

مگر یہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے سب باطل ہے۔ شیعہ مورخ مسعودی تک کو اس کا



اعتراف ہے کہ وفد کسی ایک جگہ سے نہیں بلکہ چاروں طرف سے آئے تھے۔ چنانچہ وہ  
کتاب ہے۔ (مروج الذهب ج ۳ ص ۳۶-۳۷)

وفی سنة تسع وخمسين وقد  
على معاوية وقد من الامصار  
من العراق وغيرها۔ فكان من  
وقد من اهل العراق الاحنف  
بن قيس في آخرين من وجوه الناس

اور مکہ میں (حضرت) معاویہ کی خدمت میں  
عراق وغیرہ کے شہروں سے وفد آئے۔ اور جو  
وفد اہل عراق کی طرف سے آیا تھا اس میں  
دوسرے بڑے لوگوں کے علاوہ احنف بن  
قیس بھی تھے۔

مسعودی نے سنہ غلط دیا ہے طبری و دیگر مورخین نے سنہ بیان کیا ہے۔  
مگر یہاں ہمیں بتانا یہ ہے کہ سارے عالم اسلام سے جو وفد آئے تھے وہ اکابر اہل صل  
و عقد اور زیدی و جاہت لوگوں کے تھے نہ کہ ان کے جو دو تین ہزار درم یا دینار رشوت  
لیکر آئے دیں۔ امیر زیاد نے بھی بھرے سے وفد بھیجا تھا۔

ان وفدوں کے سامنے موافق و مخالف ہر قسم کی تقریریں ہوئیں اور لوگوں نے  
پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائے دی مسعودی نے حضرت احنف بن قیس کی یہ تقریر  
نقل کی ہے :-

لوگ بُرے دور سے گزر چکے اور اچھے زمانے کی  
امیدیں لگائے ہوئے ہیں۔ یزید محبوب ہیں اور  
قریبی ہیں۔ آپ جو انھیں ولی عہد بنا رہے ہیں تو  
بغیر اس بڑھاپے کے جو قویٰ کو کم زور کرنے والا ہو  
اور بغیر اس مرض کے جو جسم کو گھلانے والا ہو۔  
آپ نے وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔  
اور معاملات کو خوب پرکھا ہے۔ لہذا دیکھ بھال کر  
اپنا عہد سپرد کیجئے اور اپنا ولی عہد بنائیے۔ ان  
لوگوں کی رائے پر مت چلے جو بات تو کرتے ہیں لیکن

ان الناس امسوا في منكر زمان  
قد سلف ومعرفة زمان يوتنت و  
يزيد حبيب قريب فان تولد عهدك  
فعن غيرك بر من او من من مضى وقد  
حلبت الدهور وجربت الامور فاعرف  
من تسند اليه عهدك۔ ومن توليه  
الامر بعدك۔ واعص رأيي من  
يامرك ولا يقدر لك ويشير عليك  
ولا ينظر لك۔

آپ کی حمایت کی قدرت نہیں رکھتے اور آپ کو مشورہ دیتے ہیں لیکن آپ کی خیر خواہی مطلوب نہیں۔

حضری نے لکھا ہے (محاضرات تاریخ اسلام اسلامیہ ج ۲ ص ۱۱۸) کہ جب لوگوں نے کافری بخت کر لی تو امیر المومنینؑ نے حضرت احنفؒ سے فرمایا ماتقول یا اباجبر! اے ابوجبر آپ کیا کہتے ہیں تو انھوں نے عرض کیا:-

مخافکم ان صدقنا و تخاف الله ان  
کذبنا وانت یا امیر المومنین اعلم  
بیزید فی لیلہ و نہارہ و سرہ و علانیہ  
و مدخلہ و مخرجہ فان کنت تعلمہ  
لله ولایۃ مرصنا فلا تشاور فیہ وان  
کنت تعلم فیہ غیر ذلک فلا تزودہ  
الدنیا وانت صائر الی الآخرۃ وانما  
علینا ان نقول سمعنا و اطعنا۔

ہم سچ کہیں تو آپ کا خوف ہے اور جھوٹ بولیں تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور امیر المومنینؑ یزید کے مات دن کے مشاغل ان کا ظاہر و باطن اور ان کا اٹھنا بیٹھنا سب آپ کو ہم سے زیادہ معلوم ہے اگر آپ انہیں خدا اور امت کے لئے پسندیدہ سمجھتے ہیں تو پھر ان کے بارے میں کسی سے مشورہ مت لیجئے اور اگر آپ اس کے خلاف جانتے ہوں تو ان کی دنیا کے لئے اپنی آخرت مت بگاڑ لیئے۔ رہے ہم تو ہمارا کام ہے سننا اور اطاعت کرنا۔

حضرت احنفؒ جیسے دلیر اور ذی رتبہ شخص کی طرف یہ دو تقریریں منسوب کی گئی ہیں۔ ہمیں ان پر بحث کی ضرورت نہیں یعنی نہ یہ کہنا ہے کہ ان تقریروں کی نسبت حضرت احنفؒ کی طرف درست ہے یا نہیں اور نہ یہ کہ ان تقریروں کا کوئی مضمون کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ہمیں تو صرف اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ اس عظیم الشان اجلاس میں موافق و مخالف ہر قسم کی تقریریں ہوئیں اور کثرت رائے سے یہ تجویز منظور کی گئی۔ حضرت صہاک بن قیس فہریؒ بڑی قوت سے اس تحریک کی تائید میں تھے۔ ان کی پر جوش تقریریں نقل کی گئی ہیں۔ مسعودی شیبی نے یہ پر جوش تقریریں اپنے طریقے پر نقل کی ہیں۔

اب ہم اہل مدینہ کی بابت مودودی صاحب کی گل فشائیاں بیان کرتے ہیں۔

ارشاد ہے (جولائی ص ۳۳۷)



حضرت معاویہ نے مروان کو پھر لکھا کہ میں نے جانشینی کے لئے یزید کو منتخب کیا ہے۔ مروان نے پھر یہ معاملہ اہل مدینہ کے سامنے رکھ دیا اور مسجد نبوی میں تقریر کرتے ہوئے کہا "امیر المؤمنین نے تمہارے لئے مناسب آدمی تلاش کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا ہے یہ بہت اچھی رائے ہے جو اللہ نے ان کو سمجھائی۔ اگر وہ اس کو جانشین مقرر کر رہے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں۔ ابوبکر و عمر نے بھی جانشین مقرر کئے تھے اس پر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر اٹھے اور انہوں نے کہا جھوٹ بولے ہو تم اسے مروان اور جھوٹ کہا معاویہ نے۔ تم نے ہرگز اہل بیت محمدیہ کی بھلائی نہیں سوچی ہے۔ تم اسے قیصریت بنانا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مرا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا اگلی یہ سنت ابی بکر و عمر نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی اولاد میں سے کسی کو جانشین نہیں بنایا تھا" مروان نے کہا پھر تو اس شخص کو یہی ہے وہ جس کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ والذی قال لوالدیہ اف لکما۔ (الاحقاف، ۱۷) حضرت عبدالرحمن نے بھاگ کر حضرت عائشہ کے حجرے میں پناہ لی۔ حضرت عائشہ چیخ اٹھیں کہ "جھوٹ کہا مروان نے۔ ہمارے خاندان کے کسی فرد کے معاملے میں یہ آیت نہیں آئی ہے بلکہ ایک اور شخص کے معاملے میں آئی ہے جس کا نام میں چاہوں تو بتا سکتی ہوں۔ البتہ مروان کے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی جبکہ مروان ابھی اس کی صلب میں تھا" اس مجلس میں حضرت عبدالرحمن کی طرح حضرت حسین بن علی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے بھی یزید کی دلی عہدی ماننے سے انکار کر دیا۔

یہ روایت اپنے ناشائستہ اضافوں کے سبب بتاریہ ہے کہ اس کے راویوں میں کس ذہنیت کے لوگ ہیں۔ مودودی صاحب نے اگر سند دی ہوتی تو

رجال کی قلعی بھی کھول دی جاتی اگرچہ کوئی خاص ضرورت نہیں کیونکہ اس کا من ہی اپنی حقیقت بتا رہا ہے۔ یہاں چند باتیں غور طلب ہیں :-

- ۱۔ حضرت عبدالرحمانؓ شروع سے امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے اور آخر تک رہے۔ انہیں اگر اختلاف تھا بھی تو اسے صُن کے ساتھ بیان کر سکتے تھے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ انہوں نے اپنے امام کے متعلق یہ لہجہ اختیار کیا ہو پھر وہ تو اس زمانہ میں دنیا میں موجود ہی نہ تھے۔ بروایت ص ۳۳۵ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اور مودودی صاحب خود کہتے ہیں کہ زیاد کی وفات ۳۳۵ھ میں ہو جانے کے بعد ولیدؓ کی یہ تحریک تھی۔
- ۲۔ حضرت ام المومنین صلوات اللہ علیہا کے یہ الفاظ ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ بدیہی البطلان میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکمؓ پر لعنت اگر ان کے کفر کی حالت میں کی تھی تب تو ظاہر ہے کہ بیکار گئی کیونکہ وہ اسلام لائے اور حضرت مروانؓ نے ساری عمر حکومت کی اور آخر میں چار برس خلیفہ رہے۔ پھر علم و فضل کے اعتبار سے ان کا شمار اکابر امت میں ہوا اور ان کے فتاویٰ اور فیصلے شرعی نظائر کی حیثیت سے صحاح میں مندرج ہوئے یعنی انہیں لعنت میں سے کچھ بھی حصہ نہ ملا بلکہ بڑی رحمت ثابت ہوئی۔ اور اگر یہ لعنت حضرت حکمؓ کے اسلام لانے کے بعد کی تھی۔ تو حضرت مروانؓ ان کی پشت سے جدا ہو چکے تھے اور فتح مکہ کے وقت ان کی عمر نو دس برس کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، صفار صحابہ اور کبار تابعین میں ان کی حیثیت مسلم ہوئی۔

- ۳۔ حضرت مروانؓ نے اول تو سنت ابی بکرؓ و عمرؓ کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوگا۔ اور اگر کہا تو صحیح کہا کیونکہ مسئلہ اپنے بعد کے خلیفہ کو نام زد کرنے کا تھا اور یہ یقیناً سنت ابی بکرؓ و عمرؓ ہے۔ رہا بیٹے کو نام زد کرنا تو یہ الگ بات ہے اور کتاب و سنت میں اس کی کہیں ممانعت نہیں اور جب ممانعت نہیں تو بابت خود بخود ثابت ہو گئی حضرت علیؓ کے آخر وقت ان کے بیٹے کی نامزدگی ہوئی تھی۔
- ۴۔ حضرت عبدالرحمانؓ اگر اس وقت بقید حیات ہوتے بھی قصریت کا کوئی ذکر نہیں



کر سکتے تھے کیونکہ قیصر آمو دنا ہی ہوتا تھا اور اسے یہ اختیار تھا کہ جو قانون چاہے بنائے۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا لفظ اس کی رعایا کے لئے قانون کا حکم رکھتا تھا۔ اسلامی معاشرے میں لسا کوئی تصور نہیں۔ یہاں تمام معاملات کتاب و سنت پر مبنی ہوتے ہیں۔

۵۔ مودودی صاحب نے جو الفاظ آخر میں بڑھائے ہیں کہ اس مجلس میں حضرت عبدالرحمان کی طرح حضرت حسین بن علیؑ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے بھی یزید کی ولی عہدی ماننے سے انکار کر دیا تھا تو اس کا کوئی ثبوت نہیں اور حضرت حسینؑ کے بارے میں تو امیر المومنین یزیدؓ نے اپنے قطعہ اشعار میں ان کی بیعت کرنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ بلکہ حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں یہ صریح جھوٹ ہے۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

۶۔ اس اجلاس میں ولی عہد ماننے نہ ماننے کا کوئی ذکر نہ تھا صرف ایک تحریک کی اطلاع دی گئی تھی۔ اور فیصلہ ہونے سے پہلے تحریک کی مخالفت میں جو کچھ بھی کہا جائے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ البتہ فیصلہ ہو چکنے کے بعد اگر کوئی شخص مخالفت پر قائم رہے تب اس کا موقف زیر بحث آئیگا۔

مودودی صاحب نے اس روایت پر جو تعلیقہ دیا ہے اس میں انھوں نے صحیح بخاری کے بیان کو مختصر بنایا ہے کیونکہ ان کا مدعا اس سے پورا نہیں ہوتا اور حضرت ام المومنینؓ کی زبان مبارک سے حضرت مروانؓ پر طعن کی گنجائش نہیں نکلتی حالانکہ صحیح بخاری کا بیان اس دورانِ ماحول کے مطابق ہے جہاں فضولیات سے گریز کیا جاتا تھا ملاحظہ ہو (ج ۳ ص ۸۸۸ الاختلاف) اس سند میں ایک بھی شخص بد عقیدہ یا مشتبہ خیالات کا نہیں سبب بلند پایہ ہیں۔

|   |  |
|---|--|
| <p>ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ابو عوانہ نے ابو بشر کے حوالے سے بیان کیا اور انھوں نے یوسف بن ماحک کے حوالے سے</p> | <p>حدثنا موسیٰ بن اسماعیل حدثنا ابو الوعان عن ابی بشر عن یوسف بن ماحک قال کان مروان علی الحجاز</p> |
|---|--|

استغله معاویہ فخطب فجع  
 یذکر یزید بن معاویہ لکی  
 یبایع له بعد ایہ فقال لہ  
 عبدالرحمن بن ابی بکر شیا قال خذوا  
 فدخل بیت عائشہ فلم یقدروا  
 فقال مروان ان هذا الذی انزل  
 اللہ فیہ والذی قال لو اللہ  
 ان لکما اتعدا نغی فقالت عائشہ  
 من وراء الحجاب ما انزل اللہ  
 فینا شیئا من القرآن الا ان اللہ  
 انزل عذری۔

سے۔ وہ فرماتے ہیں مروان حجاز کے وائی تھے انہیں  
 (حضرت) معاویہؓ نے مقرر فرمایا تھا۔ تو انہوں نے  
 ایک تقریر کی اور اس میں یزید بن معاویہؓ کا ذکر کرنے  
 لگے کہ ان کے والد کے بعد ان سے بیعت کی جائے۔  
 اس پر (حضرت) عبدالرحمان بن ابی بکرؓ نے کچھ کہا  
 تو انہوں نے (یعنی حضرت مروانؓ نے) کہا "پکڑو انہیں۔"  
 اس پر وہ (حضرت ام المومنین) عائشہؓ کے گھر میں چلے  
 گئے اور لوگ ان پر قابو نہ پاسکے۔ تو مروانؓ نے کہا۔  
 "یہی ہیں۔ لوگ جن کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل کی  
 ہے۔" وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ سے کہا افسوس پر  
 تم پر تم مجھے دھکی دیتے ہو" اس پر (حضرت) عائشہؓ  
 نے پردے کے پیچھے سے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں  
 کے متعلق قرآن میں کوئی چیز نہیں اتاری سوائے اس کے  
 کہ اللہ نے میری پاکدامنی کی آیات نازل فرمائیں۔"

یہ بھی ساری بات بروایت بخاری نہ یہاں لعنت کی باتیں ہیں نہ امیر و امام کو جھوٹا  
 کہنے کی۔ رہا حضرت مروانؓ کا آیت کو حضرت عبدالرحمانؓ کے متعلق بتانا تو یہ قیاساً تھا  
 کیونکہ حضرت عبدالرحمانؓ بد میں کفار کے شکر کے ساتھ آئے تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے۔  
 حضرت عبدالرحمانؓ نے کیا کہا اس کا کوئی ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے کوئی چھپی ہوئی  
 بات کہہ دی ہوگی۔ لیکن یہ قصہ قطعاً آگے نہیں بڑھایا گیا اور اجلاس بغیر کسی اور بد مزگی  
 سے ختم ہو گیا۔ اس اجلاس میں قطعاً کسی دوسری طرف سے اعتراض نہیں ہوا یعنی وہ  
 اکابر صحابہ مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت سعید بن زیدؓ حضرت جابر بن عبد اللہؓ  
 وغیرہم ان سب نے۔ بات سنی اور گوارا کی۔ چھوٹوں کی موجودگی میں بات تو حجت بڑوں  
 کی ہے۔ کسی روایت سے یہ ثبوت نہیں حتیٰ کہ مودودی صاحب کی بیان کردہ روایت



سے بھی کہ بڑوں نے کیا کہا۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ۳۸ ص ۳۳)

”عواق و شام اور دوسرے علاقوں سے بیعت لینے کے بعد حضرت معاویہؓ خود حجاز تشریف لے گئے کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا اور دنیا کے اسلام کی وہ با اثر شخصیتیں جن سے مزاحمت کا اندیشہ تھا وہیں رہتی تھیں۔ مدینے کے باہر حضرت حسینؓ حضرت ابن الزبیرؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ان سے ملے حضرت معاویہؓ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔

اس طرح مدینے کا معاملہ آسان ہو گیا۔ پھر انھوں نے مکہ کا رخ کیا اور ان چاروں اصحاب کو خود شہر کے باہر بلا کر ان سے ملے۔ اس مرتبہ ان کا برتاؤ اس کے برعکس تھا جو مدینہ کے باہر ان سے کیا تھا۔ ان پر بڑی مہربانیاں کیں۔ انھیں اپنے ساتھ لے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر ٹھکانے میں بلا کر انھیں یزید کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے جواب میں کہا ”آپ تین کاموں میں سے ایک کام کیجئے۔ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو جانشین نہ بنائیے لوگ خود اسی طرح کسی کو اپنا خلیفہ بنالیں گے جس طرح انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو بنایا تھا یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجئے جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا کہ اپنی جانشینی کے لئے حضرت عمرؓ جیسے شخص کو مقرر کیا جس سے ان کا دور پرے کا رشتہ بھی نہ تھا۔ یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجئے جو حضرت عمرؓ نے کیا کہ چھ آدمیوں کی شوری تجویز کی اور اس میں ان کی اولاد میں سے کوئی شامل نہ تھا۔“

حضرت معاویہؓ نے باقی حضرات سے پوچھا ”آپ لوگ کیا کہتے ہیں“ انھوں نے کہا ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ابن الزبیرؓ نے کہا ہے۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا ”اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا

رہا ہوں۔ اب میں غذا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی۔ تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہوگی۔

پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو بلا کر حکم دیا "ان میں ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ ان میں سے جو بھی میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے۔ اس کے بعد وہ انھیں لئے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا۔ "یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا یزید کی دلی عہدی پر راضی ہیں اور انھوں نے بیعت کر لی ہے لہذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔ اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا۔ اہل مکہ نے بھی بیعت کر لی (بخاری ابن اثیر)

ابن اثیر نے واقعی یہ افسانہ نقل کیا ہے۔ یہ ساتویں صدی ہجری کے مصنف ہیں (متوفی ۷۰۰ھ) جبکہ تاریخ اسلام پوری طرح مسخ ہو چکی تھی۔ ان کے تمام بیانات بغیر اسناد کے ہیں اور انھوں نے کہیں اپنے مانعہ کا حوالہ نہیں دیا ایک مربوط کہانی کے طور پر تاریخ اسلام بیان کی ہے یہ صرف اپنے زمانہ کے یا اس سے کچھ پہلے کے واقعات کے بارے میں تو مستند سمجھے جاسکتے ہیں لیکن قرون اولیٰ کے واقعات کے بارے میں ان کا بیان بغیر سند کے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

انھوں نے یہ افسانہ جس مربوط شکل میں بیان کیا ہے اور یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ ان چاروں اصحاب سے حضرت معاویہ کی پہلی ملاقات مدینہ میں ہوئی اور ان کے رویہ سے بد دل ہو کر یہ حضرات جب مکہ چلے گئے تو دوسری ملاقات وہاں ہوئی اور ان کی بیعت کا ذکر۔ واقعہ پیش آیا اس طرح کا بیان ابن اثیر سے سو برس پہلے کہیں نہیں ملتا۔ قاضی ابوبکر بن العربی (المتوفی ۷۰۰ھ) کے زمانے میں یہ ایک روایت نہیں تھی بلکہ تین مختلف روایتیں تھیں۔ اور ان سب کا مدار وہب بن جریر



بن مادم پر تھا یعنی کسی شخص نے ان وہب کی طرف منسوب کر کے کوئی بات کہی اور کسی دوسرے نے کوئی دوسری بات یعنی یہ نہیں کہ کسی نے تھینوں باتیں کہی ہوں۔ یہ روایتیں یوں ہیں۔

(۱) حضرت معاویہؓ جب مدینہ حاضر ہوئے تو ابن عمرؓ، ابن ابی بکرؓ ابن الزبیرؓ ان کے استقبال کے لئے نکلے۔ اور پھر حضرت معاویہؓ نے مدینہ پہنچ کر تقریر کی اور خلافت کے لئے یزید کی موزونیت بیان کر کے منبر سے اتر آئے۔ پھر مکہ چلے گئے۔ اور حج سے فارغ ہو کر حضرت ابن عمرؓ کو بلا کر بیعت کے لئے کہا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ایک شخص ہوں۔ سب بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ یہ کہہ کر چلے آئے۔ پھر حضرت معاویہؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ کو بلایا اور ابھی سلسلہ گفتگو شروع ہی کیا تھا کہ یزید میں بول پڑے کہ ہم ایسا نہیں کریں گے اور آپ کو اس معاملے میں شوریٰ کرنا ہو گا یہ کہہ کر اٹھ گئے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا ”رکواہل شام کو تمہاری یہ بات نہ معلوم ہونے پائے۔ میں رات کو یہ اعلان کرنے والا ہوں کہ تم نے بیعت کر لی پھر جو تمہارا جی کرنا“ پھر حضرت ابن الزبیرؓ کو بلایا اور انھیں سخت سست کہا ”کہ تم ہی نے ان دونوں کو بھی درغلا یا ہے۔ حضرت ابن الزبیرؓ نے عرض کیا کہ آپ خلافت سے تھک گئے ہوں تو الگ ہو جائیے ہم آپ کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ تم دونوں کی بیعت کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔ حضرت معاویہؓ باہر نکلے اور لوگوں سے فرمایا ”لوگ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ ابن الزبیرؓ اور ابن ابی بکرؓ نے بیعت نہیں کی حالانکہ وہ مطیع ہیں اور بیعت کر چکے ہیں۔ شامیوں نے کہا۔“ یوں نہیں۔ انھیں بیعت سب کے سامنے کرنی چاہیے ورنہ ہم انھیں قتل کر دیں گے“

حضرت معاویہؓ نے فرمایا ”سبحان اللہ! کیسے جلدی لوگ قریش کی برائی پر اس طرح تل گئے۔ آئندہ میں ایسی بات کسی کی زبان سے نہ سنوں۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے۔“

اس روایت کی دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ حضرت ابن عمرؓ، ابن ابی بکرؓ اور ابن الزبیرؓ تینوں حضرت معاویہؓ کے ساتھ مکہ گئے تھے۔ اور مدینہ کی تقریر سے لیکر حج ختم ہونے تک حضرت معاویہؓ نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔ اور جب کی تو تینوں نے اپنی اپنی رائے الگ الگ بیان

کردی۔ یعنی یہ نہیں ہوا کہ کسی کو نمایندہ بنایا گیا ہو نیز یہ کہ حضرت حسینؑ کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔

۲۔ دوسری بات جو راوی کی چہالت ثابت کرتی ہے وہ حضرت ابن الزبیرؓ کے جواب میں ہے کہ آپ خلافت سے ٹھک گئے ہوں تو الگ ہو جائیے ہم آپ کے بیٹے سے بیعت کر لیں گے۔ آپ دونوں کی بیعت بیک وقت جمع نہیں ہو سکتی، حضرت ابن الزبیرؓ جو امام الفقہاء ہیں کیا وہ اتنی بات بھی نہیں جانتے تھے کہ بیعت خلافت کی نہیں بلکہ ولایت عہد کی لی جا رہی تھی یعنی امیر المومنین معاویہؓ کی وفات کے بعد ولیعہد کو خلیفہ تسلیم کرنے کی۔

(۲) انہی وہب سے دوسری روایت یوں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مدینہ میں جو تقریر کی تھی تو اس میں فرمایا کہ ابن عمر کو بیعت کرنی ہوگی ورنہ میں انھیں قتل کر دوں گا۔ ان کے فرزند عبد اللہ بن عمرؓ نے جو یہ بات سنی گھبرا کر مکہ روانہ ہو گئے تاکہ اپنے والد ماجد کو یہ بات بتائیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے جو یہ سنا تو رو پڑے۔ ابن صفوان جو ان کے ساتھ تھے انھوں نے کہا کہ آپ کا ارادہ اگر جنگ کرنے کا ہو تو میں ساتھ دیے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں صبر کروں گا۔ (گویا حضرت ابن عمرؓ مدینے میں نہیں تھے۔ بلکہ پہلے ہی سے مکہ میں تھے) اتنے میں حضرت معاویہؓ نے کہ پہنچے تو ان کے استقبال کے لئے عبد اللہ بن صفوان نکلے اور کہا ”کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ ابن عمرؓ نے آپ کے بیٹے کی بیعت نہیں کی تو آپ انھیں قتل کر دیں گے؟“ حضرت معاویہؓ نے فرمایا ”میں اور ابن عمرؓ کو قتل کروں؟“ ایسا ہرگز نہیں ہو گا (یعنی منبر پر جو قسم کھائی تھی وہ بے معنی تھی۔ م)

(۳) انہی وہب سے تیسری روایت یہ ہے کہ یہ سب حضرات مکہ میں تھے اور جب حضرت معاویہؓ وہاں پہنچے اور یہ استقبال کے لئے نکلے تو امیر المومنین نے فرمایا۔ میں اکیلا چلتا ہوں کوئی میرے ساتھ نہ چلے اور جب میں سواری مانگوں تو پیش کی جائے۔ پہلے حضرت حسین بن علیؑ آئے۔ حضرت معاویہؓ نے بڑے تلمطف سے ان کا استقبال کیا مدح سرا ہوئے اور سواری منگوائی۔ کچھ دور چلے تھے کہ حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ



آئے ان کا استقبال بھی اسی طرح ہوا اور سواری منگوائی گئی۔ پھر تھوڑی دور چلتے تھے کہ حضرت ابن عمر شریف لاتے نظر آئے۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا اور سواری منگوائی گئی۔ پھر تھوڑی دور چلتے تھے کہ حضرت ابن الزبیرؓ لے ان کے ساتھ بھی یہی ہوا اور سواری منگوائی گئی۔ اس طرح ان سب کو ساتھ لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔ اور حج ختم ہونے تک بڑی شگفتگی کے ساتھ باتیں رہیں۔ پھر وہ سب قحطہ ہے جو مودودی صاحب نے لکھا ہے۔ اس روایت کے مطابق چاروں حضرات مکہ میں پہلے سے موجود تھے۔ جب امیر المومنین کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی اور شہر کے عمائد آپ کے استقبال کے لئے نکلے۔ تو یہ چاروں صاحب شہری میں رہے اور پھر بجائے چاروں ایک ساتھ آنے کے ایک ایک کر کے ڈرامائی انداز میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نمودار ہوئے۔ راوی نے ترتیب بھی اپنے زاویہ نگاہ سے رکھی۔ اس کے نزدیک سب سے بلند رتبہ حضرت حسینؓ تھے اس لئے وہ سب سے پہلے آئے پھر حضرت صدیقؓ کے بیٹے اور ان کے بعد حضرت فاطمہؓ کے۔ چونکہ ابن الزبیرؓ اس شخص کے نزدیک سب سے کم رتبہ تھے اس لئے سب کے بعد آئے۔

دوسری چیز اس روایت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ چاروں نے اپنی اپنی رائے الگ نہیں بتائی بلکہ ابن الزبیرؓ کو وکیل کیا اور وہ سب کی طرف سے بولے۔ تیسری چیز اس میں بھی وہ ہے جو راوی کی جہالت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ حضرت ابن الزبیرؓ جیسے ذکی و فطن شخص ایسی بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ کے انتخاب تک ہر انتخاب مختلف تھا۔ تو حضرت ابن الزبیرؓ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ اب اختلاف نہیں ہو سکتا۔

یہ ہیں وہ تین متناقض غیر مربوط وضعی روایتیں جو ایک دوسرے سے بے خبر راویوں نے اپنی اپنی جگہ دہیب بن جریر کے حوالے سے بیان کی ہیں۔ ابن اثیر نے اپنے زمانے میں انہیں ایک مربوط افسانے کی شکل دینے کے لئے یہ رائے قائم کر لی کہ حضرت معاویہؓ کے برتاؤ سے بدول ہو کر یہ حضرات مکہ چلے گئے تھے۔ مگر انہوں نے

یہ نہ سوچا کہ مکہ میں بھی تو امیر المومنین سے انھیں چھٹکارا ملنے والا نہیں تھا۔

امام ابن العربیؒ نے ان تینوں روایتوں کو چھوڑنا بتایا ہے [ص ۲۱۹-۲۲۴] اور علامہ محب الدین الخطیبؒ نے ہر روایت پر تنقید کی ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ہم ناظرین کرام کو ایک اور بات پر متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ شاید مودودی صاحب کچھ عبرت پکڑیں۔

(۱) ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ھ) نے ساتویں صدی میں جو مربوط افسانہ لکھا وہ ان سے سو برس پہلے امام ابن العربیؒ کے زمانے میں (المتوفی ۵۴۳ھ) یعنی العوامیہ کے تالیف کے وقت ایک روایت نہیں تھی بلکہ تین مختلف روایتیں الگ الگ مشہور تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ واقعہ یہ ہوا اور کوئی کہتا تھا یہ۔

(۲) امام ابن العربیؒ سے دو سو برس پہلے شیخ مورخ سعودی کے زمانہ میں (المتوفی ۷۷۷ھ) ایسی کسی روایت کا وجود نہ تھا ورنہ وہ اسے ضرور نقل کرتا کیونکہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر اس نے قسم قسم کی چوٹیں کی ہیں وہ بنو ہویہ کے دربار سے منسلک تھا۔ جنہوں نے دنیا میں پہلی مرتبہ ماتم حسینؑ کی ابتدا کی اور صحابہ کرام کی منقصدت میں کتابیں لکھوائیں۔ اگر ادنیٰ درجے میں بھی ایسی کسی روایت کا اسے کہیں سراغ ملتا تو درج کئے بغیر نہ رہتا۔

(۳) سعودی سے نصف صدی پہلے تیسری صدی ہجری میں محمد بن جریر طبری ہوئے ہیں (المتوفی ۳۲۰ھ)۔ وہ وہب بن جریر سے روایت کرتے ہیں لیکن انھوں نے ایسی کوئی روایت وہب سے نقل نہیں کی۔

ملا وہ ازیں ابن اثیر سے لے کر وہب تک اور وہب سے لے کر اوپر تک اس ایک یا ان تین روایتوں کی کوئی سند نہیں ملتی جو اس کے راویوں کی بابت کچھ کہا جاسکے۔ غرض یہ ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے سلسلے میں چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جیسی ابن اثیر نے بیان کی ہے۔ البتہ الامامہ والسیاستہ میں پہلی مرتبہ وہ روایت بیان ہوتی ہے جس کے مطابق ان چاروں بزرگوں نے حضرت



معاویہؓ کا استقبال مکہ میں کیا اور اس ڈرامائی انداز میں ایک ایک کر کے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ان سے ملے۔ پھر ہنستے بولتے وقت گزرا اور آخر دن ان تینوں کو بلایا گیا یہ سمجھ گئے کہ کیوں بلایا گیا ہے اور انھوں نے بن الزبیر کو اپنا وکیل بنا دیا جنھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ یا تو حضرت معاویہؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بغیر وصیت کئے اس دنیا سے جائیں یا حضرت صدیقؓ کی طرح ایک غیر شخص کو ولی عہد بنائیں یا حضرت فاروقؓ کی طرح چند آدمیوں کو نام زد کر جائیں۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے برا فروختہ ہو کر کہا کہ میں اعلان کرنے والا ہوں کہ تم سب نے بیعت کر لی اور تمہارے سروں پر ننگی تلواریں لئے آدمی کھڑے ہوں گے۔ اگر تم میں سے کسی کے ہونٹ بے توبات منہ سے نکلنے سے پہلے اس کا سر زمین پر پڑا ہو گا۔

الامامة والسياسة کے غالی مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سب حضرات یعنی عبدالرحمن بن ابی بکرؓ و عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن زبیرؓ و حسین بن علیؓ نسب چپ سادے رہے کسی نے کچھ بھی نہ کہا قتل ہو جانے کے ڈر سے لم یثكلوا شیثاً حذراً لقتل (ج ۱ ص ۲۰۰) ان و معنی روایتوں جہاں حضرت معاویہؓ امیر المومنین پر کذب بیانی کا الزام لگایا ہے وہیں ان سب بزرگوں کی بزدلی کا بھی کیسا برا نقشہ کھینچا ہے۔

الامامة والسياسة کے متعلق اہل تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم المعروف بابن قتیبہؒ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کسی مجہول غالی شخص نے یہ کتاب لکھی ہے [ملاحظہ ہوا العواصم من القواصم ص ۲۴۸ تعلیقہ علامہ خطیبؒ] گویا ساتویں صدی ہجری سے لیکر تیسری صدی ہجری کی تاریخ کا جائزہ لینے پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چوتھی سے پانچویں صدی ہجری تک کے زمانے میں یہ تین مختلف روایتیں الگ الگ لوگوں نے دھب کے نام سے وضع کی تھیں اور ابن اثیرؒ نے انھیں ایک مربوط افسانے کی شکل میں پیش کر دیا چوتھی صدی کے اوائل تک ایسی کوئی بات امت کو معلوم نہ تھی۔

مسعودی کی مروج الذہب [ج ۳] کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ امیر یزید کی ولایت عہد کے سلسلے میں صحابہ کرام کے درمیان قطعاً کوئی اختلاف یا بد مزگی پیدا نہیں ہوئی۔ ہر طرف کے دُفود نے کثرت رائے سے اس کی تائید کی اور عالم اسلام نے قبول کر لیا۔ ایسی صورت میں ابن اثیر اور ان کے بعد کے راویوں کا کوئی بیان کب لائق توجہ ہے۔ اور کسی صاحب علم کے لئے کب روا ہے کہ ان فضولیات کو بطور حجت پیش کرے۔ اب ہمیں ایک طرح اور دیکھنا چاہیے کہ ابن اثیر نے جس طرح یہ افسانہ مرتب کیا ہے اور مروی صاحب جو تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس وقت اہل مدینہ میں یہی چاروں بزرگ اصحاب نمود تھے۔ لہذا حضرت معاذیہ کے لئے ضروری تھا کہ انہیں رام کریں۔ حالانکہ یہ تصور قطعاً باطل ہے۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہ موجود تھے۔ جن کے سامنے یہ چاروں خور و دول کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابوالایب انصاری، وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین اور پھر ان چاروں میں دول بالکل ہی خورد تھے یعنی حضرت ابن الزبیر اور حضرت حسینؑ گویا مسئلے کا فیصلہ کرتے وقت رائے دیے والوں میں حضرت ابن عمرؓ تو بیشک تھے اومان کے بعد حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ اگر وہ اس وقت دنیا میں موجود ہوتے لیکن حضرت ابن الزبیرؓ اور حضرت حسینؓ اس وقت یہ حیثیت نہیں رکھتے تھے کہ بزرگوں کے فیصلے کے خلاف جاسکیں۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا شمار تھا کہ تمام اہم معاملات میں حضرات اہبات المؤمنین سے مشورہ کر کے کوئی اقدام کرتے تھے۔ اور اس بارے میں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ رضی اللہ عنہما کی بھی کوئی تخصیص نہیں وہ بھی اہبات المؤمنین کی رائے لیا کرتے تھے حالانکہ وہ ان کی بیٹیاں تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے انہیں تمام اُمت میں جو عظیم ترین سر بلندی ملی ہے اس کا تقضا بھی یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو معارف دینیہ میں خاص درک عطا فرمایا تھا جیسا کہ نص قرآنی سے ثابت ہے واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیت اللہ والحکمۃ (اور تم





يَكْلَمُ فِي هَذَا لَامر فليطلع قره  
فلان حق به ومن ابیه

قال حبیب بن مسلمة  
فهلّا جبهه قال عبد الله  
فخللت حبوتی و هممت ان  
اقول الحق بهذا الامر منك  
من قاتلك و اياك على الاسلام  
فخشيت ان اقول كلمة تفرق  
بين الجمع و تسفك الدماء  
و يحمل عني غير ذاك فذكرت  
ما اعد الله لي في الجنان  
قال حبیب حفظت و غصمت

بارے میں بولنا چاہیں تو سر اٹھائیں۔ ہم ان سے اور  
ان کے والد دونوں سے اس امر کے اختلاف کے زیادہ  
حق دار ہیں۔

حضرت حبیب بن مسلمہؓ نے کہا پھر آپ نے  
کوئی جواب بھی دیا؟ حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا میں نے  
چاہا کہ اپنا جہود کھولوں اور کہنے کا ارادہ کیا کہ اس کا  
زیادہ حق تو ان کا ہے جنہوں نے آپ سے اور آپ کے  
والد سے اسلام کے لئے جنگ کی تھی۔ لیکن پھر میں ڈرا کہ  
کہیں ایسی بات نہ بے نہ مل جائے جو اجماع کے بعد  
افتراق کا موجب ہو خو ریزی کی نوبت آئے اور میرا  
عند یہ اس کے علاوہ کچھ اور سمجھ لیا جائے۔ لہذا میں نے  
جنت کی ان نعمتوں کو یاد کیا جو اللہ نے میرے لئے تیار کی ہیں۔  
حضرت حبیبؓ نے فرمایا اللہ نے آپ کو غلط بات  
کہنے سے محفوظ رکھا۔ اور غلط اقدام سے بچا لیا۔

اس صحیح اور ناطق حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں :-

۱۔ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی ہمیشہ معظمہ ام المومنین حفصہؓ سے مشورہ ضروری سمجھا۔

۲۔ بیعت کا معاملہ مدینہ طیبہ میں طے ہوا تھا نہ کہ مکہ میں۔

۳۔ مسجد شریف میں پورا اجتماع تھا اور تمام اہل الرائے جمع تھے یعنی حضرت سعدؓ اور  
حضرت سعیدؓ اور دوسرے اکابر رضی اللہ عنہم۔

۴۔ حضرت ابن عمرؓ کے دل میں یہ خطرہ ہوا کہ ولی عہد ہونے کا زیادہ حق انھیں ہے تو  
ام المومنین حضرت حفصہؓ نے یہ خطرہ رفع کر دیا۔

۵۔ حضرت ابن عمرؓ کی ایسی اہم شخصیت تھی کہ آپ کی عدم شرکت سے فتنہ کھڑا ہو سکتا تھا۔

۶۔ آپ کے وہاں پہنچ جانے کے بعد بیعت کی تکمیل ہو گئی اور تمام بزرگواروں کے اجماع



سے یہ مسئلہ طے ہوا۔

۷۔ جب عوام اٹھ گئے اور خواص رہ گئے تو حضرت معاویہؓ نے اپنے گھرانے استحقاق ظاہر کیا کہ کس طرح حکومت بنویہ سے لیکر ان کے اپنے عہد تک یہ گھرانہ امت کی قیادت کرتا چلا آ رہا تھا اور اسے کیسی مقبولیت حاصل تھی۔

۸۔ حضرت ابن عمرؓ نے طیش میں جو کہنا چاہا تو صرف تعریضاً تھا کیونکہ معاویہؓ کسی وقت بھی اسلام اور کفر کی آویزش میں اسلام کے مقابلے پر نہیں آئے تھے۔ اس لئے ان کے اس کہنے سے کہ آپ اور آپ کے باپ سے اسلام کیلئے جو لڑے تھے اس سے مقصود صرف اتنا تھا کہ یہ باپ بیٹے اسلام بہت بعد میں لائے تھے اور اسلام کی فیصلہ کن جنگوں میں حضرت ابوسفیانؓ کفر کی طرف تھے۔

۹۔ حضرت حبیب بن مسلمہؓ مجاہد صحابی جو حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں میں تھے اور اپنے جہادوں میں مشغولیت کے سبب موقع پر موجود نہ تھے۔ بہت بعد میں حضرت ابن عمرؓ نے ان سے یہ واقعہ بیان کیا وہ بھی حضرت معاویہؓ کی بات سن کر برا فروخت ہوئے مگر حضرت ابن عمرؓ کا چپ رہنا انھیں مناسب دوزوں معلوم ہوا۔

ظاہر ہے کہ طے اور عمر کے اعتبار سے امیر یزیدؓ تابعی ہیں اور ان بزرگواروں پر فضیلت نہیں رکھتے لیکن جن مصالح کی بنا پر انھیں ولی عہد بنایا گیا وہ سب کی سمجھ میں آگئیں اگرچہ وقتی طور پر کسی درجے میں کسی کو پسند نہ ہوا ہو۔

مگر یہ حدیث ان تمام فضولیات کا قلع قمع کر دیتی ہے جو اس سلسلہ میں لوگوں نے وضع کی ہیں اور اس سے قطعی ثبوت اس کا ملتا ہے کہ امیر یزیدؓ کی ولی عہدی کا مسئلہ جمہور صحابہ کی رضا سے طے ہوا تھا۔ اور یہ فیصلہ ان بزرگواروں نے کیا تھا جن سے زیادہ نہ کسی میں دین کی سمجھ ہو سکتی ہے اور نہ ان سے زیادہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وفا دار ہو سکتا ہے اور نہ ان سے زیادہ کسی کو اس وقت کے احوال سے واقفیت ہو سکتی ہے اور نہ ان سے زیادہ حالات حاضرہ کی مصلحتوں کو کوئی سمجھ سکتا ہے۔ اس وقت حضرات اہل بات المؤمنین میں سے جتنی موجود

تھیں ان سب کی اولاد و اغزو و اقربائے امیرؒ کی ولایت عہد اور بعد میں خلافت کی بیعت کی۔  
مثلاً حضرت ام سلمہؓ کے فرزند حضرت عمر بن ابی سلمہؓ حضرت میمونہؓ کے بھانجے  
حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت حفصہؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ  
کے بھانجے حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ وغیرہم۔ اس بیعت کے وقت کوئی استثناء و نظر  
نہیں آتا لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسینؑ نے بھی بیعت کی تھی جیسا کہ امیرؒ نے اپنے  
نقطہ اشار میں اس کا اشارہ کیا تھا۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے سگے بڑے بھائی تھے  
اور حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی اولاد میں بھی سب سے بڑے تھے ان کی وفات اپنی سگی چھوٹی  
بہن حضرت عائشہؓ متوفی ۵۸ھ سے پانچ سال پہلے ۵۳ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ  
پر یکایک ہو گئی تھی مات فجاءة سنة ثلاث وخمسين بجبل بقرہ مکة (المعارف  
ابن قتیبة ص ۱۶۶) دونوں بھائی بہن میں بڑی محبت تھی لوگوں نے جنازہ کو کندہ ہوں پر  
لا کر حد و حرم میں دفن کرایا حضرت عائشہؓ کو محبوب بھائی کی جدائی کا بڑا قلق تھا  
مدینہ سے مکہ آکر بھائی کی قبر پر گئیں حسرت سے یہ شعر پڑھے جو مستم بن نذیرہ نے اپنے بھائی  
مالک کی جدائی میں کہے تھے۔

ولنا کند مانی جدینہ حقیۃ      من الدھر حتی قیل لن یتصدعا  
فلما تفرقنا کانی وما لک      لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

امام ابو محمد عبداللہ بن قتیبة الدینوری متوفی ۳۷۰ھ نے سنہ وفات ان کا صراحتاً  
۳۷۰ھ لکھا ہے ان سے دو سو برس بعد کے مولف ابن عبد البر نے بھی ۳۷۰ھ ہی بتایا ہے  
گرچہ لفظ قیل کے ساتھ ۳۷۰ھ بھی یہ کہہ کر لکھ دیا ہے کہ اذل الذکر سنہ کی روایت بکثرت  
ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی جو ابن قتیبة سے پان سو برس بعد کے مولف ہیں ان سعد و ابو عبیدہ  
و اقدی وغیرہم کا بیان کر دہ ۳۷۰ھ و ۳۷۱ھ و ۳۷۲ھ وفات کا ذکر کرتے ہوئے ۳۷۰ھ کو  
جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے انتقال کا سنہ ہے غلطی سے ان کے ان بھائی کا بھی سنہ وفات  
قرار دے ڈالا لہذا ان کے یکایک مرنے اور حضرت عائشہؓ کے بھائی کی قبر پر جانے اور



شعیر پڑھنے کے سب حالات بھی لکھے ہیں۔ غرضیکہ حضرت عبدالرحمنؓ کا انتقال تحریک لیجہری  
 یزید سے چوبیس سال پہلے ہو چکا تھا تو یہ وضعی روایتیں خود بخود باطل ہو جاتی ہیں جو سبائی  
 راویوں نے ان کی رائے ہموار کرنے کے لئے حضرت معاویہؓ کو متہم کیا ہے کہ انھوں نے ایک  
 لاکھ درہم رشوت میں ان کو بھیجے تھے۔ اور مودودی صاحب نے البدایہ ج ۸ ص ۸۹ کا حوالہ  
 دے کر بھی یہ غلط بیانی کی ہے کہ یہ رشوت انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دی تھی۔ یہ  
 منقریات سب بعد میں وضع ہوئیں مودودی صاحب کا دار و مدار چونکہ ان موضوعات پر ہے۔  
 اس لئے اسی کے مطابق تنقید ہم نے کی ہے ورنہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر متوفی ۳۵ھ  
 اس زمانہ میں بقید حیات نہ تھے۔

حضرت ابن الزبیرؓ نے گو خلافت کی بیعت نہیں کی لیکن امیر المومنین یزیدؓ کی زندگی  
 بھر خلافت کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔ حضرت حسینؓ نے سبائیوں کے دھوکے میں آکر خروج تو کر دیا  
 لیکن کو فہ پہنچ کر جب صحیح حالات دیکھے تو موقف سے رجوع کر لیا اور امیر المومنین سے بیعت  
 کرنے دمشق کی راہ پکڑ لی لیکن جب کربلا پہنچے تو آپ کے ساتھیوں کے سبب بے وجہ  
 لڑائی ہو پڑی۔ جس کے نتیجے میں کربلا کا حادثہ رونما ہوا۔

۱۰۔ جب مدینہ میں بیعت کی تکمیل ہو گئی تب حضرت معاویہؓ نے بلاد اسلامیہ میں امیر یزیدؓ  
 کے دلی عہد ہونے کی بیعت لی۔

اگر سب شہروں میں بیعت پہلے ہو گئی ہوتی تو اہل مدینہ پر بھی ویسے ہی اس  
 بیعت میں داخل ہونا واجب ہو جاتا اور نہ ہوتے تو شرمناک ان کے خلاف فوجی کارروائی کی  
 جاتی۔ حضرت معاویہؓ جیسے یگانہ روزگار مدبر یہ غلطی کیسے کر سکتے تھے کہ اہل مدینہ سے بیعت  
 بعد میں لیں۔ اور بے وجہ فساد کا سبب بنیں۔ اول صرف تحریک ہوئی تھی اور بیعت اس وقت  
 لی گئی جب اہل مدینہ نے بیعت کر لی۔ یہ حدیث اس کی وضاحت کر رہی ہے۔ یہاں تو صرف  
 ولایت عبداللہؓ کا مسئلہ پیش تھا تب ہی حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میرا اس معاملے میں خیال  
 نہیں کیا گیا۔

صحیح بخاری کے اس بیان کی موجودگی میں مودودی صاحب کی بیان کردہ خرافات کی

گنجائش کب رہتی ہے اور کس طرح کوئی صاحب علم و ایمان یہ فضول بات کہہ سکتا ہے جو انھوں نے امیر یزیدؒ کے بارے میں کہی کہ (جولائی ص ۱۳۳۶)

دو باتیں بالکل واضح ہیں ایک یہ کہ یزید کی دلی عہدی کے لئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنا پر نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں نے اس سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ یزید بجائے خود اس مرتبہ کا آدمی نہ تھا کہ حضرت معاویہؓ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے کوئی شخص یہ رائے قائم کرتا کہ حضرت معاویہ کے بعد امت کی سربراہی کے لئے وہ موزوں ترین آدمی ہے۔ مودودی صاحب نے جو پہلی "واضح" بات فرمائی ہے اور حضرت میسرہ اور اور حضرت معاویہؓ دونوں کو ہوا پرست بنایا ہے تو ان کا یہ طعن صرف ان دونوں بزرگوں پر نہیں بلکہ ان سب پر ہے جنھوں نے اس تحریک کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچایا اور ان میں عظیم ترین صحابہ کرام کے علاوہ حضرات اہل بیت المومنین بھی شامل ہیں۔

رہی دوسری "واضح" بات تو اس کا جواب بھی دہی ہے کہ امیر یزیدؒ کا موزوں ترین ہونا ان بزرگوں کو معلوم تھا جنھوں نے ان کی ولایت عہد پر اجماع کیا۔ اور اجماع اس شان کا تھا کہ تمام امت کے سربراہ آوردہ لوگوں سے استصواب کے بغیر ہوا۔ تاریخ اسلام میں جس وسیع پیمانے پر استصواب امیر یزیدؒ کی دلی عہدی کے بارے میں ہوا، ایسا استصواب ان سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا۔

علاوہ ازیں ان کی شخصی قابلیت اور فضائل بھی کم نہ تھے۔ ان کے علم و فضل کا ان کے تقویٰ و دینداری کا ان کی شجاعت و شہامت کا اور ان کی اہلیت و صلاحیت جہاں بانی کا اعتراف ہم عصر امت نے کیا۔ اس سے بڑی اور کیا شہادت ہے کہ صحابہ کرام ان کے کارکن تھے۔ ان کے عامل تھے۔ ان کے سپہ سالار تھے ان کے غائب فاتح تھے اور ان کے



قاضی تھے۔ یعنی امیر المومنین یزیدؓ کی خلافت عملاً صحابہ کرام کی خلافت تھی۔  
اور یہ خلافت ایسی تھی کہ حضرت ابن عمرؓ اس کے خلاف کھڑے ہوئے کہ خدا اور رسول  
سے سب سے بڑی غداری کہتے تھے جیسا کہ ہم صحیح بخاری کتاب الفتن کے حوالے سے  
گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے جہاں اہل مدینہ کی بغاوت کے وقت حضرت ابن عمرؓ نے  
فرمایا تھا۔

ہم نے اس شخص سے خدا اور رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور مجھے  
اس سے بڑی کوئی غداری نظر نہیں آئی کہ جس کے ہاتھ پر ہم خدا اور رسول  
کی بیعت کریں اس سے بڑے کھڑے ہو جائیں۔

ربا حضرت حسینؓ کا ناکام خروج جو قبول سورخ الحضری نتیجہ تھا نا تجربہ  
کاری و ناعاقبت اندیشی کا اعدام الایمان والیتصر فی العواقب چنانچہ مزید کہا ہے کہ  
بہر حال حضرت حسینؓ نے اپنے خروج میں  
بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے  
امت پر فرقہ و اختلاف کا ایسا وبال پڑا  
کہ الفت و محبت کے ستون آج تک متزلزل  
ہیں۔ اس حادثہ کو اکثر مورخین نے اس انداز  
سے پیش کیا ہے جس سے ان کا مقصد لوگوں کے  
دلوں میں بغض و عداوت کی آگ کو بھڑکانا ہے  
واقعہ تو صرف اتنا ہی تھا کہ ایک شخص حکومت کی  
طلب میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے حصول  
کے لئے جن اسباب و اعوان کی ضرورت  
ہے وہ فراہم نہیں کر سکتا اور بغیر عامل کئے۔  
(امر مطلوبہ) قتل ہو جاتا ہے اس سے پہلے  
ان کے والد (حضرت علیؓ) بھی قتل ہو گئے تھے

وعلى الجملة فان الحسين خطاء  
خطاء عظيما في خروج هذا الذي  
جر على ائمة وبال الفروقة والاختلاف  
وزرع عمادا لفتها الى يومنا هذا  
وقد اكثر الناس من الكتابة في هذا  
الحادثه لا يريدون بذالك الا ان  
تشتعل النيران في القلوب فيشتد  
تباعد هذه غاية ما في الامر ان الرجل  
طلب امر لم يتحملا له ولم يعد له  
عدته فحبل بينه وبين ما يشتهي  
وقتل دون وقيل ذاك قتل ابوك  
فلم يجد من اقلام الكاتبين من  
يشع امر قتله ويزيد به نار العداوة

تاجیجا وقد ذهب الجميع الى ربه  
يما سبهم على ما فعلوا-

والتاريخ يلخذ من ذلك عبرة  
وهي انه لا ينبغي لمن يريد عظام  
الامور ان يسير اليها بغير عدا  
الطبيعة فلا يرفع سيفه الا اذا  
كان معه من القوة ما يكفل له  
النجاح او يقرب من ذلك كما انه  
لا بد ان تكون هناك اسباب حقيقية  
لمصلحة الامة بان يكون هناك  
جور ظاهر لا محتمل وعسف شديد  
ينوء الناس بحمله اما الحسين فانه  
خالف علي يزيد وقد يايحه الناس  
ولم يظهر منه ذلك الجور ولا  
عسف عند اظهار هذه الخلافات  
(المحاضرات الحضري ج ۱ ص ۱۳۵)

لکھنے والوں کے قلم رو کے نہیں جاسکے انھوں نے  
ان کے (حسین کے) قتل کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا  
ہے جس سے عداوت کی آگ بڑھتی گئی مگر یہ سب  
لوگ اب اللہ کے حضور میں پہنچ چکے ہیں وہ یہی  
ان کے کئے کا محاسبہ کرے گا۔ لیکن اس  
واقعہ سے تاریخ ایک عبرت دلاتی ہے اور وہ  
یہ کہ جو شخص بڑے کاموں کا ارادہ کرے تو مناسب  
تیاری سے پہلے ان کی جانب بڑھنا ٹھیک نہیں  
اور جب تک وہ اتنی قوت حاصل نہ کرے کہ اپنے  
مقصد میں کامیاب ہو سکے یا کم از کم اس کے  
قریب ہی ہو سکے تو اسے تلوار اٹھانا نہیں چاہیے  
نیز اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے اسباب  
حقیقی طور سے موجود نہ ہوں جو امت کے لئے  
اصلاح طلب ہیں یعنی بین طور پر ناقابل برداشت  
ظلم و ستم ہو رہا ہو اور لوگوں پر اتنی تسلی ہو  
کہ وہ در ماندہ ہوں مگر حضرت حسینؑ نے  
امیر المومنین (یزید کی مخالفت کو اس حال میں  
کی تھی کہ امت نے ان کی بیعت کر لی تھی اور اس  
مخالفت کے اظہار کے وقت ان کی (امیر المومنین)  
جانب سے کسی قسم کے ظلم و ستم کا اظہار بھی نہ ہوا تھا۔

مردودی صاحب کا یہ فرمانا کہ امیر یزید کی بیعت و بیعتی سے "خلافت کی کٹاری  
کارخ تبدیل ہوتے دیکھ کر حضرت حسینؑ نے "کٹاری کو پھر صحیح پٹری پر ڈالنے سے لئے  
اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا" نری شاعری ہے۔ جان سپاری کا محرک اگر واقعی ولایت



عہد ہی کا معاملہ تھا تو وہ اس وقت کیوں چپ ساد گئے تھے جب بقول مودودی صاحب  
حضرت معاویہؓ اربابِ عقل و عقد سے لایت عہد کی بیعت لینے مدینہ شریف لائے تھے  
اور ان پانچوں حضرات کے سروں پر حن میں حضرت حسینؓ بھی شامل تھے تلوار لٹکادی گئی تھی  
”جان لڑا دینے کا“ وقت تو وہی تھا جب خلافت کی گاڑی کا کانٹا بقول مودودی صاحب  
بدلا جا رہا تھا یعنی ۵۶ھ میں بوقت بیعت ولیعہد ۵۷ھ سے ۵۸ھ کی چار پانچ  
سال کی مدت میں حضرت حسینؓ کا جذبہ سرفروشی آخر کیا کرتا رہا۔ صفحات تاریخ پر دیکھا جاسکتا  
ہے کہ گاڑی کا رخ موڑنے کے لئے جان کی بازی لگانے کے بجائے وہ حضرت معاویہؓ سے  
برابر تعاون کر کے وظائف کی سالانہ رقوم کے علاوہ گرانقدر عطیات بھی وصول کر کے  
شاد کام ہوتے رہے پتی بات جس پر سب اہل تحقیق متفق ہیں یہی تھی کہ حضرت حسینؓ  
نے مکہ سے عراق کا سفر اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لیکر جان دینے کے لئے شروع نہیں کیا تھا  
بلکہ اس لئے شروع کیا تھا کہ ہزاروں کوفیوں کے مواعید کے سیاسی اقتدار حاصل کر نیکا  
امکان پیدا کر دیا تھا اپنے معتبراہل بیت مسلم بن عقیلؓ کی رپورٹ موصول ہوتے ہی کہ کوفہ  
میں سب آپ کی بیعت خلافت کرنے کو تیار بیٹھے ہیں اپنے سب عزیزوں اور خیر خواہوں  
کی رائے کے خلاف جن کو اہل کوفہ کی تلون مزاجی کا تجربہ تھا روانہ ہو گئے مگر ابھی منزل  
مقصود پر پہنچے بھی نہ تھے کہ محاصرے میں آ جانے کے بعد یہ تین شرطیں خود ہی پیش کیں۔  
(۱) یا تو وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں (۲) یا کسی سرحدی مقام پر بھجود جو حال  
اور مسلمانوں کا ہوگا۔ اسی پر زندگی گزار دوں گا (۳) یا دمشق جانے دو کہ امیر یزید کے  
ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں یعنی بیعت کر لوں۔ گورنر اور کمانڈر کوفہ دمشق بھیجے پر اس شرط  
پر آمادہ تھے کہ ان کے قافلے کے ساتھ جو آلات حرب ہیں وہ ان کے حوالے کر دے جائیں  
تاکہ اس کا امکان باقی نہ رہے کہ اپنے ساتھیوں کے اثر میں آ کر رائے تبدیل کر دیں اور  
دمشق جانے کے بجائے اجاوسلی کے پہاڑوں پر چلے جائیں جیسا کہ کوئی ساتھیوں نے  
مشورہ بھی دیا تھا اس گفتگو کے دوران مسلم بن عقیلؓ کے بھائیوں نے جو اپنے مقتیل بھائی  
کا بدلہ لینے کے لئے بیتاب تھے فوجی دستے پر حملہ کر دیا اور یوں یہ واقعہ حزن انگیز پیش آ گیا

مودودی صاحب نے جن کتب کو اپنا مأخذ قرار دیا ہے ان ہی میں آخری شرط کے یہی الفاظ موجود ہیں یعنی البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۷۰ اور تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۳۵ کے علاوہ شیعوں کے بڑے ممتاز عالم جو نہج البلاغۃ کی تالیف میں شریک رہے ہیں یعنی شریف المرتضیٰ متوفی ۱۲۸۶ھ نے اپنی تالیف الشافی (طبع ایران ص ۴۷) میں اس تیسری شرط کے یہ الفاظ بطور دوسری شرط کے درج کئے ہیں۔

وقد ردی أنّه علیہ السلام  
قال لعنوا من بعد اختار وامتی إمتا  
الرجوم الی المکان الذی اقبلت منه  
اوان اضح یدی علی ید یزید  
فہو ابن عتّی لیری فی را یہ  
واما ان یسیروا بی الی ثغر من ثغور  
المسلمین فاکون رجلاً من اہلہ  
لی مالہ وعلی ما علیہ

حضرت حسینؑ سے پختہ روایت ہے کہ آپ نے  
عمر بن سعد سے کہا میری تین باتوں (شرطوں)  
میں سے ایک پسند کر لو راہمیا تو اس جگہ لوٹ  
جانے دو جہاں سے آیا ہوں (۲) یا یہ کہ میں  
اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں جبکہ  
وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں تو وہ میرے متعلق اپنی  
رائے خود قائم کر لیں گے (۳) یا پھر مجھے مسلمانوں  
کی سرحدات میں سے کسی سرحد کی طرف روادہ کر دو  
تو میں وہیں کا باشندہ بن جاؤں گا پھر جو نفع و آرام  
وہاں کے لوگوں کو حاصل ہوگا وہی مجھے بھی ملیگا  
اور جو نقصان اور تکلیف وہاں کے لوگوں کو ہوگی  
وہی مجھے بھی ہوگی

(کتاب الشافی شریف المرتضیٰ ص ۴۷)

یہ روایت تو ایک ایسے غالی شیعہ مصنف کے قلم سے ہے جن کا زمانہ بھی  
مودودی صاحب سے تقریباً ساڑھے نو سو برس پہلے کا ہے اور وہ اسی کتاب ”نہج البلاغۃ“  
کے مولفین میں بھی ہیں جس کی شرح کو مودودی صاحب نے اپنا مأخذ قرار دیا ہے  
یعنی شریف المرتضیٰ ابوالقاسم علی بن الحسن بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن  
ابراہیم بن جعفر (الصادق) بن محمد (الباقر) بن علی (زین العابدین) بن الحسین



بن علی بن ابی طالب اور سلسلہ نسب بھی ان کا یہ نسبت مودودی صاحب کے خاندانی  
سلسلہ کے صحیح واسطوں سے حضرت حسینؑ سے متصل ہوتا ہے یعنی صحیح النسب حسینی اور عالی  
شیعہ ہونے کے باوجود شریف المرتضیٰ نے حضرت حسینؑ کی پیش کردہ شرطوں کے اظہار میں  
مائل نہیں کیا۔

شریف المرتضیٰ سے دیرہ سو برس پہلے کا ایک اور عالی مولف الامامة والسياسة  
بھی یہی بیان کرتا ہے کہ حضرت حسینؑ نے سرکاری لشکر کے کماندار عمرو بن سعد کو اپنی یہی  
شرطیں پیش کرتے ہوئے کہا تھا :-

|                              |  |
|------------------------------|--|
| يا عمر و! اختر مني ثلاث خصال | اے عمرو! تین شرطیں میری مان لو۔ یا تو مجھے جہاں سے |
| اما تتركني ارجع كما جئت فان  | آیا ہوں لوٹ جانے دو۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو (کفار)  |

لہٰذا چشتیہ سلسلہ کے بزرگ خواجہ قطب الدین مودود چشتی بن خواجہ ابو یوسف چشتی کی نسل والے  
مودودی کہلاتے ہیں مشائخ و صوفیہ کے تذکروں کی بعض کتب اقتباس الانوار و انوار العارفين کی تصریحات کے  
علاوہ خود مودودی خاندان کے ایک مورخ مولوی آل حسن مودودی مولف نجمة التواريخ میں خواجہ  
قطب الدین مودود کا سلسلہ نسب عبداللہ الملقب بہ علی اکبر بن امام علی نقی سے ملایا ہے جو  
غلط ہے کیونکہ شیعوں کے ان دسویں امام جناب علی نقی کے کوئی فرزند عبداللہ الملقب بہ علی اکبر نہ تھے،  
صرف درجی حسن و جعفر نام تھے اول الذکر کو فرقہ امامیہ اپنا گیارہواں امام مانتے ہیں وہ لاؤ لدر گئے  
تھے۔ امامیہ نے ان کا فرزند محمد نام ڈار دے کر اپنا بارہواں امام غائب قرار دے لیا ہے ثانی الذکر جعفر  
کو یہ حضرات کذاب اس لئے کہتے ہیں کہ انھوں نے لاؤ لدر بھائی کا ترکہ لے لیا تھا۔ ان جعفر کذاب کی نسل  
بہت پھیلی جو لوگ اپنے کو نقوی کہتے ہیں وہ سب ان ہی کی نسل سے ہیں۔ خواجہ قطب الدین مودود چشتی  
کا مادری سلسلہ نسب ناصر الدین بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب سے ملایا ہے وہ  
بھی غلط محض ہے۔ اس نام کے کوئی بیٹے عبداللہ محض کے نہیں تھے اور اس قسم کے نام رکھنے کا  
دستور اس زمانہ میں لمٹھی یا قریشی خاندان میں تھا۔ بہارت پاکستان کے مختلف مقامات امرتسر، سنبھل  
وہسوان دیر علی و جمیر و حیدرآباد دکن و ضلع کرنال وغیرہ ہیں۔ مودودی گھرانے آباد رہے ہیں  
جن میں علماء و فضلاء و شہداء بعد نسل ہوتے رہے اور بعض صاحب منصب و جاگیر بھی تھے۔  
مودودی حضرات کے ناموں میں پہلے خواجہ یا مہوم لکھا جاتا تھا بعد کے زمانہ میں یہ لوگ  
سید لکھنے لگے۔ ان میں جو صوفی مشرب تھے وہ بھی نیم شیعہ تھے شاہ اکبر علی چشتی مودودی ہی کے مشورے  
سے لکھنؤ کے خاندان اجتہاد کے بانی مولوی دلدار علی کی امامت میں شیعوں کی ملازمت و جماعت لکھنؤ میں شروع ہوئی تھی

ابیت لہذا فاخری سیر فی  
الی الترتک اقاتلہم حتی اموت  
اور تیسری الی یزید فاضعیدی  
فی ید لا فیکم بہا یزید فاضل  
عمر والی ابن زیاد بذالک فہم  
ان یسیر الی یزید۔

(ج ۲ ص ۹ مطبوعہ مصر ۱۳۵۷ھ)

ترک کی طرف بھیج دو کہ قتال ان سے کرتا رہوں حتی کہ مر جاؤں  
یا مجھے یزید کے پاس بھیج دو کہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں  
دیدوں پھر وہ میرے متعلق جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں۔  
عمر بن سعد نے اس بارے میں ابن زیاد سے رجوع کیا  
انہوں نے بھی انہیں یزید کے پاس بھیج دینے کا  
ارادہ کر لیا۔

ان تین صورتوں کی اجازت حاصل کرنے کی خواہش ہی سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت  
حسینؑ نے کوفیوں کے مواعید کی قلعی کھل جانے سے طلب خلافت کا خیال ترک کر دیا تھا اور یہی  
چاہتے تھے کہ کسی طرح اس بکیرے سے نکل جائیں۔ اثبات مدعا کے لئے تو یہی تین شرطیں  
کافی ہیں مودودی صاحب حضرت حسینؑ کی ان تقریروں اور گفتگوؤں کو جو ان ہی کی کتب مآخذ  
میں ہیں نظر انداز کر گئے جو حضرت حسینؑ نے کوفیوں کو مخاطب کر کے مختلف انداز میں کی تھیں اور  
کہا تھا کہ تم نے ہی مجھے بلایا ہے اور اب تم ہی میرے خلافت تلوار اٹھاتے ہو۔ مودودی صاحب  
ہی بتائیں کہ گاڑی کے آگے کھڑے ہو کر اپنی جان لڑا دینے والے کے یہی تصور ہوتے  
ہیں یا اس شخص کا طرز عمل ہوتا ہے جو اپنی غلطی کا احساس کر کے اپنے موقف سے رجوع  
کر لیتا ہے۔ حضرت حسینؑ کی طینت کی برکت کہ صحیح صورت حال کا جائزہ لے کر کہ سب لوگ  
امیر المومنین یزیدؑ کی بیعت میں داخل ہیں۔ وہ بھی آمادہ ہو کر دمشق کی راہ پر چل پڑے  
مسلم بن عقیلؑ کے بھائیوں کے ناعاقبت اندیشانہ حملے سے قتال و جدال کی توبت آکر  
یہ اندھناک واقعہ پیش آگیا جسے ابو عصف و غیرہ جیسے کذاب سبائی راویوں نے دیو  
مالائی انداز میں پیش کر کے واقعات کو منہ کر دیا مودودی صاحب نے اپنے طبعی رجحان  
سے بغیر تحقیق واقعات غص بھر کر لیا ہے۔

اب ملاحظہ ہو اختتامیہ مودودی صاحب قرأتے ہیں (جولائی ۳۳۹ھ - ۳۴۰ھ)

اس طرح خلافت راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا۔



خلافت کی جگہ شاہی خاندانوں (DYNASTIES) نے لے لی۔  
 اور مسلمانوں کو اس کے بعد سے آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی۔  
 حضرت معاویہ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرف صحابیت بھی  
 بھی واجب الاحترام ہے۔ ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انھوں  
 نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا اور دنیا میں اسلام کے  
 غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ  
 بلاشبہ زیادتی کرتا ہے۔ لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہو گا۔ اسے  
 صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں  
 ڈال رہے ہیں۔

یہاں موردی صاحب سے ہم چند سوال کرنا چاہتے ہیں۔  
 (۱) آپ کے ہاں صحیح اور غلط کا معیار کیا ہے؟ یہی خرافات جو آپ نے اپنے مضمون  
 میں بھری ہیں یا آپ کے دعوات جن کا آپ وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہی ہیں  
 تو کیا آپ اپنی ہستی اس قسم کی سمجھتے ہیں کہ سب مسلمان آپ کی پیروی کے مکلف ہوں یا آپ کے  
 نزدیک بھی مشروع سے آج تک کے مسلمانوں کی طرح صحیح اور غلط کا معیار اللہ کی کتاب  
 رسول کی سنت، صحابہ کا اجماع اور وہ قیاس ہے جو ان سب پر مبنی ہو؟ ہم اس کا جواب واضح  
 چاہتے ہیں؟ اور پھر پوچھتے ہیں کہ اگر آپ صحابہ کرام کے متبع ہیں تو دین کے مآخذ کی روشنی میں آپ  
 سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے برپا کردہ نظام خلافت کو کس طرح غیر قانونی کہنے کی جرات  
 کر سکتے ہیں جبکہ جمہور صحابہ اور اہل بیت المؤمنین نے ان کا ساتھ دیا اور کسی نے ان کی ہمنوائی  
 سے گریز نہ کیا۔

(۲) مسلمانوں کی مرضی سے آپ کی مراد کیا ہے؟ معمولی عقل رکھنے والوں کے  
 نزدیک تو ایک حکومت کی مقبولیت کی دلیل صرف یہ ہے کہ عام طور پر رعایا اپنے راہی  
 کے ساتھ ہوں اور اس کے خلاف جو لوگ کھڑے ہوں ان کا ساتھ نہ دے اور ان کے  
 غلط اقدامات سے انھیں روکے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی معیار رہو تو ہم جیسے معمولی

حیثیت کے لوگوں کی عقل کی رسائی وہاں تک نہیں۔ آپ اپنی سطح سے ذرا نیچے اتر کر ہماری سطح پر بات کریں تو شاید کچھ سمجھ میں آجائے۔ ہم یہ بات غیر مسلح منتشر اور کم ہمت لوگوں کی نہیں کر رہے جو مجبور ہوتے ہیں اگرچہ وہ بھی تنگ آمد بیکام آمد کے تحت وہ کچھ کر گزرتے ہیں۔ جو دنیا کو حیران کر دے۔ مگر ہم بات کر رہے ہیں اس عہد کی جو خیر القرون تھا اور اس امت کی جس کا ہر فرد مسلح تھا جس کے بچے بھی تیر و کمان سے کھیلتے تھے اور تلواروں کو اپنا کھلونا جانتے تھے۔ جس قوم کا ہر بالغ شخص ماہر حرب و ضرب ہوتا تھا جو وقت پر ان سب ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدان میں اتر سکتی تھی جو حریف کی فوج کے پاس ہوں۔ ہم بات اس قوم کی کر رہے جس کی زندگی اجتماعی تھی اور جو صورتیں ایک علاقے کے لوگوں کی اجتماعی زندگی مضبوط کرنے کی ہوتی ہیں وہ سب اسے حاصل تھیں۔ ہم بات اس قوم کے افراد کی کر رہے ہیں جنہوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کے تختے اٹھ دیئے اور بڑے بڑے جباروں اور قہاروں کی سر اپنے قدموں تلے روند ڈالنے کے لئے جب چاہتے تھے کھڑے ہو جاتے تھے۔

یہ قوم اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے برپا کردہ نظام خلافت سے ناراض تھی تو اس نے اس حکومت سے گلو خلاصی کی کوئی موثر تدبیر کیوں نہ کی۔ اس بیسویں صدی مسیحی کی غیر مسلح منتشر اور حریف ملکوں میں بنی ہوئی قوم جس کی حرارت دینی ماند پڑ چکی ہے اور جس کی علی و رومانی قوت پہلی صدی ہجری کے مسلمانوں کے مقابلے میں بیچ بھن ہے وہ دنیا کی عظیم طاقتوں کے مقابلے میں کھڑی ہو کر آزادی حاصل کر کے اپنی مرضی کی حکومت قائم کر لیتی ہے اور حاکم اگر ناپسندیدہ ہوں تو انہیں برطرف کر دیتی ہے۔ مگر و فریب سے اگر اس پر کوئی مسلط ہو جائے تو زیادہ دن اپنا تسلط قائم نہیں رکھ سکتا اسے بھاگتے ہی بنتی ہے۔ اس قوم نے حضرت معاویہ اور ان کے بعد کے خلفاء کے خلاف کوئی موثر قدم کیوں نہ اٹھایا اور کیوں ان لوگوں کا ساتھ نہ دیا جو وقتاً فوقتاً حکومت کے خلاف کھڑے ہوئے۔

یہ منظر ہمیں کیوں نظر آتا ہے کہ جو قوم دو برا عظموں میں پھیلی ہوئی تھی اور کفار کے خلاف جہادوں میں مشغول تھی۔ اس قوم نے اپنے گھر کی خبر نہ لی اور حضرت حسینؑ جب امیر المومنین یزیدؑ کے خلاف کھڑے ہوئے تو انہیں اپنی حمایت پر حیدر حمایتی بھی نہیں مل سکے اور



چاروں طرف سے عزیزوں، دوستوں، بزرگوں اور خوردوں، اپنوں اور غیروں سب ہی نے سمجھایا اور کسی ایک صحابی نے بھی ان کا ساتھ دینا تو درکنار ان کے موقف سے زبانی ہمدردی کا اظہار تک نہ کیا۔ تا آنکہ وہ اپنے موقف سے رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے صفحات تاریخ پر ہم یہ کیوں دیکھتے ہیں کہ جب اہل مدینہ کے بعض منجملے لوگوں نے دوسرے مدعی خلافت (حضرت ابن زبیر) کے طرف داروں کے منہ دینے پر بغاوت کی تو خود شہر کی بڑی اکثریت نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور عسکر خلافت کو اپنے محلے میں سے گزار کر شہر پر قبضہ کر دیا۔ ہم یہ کیوں دیکھتے ہیں کہ جب جناب زید بن علی (زین العابدین) بن الحسنؑ نے امیر المومنین ہشامؑ جیسے مقبول امام امام کے خلافت کھڑے ہوئے تو انھیں دھوکہ کو فیوں سے زیادہ لوگ اپنی حمایت پر نہ مل سکے۔ حالانکہ اسی قوم نے بعد میں بربروں کی ہولناک بغاوت کو کچل کر رکھ دیا۔

یہ تمام دلائل تو ہر انصاف پسند کو اس کا بین ثبوت معلوم ہوں گے کہ اموی خلافت امت میں نہایت مقبول تھی اور سو برس تک تمام امت کی اور چار سو برس اندلس کے مسلمانوں کی حمایت اسے حاصل رہی۔ مسلمانوں کی مرضی کی حکومت کا اگر کوئی اور معیار ہو تو وہ مودودی صاحب کے ذہن میں ہوگا۔

اب ہم ایک دوسرا سوال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اصحاب جنہوں نے آپ کی معیت میں دین قائم کیا تھا اور جس کے لئے انھوں نے کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا نیز حضرات اہل بیت المومنین سلام اللہ علیہم جن پر دین کی حفاظت کی ذمہ داری سب سے زیادہ تھی ان سب نے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا تو کیا یہ سب کے سب (معاذ اللہ) دین فروش تھے اور بقول روافض مرتد ہو گئے تھے؟ آپ صاف صاف بات کیوں نہیں کہتے اور کیوں امت کو اپنی طولانی تحریروں کے چکر میں پھنسا کر اس راہ ڈالنا چاہتے ہیں جو دشمنان صحابہ کی راہ ہے۔

(۳) مودودی صاف فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ پر لعن طعن کرنا زیادتی ہے اس کا مفہوم بھی ہماری ناقص عقل میں نہیں آیا۔ کیونکہ آپ کو خود اعتراف ہے کہ وہ

صحابی میں واجب الاحترام ہیں اور ان کی اس خدمت کا بھی انکار ممکن نہیں کہ انھوں نے مسلمانوں کو ایک جھڑتے تلے جمع کر کے اسلام کی سر بلندی کا دائرہ وسیع تر کر دیا جس شخص کی یہ تعریف ہو اور وہ شخص ہو پہلی صدی ہجری کے وسط میں جبکہ امت صرف صحابہ و تابعین اور تبع تابعین پر مشتمل تھی تو اس کے معنی یہی تو ہوئے کہ سارے صحابہ و تابعین ان کی امامت پر متفق تھے۔ تو پھر ان پر ان طعن کرنے والے کو محض یہ کیوں کہا جائے کہ "زیادتی" کر رہا ہے۔

ذرا سوچئے جس صحابی کا تب و جی کی امانت پر اللہ اور اس کے رسول کو اعتبار ہو اسی کی امانت و دیانت پر اتہام لگانا۔ اور بدگوئی کرنا کیا موجب ضلالت و گمراہی نہ ہوگا مودودی صاحب صحابہ رسول کو واجب الاحترام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں (شمارہ جولائی ص ۳۳۰)

"بلاشبہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کے مرتبے کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے"

وہ ذرا اپنے ان الفاظ پر غور فرمائیں اور گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ صحابہ پر بددیانتی اور بے ایمانی کے بہتان باندھنا کیا "ان کے مرتبے کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آئے" کے مترادف نہیں۔ کیا یہ امر باعث حیرت نہیں کہ مودودی صاحب کو حضرت معاویہؓ کے شرف صحابیت ان کے محامد و مناقب اور ان کی اسلامی خدمات کا بھی اعتراف ہے اسم گرامی بھی ان کالیوں تحریر فرماتے ہیں (شمارہ اگست ص ۳۲)۔

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ“

گویا نام نامی کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" تحریر کرنے سے مودودی صاحب کے اس کا بھی اقرار ہے کہ حضرت معاویہؓ سے خدا راضی تھا باینہم انھوں نے سبائی نکسال کی گھڑی ہوئی مرد دروایت کے سہارے جس کی ساختگی اگلی سطور سے بخوبی واضح ہو جائے گی حضرت معاویہؓ پر نیز سابقون الاولون زمرے کے جلیل القدر صحابی حضرت مغیرہ بن



شعبہ پر امیر بزرگ کی ولیعهدی کی تحریک کے سلسلے میں "ذاتی مفاد" کی خاطر رشوت دے دلا کر لوگوں کا "ایمان خریدنے" کی بدگوئی سے اجتناب نہیں کیا۔ اور حضرت مغیرہؓ کے اسم گرامی کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" یا اس کی علامت "رض" بھی تحریر نہیں کی در آنحالیکہ وہ بھی منجملہ ان خوش بخت صحابہ کے تھے جو بیعت الرضوا میں موجود تھے اور جن کی شان میں سورہ فتح کی یہ آیتیں نازل ہوئی تھیں:-

|  |   |
|--|---|
| لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ | یقیناً اللہ ان مومنین سے راضی ہوا جب وہ درخت کے       |
| يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ     | نیچے تجھ سے (اے رسول) بیعت کر رہے تھے سو اس نے        |
| مَا فِي قُلُوبِهِمْ قَانُزِلَ السَّكِينَةُ     | جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس ان پر تسکین نازل |
| وَإِثَابَهُمْ فَتَحَّا قُورَيْبًا              | کی اور انھیں بدلے میں فتح قریب دی۔                    |

مردودی صاحب ہی کی کتب مآخذ الاستیعاب والبدایہ والنہایہ میں ضمن تذکرہ حضرت مغیرہؓ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابی عبد اللہ قرار دی تھی اور فرمایا تھا:- قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر (الاستیعاب ج ۱ ص ۲۵۰) یعنی حضرت مغیرہؓ ایسے خوش بخت صحابی تھے کہ ان کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا اظہار لسان نبوت سے فرما دیا گیا۔ ابن کثیر نے بتایا ہے کہ صلح حدیبیہ کے وقت کفار قریش کے سامنے حضرت مغیرہؓ تلوار سونپتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایستادہ رہے تھے۔ کان واقفا يوم الصلح (الحدیبیہ) علی راس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالسيف صلتا (البدایہ ج ۸ ص ۴۸) پھر نبی کریمؐ نے طائف کے بت خانہ کے انہدام کے لئے ان کو حضرت ابوسفیانؓ کے ساتھ مامور فرمایا حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک عہد میں فتوحات و اشاعت اسلام میں ان کے بڑے بڑے کارنامے ہیں۔

غزوہ خندقؓ کے زمانے میں مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد سے ۳۵ھ تک یعنی ۴۹ برس مسلسل حضرت مغیرہؓ نے شاندار اسلامی خدمات انجام دی تھیں بڑے عواقب لڑائی بزرگ تھے حضرت علیؓ نے ان کا یہ نیک مشورہ نہ مانا کہ حضرت معاویہؓ سے نہ لگاؤں۔ مگر بیتناک خونریزی ہونے کے بعد بھی نتیجہ حضرت علیؓ کے خلاف رہا اپنی وفات سے

چند ماہ قبل حضرت مغیرہؓ اپنے حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھ کر حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ اپنی زندگی ہی میں ولیعہد مقرر کر جائیں ایسا نہ ہو کہ ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی انعقاد خلافت کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں اور اُمت میں پھر خون خرابہ کی نوبت آئے مسلمان راویوں نے اس عاقلانہ مشورہ کو بری طرح مسخ کر کے پیش کیا ہی تھا مودودی صاحب نے ایسے جلیل القدر صحابہ پر بددیانتی کا بہتان باندھتے ہوئے جس انداز میں پیش کیا ہے وہ اور بھی افسوسناک ہے۔

قدیم مورخین کے بیان اس مردود روایت کا اشارہ تاؤ کنا یتا بھی کوئی ذکر نہیں جو مودودی صاحب نے درج فرمائی ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے تیس ہزار دینار میں لوگوں کا ”دین خریدنا“ اور ولایت عہد کی تائید کے لئے وفد بھیجا۔ مودودی صاحب نے طبری کو مآخذ قرار دے کر متعدد حوالے دئے ہیں لیکن اس موقع پر طبری کا نام ان کے دبان قلم سے ادا نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا کیونکہ لوگوں کے دین خریدنے اور رشوت دینے کا اس میں اشارہ بھی کوئی ذکر نہیں۔ اس میں تو صرف یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے بیعت یرزید کے بارے میں کارروائی کی اور ایک وفد اس بارے میں حضرت معاویہؓ کی خدمت میں بھیجا۔

وَعَمَلُ الْمَغِيرَةِ فِي بَيْعَةِ يَزِيدٍ وَأَوْفَدَ فِي ذَلِكَ وَافِدًا إِلَى مُعَاوِيَةَ (طبری ج ۶ ص ۱۶۹)

طبری میں البدایہ والنہایۃ اور بعد کے مورخین کا مآخذ ہے امیر یرزیدؓ کی ولیعہدی کے سلسلے میں اہل عراق کے صرف وفد کے بھیجے جانے کا ذکر ہے۔ ابن کثیر متوفی ۷۴۱ھ نے بھی ابن جریر طبری متوفی ۷۴۱ھ کی اسی روایت کے حوالے سے فقط اتنا ہی لکھا ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے ولایت عہد کی تحریک کو تقویت دینے کی کوشش کی تھی سعی المغیرۃ توطیو ذلك

البدایہ ج ۸ ص ۹۷ ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ نے جو ابن کثیر مولف البدایہ کے ہم عصر تھے ولیعہدی امیر یرزیدؓ کی تحریک کے سلسلے میں حضرت مغیرہؓ کی کوشش کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

”حضرت مغیرہؓ نے کوفہ پہنچ کر ہوا خواہان دولت بنی امیہ سے اس کا (ولیعہدی امیر یرزیدؓ) ذکر کیا ان لوگوں نے بہ کمال خوشی منظور کر لیا مغیرہؓ



نے ان لوگوں میں سے ایک گروہ بطور وفد اپنے لڑکے موسیٰ کے ساتھ دار الخلافہ دمشق کو روانہ کیا۔ اہل وفد نے حاضر ہو کر ولید بن یزید کی بیعت کی درخواست پیش کی امیر معاویہؓ نے دریافت کیا "کیا تم لوگ اس سے راضی ہو؟" عرض کیا "ہم سب اور ہمارے سوا اور جتنے آدمی ہیں سب اس سے راضی ہیں" امیر معاویہؓ نے فرمایا "اچھا جو تم نے درخواست پیش کی ہے اس پر ہم غور کریں گے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا حکم دیتا ہے سوچ کر کلام کرنا بہتر ہے عجلت کرنے سے (کتاب ثمانی جلد پنجم ترجمہ تاریخ ابن خلدون ص ۴۶)

"محاضرات تاریخ اسلامی" ص ۲۱۶ میں بھی کوفے کے ہوا خواہاں بنی امیہ یحییٰ "شیعہ بنی امیہ" کے وفد کا موسیٰ فرزند حضرت معیرہؓ کی قیادت میں دمشق آئے کا وہی حال لکھا ہے جو ابن خلدون نے مندرجہ بالا عبارت میں بیان کیا ہے گویا ان مورخین نے جن میں قیاد و متاخرین دونوں شامل ہیں اشارتاً و کنایتاً بھی ارکان وفد کو رشوت دے کر ان کا ایمان خریدنے کا ذکر نہیں کیا مودودی صاحب نے رشوت دینے کی مردود روایت کے ان فقرات پر ابن کثیر کی مبسوط تالیف البدایہ والنہایہ کا غلط حوالہ یوں دیا ہے۔

والبدایہ ج ۸ ص ۷۹) اور لکھا ہے کہ :-

"حضرت معاویہؓ نے موسیٰ (بن معیرہؓ - م) کو الگ بلا کر پھپھا "تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے نہیں ان کا دین خریدنا ہے" انھوں نے کہا۔ "تین ہزار دینار میں" حضرت معاویہؓ نے کہا "تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے"

مگر البدایہ ج ۸ کے ص ۷۹ پر یا کسی اور صفحے پر مودودی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کا نہ کوئی لفظ ہے اور نہ اس کے اعتبار سے رشوت دے کر لوگوں کے دین خریدنے کا کوئی اشارہ۔ کتاب البدایہ نایاب نہیں مطبوعہ ہے ہر شخص بآسانی مطالعہ کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ مودودی صاحب نے کتاب کی جلد اور صفحے کا حوالہ دے کر بھی ایسی پُر فریب غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے جو ایک عالم کے مرتبے کے منافی اور جماعت اسلامی کے

امیر درمنا کے بلند مقام سے بہت فروتر ہے وہ قماشاء اللہ اب جو انی ویرانی کی مدہوشیوں سے  
 گذر کر سن کہولت کے حدود میں پہنچ چکے ہیں تعجب ہے اور تاسف بھی کہ انہوں نے صحابہ کرام پر  
 "رشوت دے کر لوگوں کے دین خریدنے" کا بہتان باندھتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ کون سے جو  
 وفد گیا تھا وہ "شیعة لنبی امیہ" ہوا خواہاں و طرفداران بنی امیہ کا تھا جنہیں رشوت دیکر  
 ان کی رائے خریدنے کا امکان ہی نہ تھا پھر حضرت مغیرہؓ نے امیر یزیدؓ کی ولیعہدی کی تحریک  
 اس زمانے میں کی تھی۔ جب حضرت مغیرہؓ بوجہ سن کہولت پبلک خدمات سے سبکدوش ہو رہے  
 تھے اور حب مدنی عیسائیوں کے خلاف جہادوں اور دیگر معارک عظیمہ میں امیر یزیدؓ کا رہائے  
 نمایاں انجام دیکر اور سال ۴۹ھ کے مشہور جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار کی حیثیت سے انتظامی  
 صلاحیتوں اور اپنے ذاتی شجاعت و شہامت کے جوہر دکھا کر زبان خلق سے فنی العرب و عرب  
 کے سورما کا خطاب پا چکے تھے۔ اپنے مآخذ البدایہ و النہایہ (ج ۸ ص ۵۱) میں مودودی  
 صاحب نے غالباً پڑھا ہو گا۔ کہ صحابہ کرام کی جماعت قسطنطنیہ کے جہاد میں امیر یزیدؓ کی قیادت  
 و سپہ سالاری میں شریک ہوئی تھی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میر بان حضرت  
 ابو ایوب انصاریؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر صحابہ کے علاوہ  
 حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور خود حضرت حسینؓ بھی شامل تھے۔ شیعی  
 مورخ حبش امیر علی نے بھی حضرت حسینؓ کی شرکت جہاد قسطنطنیہ کا اعتراف کیا ہے وہی  
 آت سیرینر (ص ۸۴) مورخ اسلام علامہ ذہبی بحرہ ابن عساکر کہتے ہیں۔

وفد الحسین علی معاویہ وغن  
 القسطنطنیہ مع یزید (ج ۲ ص ۸)  
 حضرت معاویہؓ کے پاس حضرت حسینؓ وارد  
 ہوئے اور (امیر) یزیدؓ کے ساتھ جہاد  
 قسطنطنیہ میں شریک ہوئے۔

صحیح بخاری (ج ۱ ص ۴۱۰) میں مدینہ قیصر قسطنطنیہ پر جس اسلامی لشکر کے جہاد کرنے  
 کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "مغفور لہم" سے اس لشکر کی  
 بشارت منقول ہے۔ غازیان اسلام کا وہ یہی لشکر تھا جس کی قیادت امیر یزیدؓ نے  
 کی تھی۔ اور سان نبوت سے بشارت مغفرت پائی تھی۔ شیخ الاسلام اسی تیمیہؒ فرماتے ہیں



کہ اسی بشارت مغفرت کی خاطر امیر نیریز نے جہاد کیا تھا۔

غرض کہ اس مجاہد و غازی قریشی نوجوان امیر نیریز کی نمایاں کارگزاریوں، انتظامی صلاحیتوں اور دیگر اوصاف حمیدہ کی بنیاد و لیہدی کی تحریک حضرت مغیرہؓ جیسے سابقین الاولون کے زمرے کے جلیل القدر صحابی نے ملت اسلامیہ کے مفاد کے لئے پیش کی تھی نہ کہ بقول مودودی صاحب اپنے ذاتی مفاد کے لئے یہ حضرت مغیرہؓ تقریباً پچاس سال متواتر شاندار اسلامی خدمات انجام دینے کے بعد بعد از ضعف پیری کہ ۸۷ سال کا سنہ تھا اپنی ہی مرضی اور خواہش سے انتظامی معاملات کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو رہے تھے۔ انہوں نے ملت اسلامیہ کی متعدد سیاسی گتھیوں کو ناخن تدبیر سے سلجھانے میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اب اپنے آخر وقت کہ یہ تحریک پیش کرنے کے حق و طے ہی عرصہ بعد داعی اجل کو لبیک کہا تھا انہوں نے امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کو متوجہ کیا کہ اپنی زندگی ہی میں ولایت عہد کا انتظام کر جائیں تاکہ سیاسی قسمت آزمائی کے فتنہ و فساد میں ملت کو حسب سابق خونریزیوں میں مبتلا ہونا نہ پڑے۔ سبائی راویوں کے ہمارے مودودی صاحب نے ایسے بزرگ صحابی کی نیک نیتی پر جو غرور و غندق کے وقت مہاجر ہو کر نبی کریم کے پاس آئے تھے۔ قدم مہاجر (الاستیعاب ج ۱ ص ۵۰) چوٹ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بھی لحاظ نہ کیا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَآوَىٰ حَتُّو  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَىٰ وَنَصَرُوا  
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ  
مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے  
ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور  
جن لوگوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد  
کی یہ سب بچے اور سچے مومن ہیں اور ان کے  
لئے مغفرت اور رزق کریم ہے

یہ تبصرہ مودودی صاحب کے سلسلہ مضامین (ترجمان القرآن شماره مئی لغایت جولائی ۱۹۵۷ء) سے متعلق ہے۔ اگست لغایت اکتوبر ۱۹۵۷ء کے سلسلہ مضامین پر تبصرہ منظر سہولت قارئین دوسرے حصہ میں کیا گیا ہے۔ حصہ دیکم میں ایک باباً مآخذ تاریخ اسلامی بھی شامل ہے۔



## اسلامی تاریخ پر مصنف کی دیگر یادداشتیں

۱۔ خلافت معاویہ و یزیدؓ: تاریخی ریسرچ کی اس شہرہ آفاق کتاب کی پہلی طباعت مئی ۱۹۵۹ء میں ہوئی۔ تین ہی مہینے بعد دوسرا ایڈیشن جولائی ۵۹ء میں طبع ہوا ہی تھا کہ ۱۲ اگست ۵۹ء کو وزیر دفتر ۹۹ ضابطہ فوجداری کتاب بحق سرکار پاکستان ضبط کر لی گئی مصنف کی اپیل دائر کرنے پر ۱۹ دسمبر ۶۰ء کو ہائی کورٹ اپیل بنچ نے حکم ضبطی کو منسوخ کر دیا۔ جنوری ۶۱ء میں تیسرا اور جون ۶۲ء میں چوتھا ایڈیشن طبع ہو چکا تھا کہ پھر روری ۶۳ء کو گورنر صاحب مغربی پاکستان کے حکم سے یہ کتاب دوبارہ ضبط کی گئی۔ اب ۲۱ دسمبر ۶۵ء کو ہائی کورٹ کی اپیل بنچ نے مصنف کی اپیل کو منظور کرتے ہوئے حکم ضبطی کو منسوخ کر دیا ہے شائقین کتاب کے متواتر طلب اور تقاضوں سے اب پانچواں ایڈیشن باضافہ مضامین طبع کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ سائز ۲۳۶x۳۶۷ ضخامت ۵۰۰ صفحات تخمیناً قیمت ۵۰ روپے

۲۔ تحقیق یزیدؓ: سلسلہ خلافت معاویہ و یزیدؓ سائز ۲۰۲x۲۶۷ ضخامت ۵۱۲ صفحات قیمت آٹھ روپے

اس دوسری مسموم کتاب میں تقریباً تین سو صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشمول اصحاب عشرہ مبشرہ و اصحاب بدر و بیعت الرضوان وغیرہم کے مختصر تذکرے ہیں جو امیر یزیدؓ کی خلافت کے موافق اور حضرت حسینؓ کے خروج کے مخالف رہے نیز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اصحاب جہل کے اقدامات قصاص خون عثمانؓ کے صحیح حالات کے علاوہ طلب خلافت کے لئے ۶۵ اشخاص کے خروج و جہاد اور بغاوتوں کے حالات کا اجمالی بیان ہے جو حضرت حسینؓ کے ناکام خروج کے کچھ عرصہ بعد سے ان کے اور ان کے بیانی کے افلاں نے چوتھی صدی ہجری تک کے نیز بعض دیگر اہم تاریخی الحکشافات کا مختصر آئینہ ہے

۳۔ تحقیق سید و سادات: قرآن، حدیث تاریخ و انساب کی روشنی میں سائز ۱۳۶x۳۶۷ ضخامت ۵۲۴ صفحات مجلد کاغذ سفید طباعت نفیس گرد و پوش دیدہ زیب قیمت آٹھ روپے۔ یہ کتاب اپنے معیشت پر یکتا ہے۔ لفظ سید جس کے معنی سردار و سربراہ و معظّم و محترم کے ہیں۔ نہ اہل زبان نے کبھی اظہار نسب میں استعمال کیا نہ عربوں کا کوئی قبیلہ و خاندان سید کہلایا۔ ہندوستان میں کب سے اور کن وجوہ سے اظہار قومیت میں اسکا استعمال شروع ہوا اس کے تاریخی حالات کے علاوہ اور بہت سے اچوتھے مباحث کتاب شامل ہیں۔

مکتبہ محمود۔ ۱۶ بی ایریا۔ لیاقت آباد۔ کراچی ۱۹



# تصحیح افلاط طباعت

| صفحہ | سطر | غلط         | صحیح        |
|------|-----|-------------|-------------|
| ۲    | ۵   | نا مصنف     | نام مصنف    |
| ۳    | ۱۱  | شوری حکومت  | شوروی حکومت |
| ۱۳   | ۲   | عیب         | غیب         |
| ۲۵   | ۱۳  | بعد         | اور         |
| ۵۳   | ۱۲  | وجود حسنی   | وجود حیستی  |
| ۵۴   | ۴   | دعوی        | دعوی کیا    |
| ۵۴   | ۸   | قتل کر کے   | قتل کروا کے |
| ۷۸   | ۵   | توذب        | شوذب        |
| ۸۱   | ۱۵  | بھائیوں     | مبائیوں     |
| ۹۲   | ۱۰  | ذیل         | ذلیل        |
| ۱۱۲  | ۵   | وہی خویہ    | دی خویہ     |
| ۱۴۴  | ۱۹  | علیؑ        | حضرت علیؑ   |
| ۱۵۹  | ۴۳  | بس اور      | بس ان ہی    |
| ۱۶۴  | ۱۴  | قتل کیا گیا | قتل کرے گا  |
| ۱۶۸  | ۴   | سودانی      | سوداں بن    |
| ۶۰۲  | ۶   | اپنی خلافت  | آپنی خلافت  |
| ۲۴۴  | ۱   | اپنے        | نے          |
| ۲۴۴  | ۷   | کے بیان     | کے بیان میں |
| ۱۱۳  | ۱۸  | Compeled    | Compelled   |
| ۱۱۳  | ۱۸  | oo          | do          |

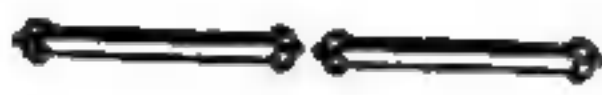
# مجاہدین پاکستان

★ میجر ضیا الدین احمد عباسی

✽ میجر عزیز بھٹی

★ فلائٹ لفٹیننٹ خواجہ یونس

و دیگر شہداء کی یاد میں



خطہ پاک پر اسلامی پرچم سب سے پہلے اموی خلیفہ امیر المومنین  
الولید بن امیر المومنین عبدالملک بن امیر المومنین مروان کے  
جوان سوال کمانڈر محمد بن قاسم ثقفی نے لہرایا تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔  
سال بعد کے سیاسی انقلاب میں برطانوی حکومت نے یہ  
بازو پرچم عارضی طور سے سرنگوں کر دیا مگر مسلمانان برکوک  
کی عزیمت ماندہ نہ پڑ سکی تا آنکہ اسی خطہ پاک کے بطل جلیل و  
قائد اعظم محمد علی جناح کے حسن تدبیر سے ایک بار پھر یہ اسلامی  
پرچم سر بلند ہوا اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت منصفہ شہود  
پر آئی۔

بعد بد عہد بھارت نے بلا اعلان جنگ جب اس  
اٹھارہ برس خطہ پاک پر بزدلانہ حملہ کی جسارت کی تو اسی  
سرزمین کے دوسرے بہادر فرزند فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر مملکت  
کی مضبوط قیادت کے طفیل ہمارے شیر دل مجاہدوں نے دشمن کو وہ  
ماردی کہ دنیا حیران رہ گئی اور دشمن کے مارے منصوبے خاک میں  
مل گئے۔

یہ کتاب جو اسی اموی خلافت کے صحیح حالات میں ہے جسکے  
مبارک عہد میں اسلامی ریاست کا پرچم سب سے اول  
یہاں لہرایا تھا اسے ان پاکستانی مجاہدوں کے نام منسوب کرتا ہوں  
جنہوں نے اس پرچم کی سر بلندی اور وطن عزیز کے دفاع میں تاریخی  
کارنامے انجام دیتے ہوئے اپنی عزیز جانیں تک قربان کر دیں۔ منافع بھی  
اسکا قومی دفاعی فنڈ سے مخصوص کرتا ہوں۔

محمود احمد عباسی

کراچی ۱۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۶۵ء